جدید اضافہ و تخریج شدہ ایڈیشن

معارفِ اُمّ القرآن

تعوذ، تسمیہ اور سورہ فاتحہ سے متعلق ۱۰۰ اہم مباحث پر مشتمل،
حل بیضاوی اور دورہ تفسیر کے طلبہ کے لئے خصوصاً
اور دیگر اہلِ علم کے لئے عموماً ایک مستند کتاب

تالیف
مولانا محمد نعمان صاحب
اُستاذ الحدیث جامعہ انوار العلوم مہران ٹاؤن کورنگی کراچی

حضرت مولانا محمد نعمان صاحب کے بیانات، کتب واٹس ایپ پر حاصل کرنے کے لئے اس نمبر پر رابطہ کریں 0311-2645500

اِدارۃ المعارف کراچی

فہرست

عنوانات	صفحہ نمبر
تقریظ	۴۱
انتساب	۳۴
مقدمہ	۴۴
قرآنِ کریم کا ایک عجیب معجزہ	۴۹
سببِ تالیف	۵۰
پہلی بحث: قرآنِ کریم میں تعوذ کا ذکر	
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تعوذ	۵۶
حضرت یوسف علیہ السلام کا تعوذ	۵۸
والدہ مریم کا تعوذ	۵۹
سیدہ مریم کا تعوذ	۶۱
امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور تعوذ	۶۲
دوسری بحث: احادیثِ مبارکہ میں تعوذ کا ذکر	
۱.....عقائد میں شیطانی وسوسوں سے اللہ کی پناہ طلب کرنا	۶۴
۲.....نماز شروع کرتے وقت شیطان کے شر سے پناہ طلب کرنا	۶۴
۳.....نماز میں شیطانی وسوسوں سے اللہ کی پناہ چاہنا	۶۶

۴.....غصہ کے وقت اللہ کی پناہ طلب کرنا	۶۶
۵.....کسی وادی یا منزل پر پڑاؤ کے وقت اللہ کی پناہ میں آنا	۶۹
۶.....مسجد میں داخل ہوتے وقت اللہ کی پناہ میں آنا	۶۹
۷.....مسجد سے نکلتے وقت اللہ کی پناہ طلب کرنا	۷۰
۸..... بیماری کے وقت اللہ کی پناہ مانگنا	۷۱
۹.....بچوں کے لئے اللہ کی پناہ کے خواہاں ہونا	۷۱
۱۰.....صبح وشام کے وقت اللہ کی پناہ میں آنا	۷۲
۱۱.....صبح وشام اور بستر پر لیٹتے وقت اللہ کی پناہ میں آنا	۷۲
۱۲.....براخواب دیکھنے پر اللہ کی پناہ طلب کرنا	۷۳
۱۳.....بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت اللہ کی پناہ طلب کرنا	۷۵
۱۴.....مباشرت کے وقت شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ چاہنا	۷۶
۱۵.....سفر کے وقت تعوذ پڑھنا	۷۷
۱۶.....دشمن سے حفاظت کے لئے تعوذ پڑھنا	۷۸
۱۷.....زوالِ نعمت سے حفاظت کے لئے تعوذ پڑھنا	۷۹
۱۸.....بُرے اَخلاق سے تعوذ	۸۰
۱۹.....بے نفع علم سے تعوذ	۸۱
۲۰.....موت کے وقت شیطانی حملہ سے اللہ کی پناہ چاہنا	۸۲
تعوذ کی فضیلت سے متعلق روایات کی نشاندہی	۸۲

تیسری بحث: تعوذ سے متعلق فقہی مسائل

چوتھی بحث: تعوذ کو تسمیہ پر کیوں مقدم کیا؟	
تعوذ کو تسمیہ پر مقدم کرنے کی چھ وجوہات	۸۴
منفعت کی حقیقت	۸۴
مضرت کی حقیقت	۸۴
استعاذہ کی حقیقت	۸۴
تسمیہ کی حقیقت	۸۴
پانچویں بحث: تعوذ کے الفاظ کے متعلق	
اہلِ علم کے ہاں تعوذ میں ''أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ'' کے الفاظ پڑھنا اولیٰ ہے	۸۵
علامہ ابن جزری رحمہ اللہ نے چھ وجوہات نقل کیں ہیں	۸۵
علامہ ابن عطیہ اندلسی رحمہ اللہ کی رائے	۸۷
علامہ قرطبی رحمہ اللہ کی رائے	۸۷
علامہ سمین حلبی رحمہ اللہ کی رائے	۸۷
علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ کی رائے	۸۸
علامہ سراج الدین حسینی کی رائے	۸۸
علامہ محمد امین بن عبداللہ ہرری کی رائے	۸۸
چھٹی بحث: تعوذ کے معنی کے بارے میں	
عوذ اور لوذ کے درمیان فرق اور ان کا استعمال	۸۹
امام قرطبی رحمہ اللہ کے نزدیک تعوذ کا معنی	۸۹

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے نزدیک تعوذ کا معنی	۸۹
تعوذ دُعا کے معنی میں ہے	۹۰
فعلِ مضارع کا اصل معنی	۹۰
ساتویں بحث: تعوذ کے وقت کے بارے میں	
جمہور علماء کے ہاں تعوذ کو تلاوت سے پہلے پڑھا جائیگا	۹۱
علامہ قرطبی رحمہ اللہ کی رائے	۹۱
علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کی رائے	۹۱
حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی رائے	۹۱
شیخ زادہ رحمہ اللہ کی رائے	۹۲
علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ کی رائے	۹۲
علامہ محمد امین بن عبداللہ ہرری کی رائے	۹۲
آٹھویں بحث: تعوذ کا حکم	
جمہور علماء کے ہاں تعوذ کا پڑھنا مستحب ہے	۹۳
علامہ ابن عطیہ اندلسی رحمہ اللہ کی رائے	۹۳
امام قرطبی رحمہ اللہ کی رائے	۹۳
حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی رائے	۹۳
علامہ ابن جزری رحمہ اللہ کی رائے	۹۳
قاضی ابوالسعود رحمہ اللہ کی رائے	۹۴
علامہ شنقیطی رحمہ اللہ کی رائے	۹۴

علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ کی رائے	۹۴
افتتاحِ کلام میں تعوذ پڑھنے کا حکم	۹۴
علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ کی رائے	۹۴
علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ کی رائے	۹۵

نویں بحث: لفظ ''شیطان'' کی تحقیق

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ کی رائے	۹۶
امام قرطبی رحمہ اللہ کی رائے	۹۷
علامہ سمین حلبی رحمہ اللہ کی رائے	۹۷
حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی رائے	۹۷
علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ کی رائے	۹۸
ابلیس شیطان کیسے بنا	۹۸
شیطانی شر کی تین صورتیں	۹۸
حضرتِ آدم کو بہکانے کیلئے ایک جملے میں چھ تاکیدات	۱۰۰
ابلیس نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا آپ اللہ تعالیٰ سے میری سفارش کیجئے	۱۰۱

دسویں بحث: لفظ رجیم کی تحقیق

لفظ رجیم بروزن فعیل بمعنی مفعول کے ہے	۱۰۲
امام قرطبی رحمہ اللہ کی رائے	۱۰۳
حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی رائے	۱۰۳
''الشیطان الرجیم'' کے معنوی اطلاقات	۱۰۴

پہلا اطلاق	۱۰۴
دوسرا اطلاق	۱۰۷
ارکانِ استعاذہ	۱۰۹

گیارہویں بحث: تعوذ میں کل چار چیزیں ہیں

مستعیذ، مستعاذ بہ، مستعاذ منہ، مستعاذ لہ	۱۱۰
مستعاذ لہ ذکر نہ کرنے کی وجہ	۱۱۰
حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کا قول	۱۱۰

بارہویں بحث: وہ نو آیات کریمہ جن میں انبیاء واولیاء نے شیطان کے شر سے پناہ مانگی ہے

تیرہویں بحث: بوقت قراءت تعوذ پڑھنے کی حکمت

علامہ ابن جزری رحمہ اللہ کے نزدیک تعوذ پڑھنے کی حکمت	۱۱۳
امام رازی رحمہ اللہ کے نزدیک تعوذ پڑھنے کی حکمت	۱۱۴
علامہ محمد امین بن عبداللہ ہرری کے نزدیک تعوذ پڑھنے کی حکمت	۱۱۴

چودہویں بحث: تعوذ کے متعلق چند اہم سوالات وجوابات

''أَعُوْذُ'' میں صیغہ واحد متکلم کیوں استعمال کیا جبکہ عموماً دعا کے موقع پر جمع کے صیغے استعمال ہوتے ہیں؟	۱۱۵
جب شیطان عدو مبین ہے تو دفاعی تدبیر کیلئے کیا صرف تعوذ کافی ہے؟	۱۱۵
تعوذ میں دنیا کی تمام مضرتوں اور نقصان دہ اشیاء میں صرف شیطان کا انتخاب کیوں؟	۱۱۶

مضرتِ ثوبی	۱۱۶
مضرتِ جسمی	۱۱۶
مضرتِ روحی	۱۱۶
مضرتِ روح الروحی	۱۱۶
شیطان اور دیگر اعداء میں کیا فرق ہے؟	۱۱۷
چار قسم کی مخلوقات اعمال کے مکلّف ہیں	۱۱۸
پندرہویں بحث: تعوذ سے مستنبط دس اہم لطائف	
سولہویں بحث: تعوذ پڑھنے کی سات اہم حکمتیں اور فوائد	
شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے تعوذ پڑھنے کے پانچ فوائد نقل کئے ہیں	۱۲۲
سترہویں بحث: جنات اور شیاطین کے وجود کے متعلق	
امام رازی رحمہ اللہ نے جنات اور شیاطین کے وجود کے متعلق پانچ آیات اور سات احادیث نقل کی ہیں	۱۲۳
اٹھارویں بحث: جنات، شیاطین اور ملائکہ کی حقیقت	
انیسویں بحث: تعوذ میں بلاغت کے عمدہ نکات	
بیسویں بحث: تعوذ کی ترکیب	
تسمیہ کا تاریخی پسِ منظر	۱۲۶
استعاذہ اور تسمیہ کے درمیان مناسبت	۱۳۰

پہلی بحث: استعاذہ اور تسمیہ کے درمیان مناسبت	
تسمیہ کو تعوذ سے متأخر کرنے کی حکمت	۱۳۱
دوسری بحث: تسمیہ کے ذریعے جملہ امور کے افتتاح کی حکمت	
علامہ زمخشری رحمہ اللہ کی رائے	۱۳۱
علامہ ابوبکر جصاص رحمہ اللہ کی رائے	۱۳۲
علامہ ابوالبرکات نسفی رحمہ اللہ کی رائے	۱۳۲
علامہ محمد امین بن عبداللہ ہرری کی رائے	۱۳۲
بسم اللہ لکھنے کا طریقہ	۱۳۳
ہر کام کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے	۱۳۳
اللہ تعالیٰ کا عہد نامہ	۱۳۳
امت کے لئے خاص تحفہ	۱۳۳
شریعت کا خلاصہ	۱۳۴
’’بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ‘‘ لکھنے کی ابتداء	۱۳۴
تیسری بحث: تسمیہ پڑھنے کے مسنون مواقع	
۱.....خط وکتابت کا آغاز بسم اللہ سے کرنا چاہئے	۱۳۵
۲.....وضوء کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھنا مسنون ہے	۱۳۷
۳.....دعاؤں کی ابتداء بسم اللہ سے کریں	۱۳۷
۴.....جس جگہ درد ہو وہاں ہاتھ رکھ کر تین مرتبہ بسم اللہ پڑھنا	۱۳۸

۵..... بیماری کی شفایابی کے لئے انگشتِ شہادت زمین پر رکھیں پھر اسے اٹھا کر یہ دعا پڑھیں	۱۳۹
۶..... کھانا کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا	۱۴۰
۷..... اگر کھانے کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھنا بھول جائیں تو یاد آنے پر یہ دعا پڑھیں	۱۴۰
۸..... جانور ذبح کرتے وقت کی دُعا	۱۴۱
۹..... شکار کرتے وقت یا تیر پھینکتے وقت بسم اللہ پڑھنا	۱۴۱
۱۰..... جس ذبیحہ کے متعلق تسمیہ پڑھنے کا علم نہ ہو تو خود پڑھ لیں	۱۴۲
۱۱..... گھر میں داخل ہوتے وقت بسم اللہ پڑھنے کی فضیلت	۱۴۲
۱۲..... سونے سے قبل بسم اللہ پڑھنا	۱۴۳
۱۳..... لشکر کو روانہ کرتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت	۱۴۳
۱۴..... سوار ہوتے وقت بسم اللہ پڑھنا	۱۴۴
۱۵..... مباشرت سے پہلے بسم اللہ پڑھنا	۱۴۵

چوتھی بحث: ''كل أمر ذي بال'' والی روایت پر محدثانہ بحث

۱..... علامہ ابن صلاح رحمہ اللہ کی رائے	۱۴۷
۲..... علامہ محی الدین نووی رحمہ اللہ کی رائے	۱۴۸
۳..... علامہ تاج الدین سبکی رحمہ اللہ کی رائے	۱۴۸
۴..... علامہ ابن الملقن رحمہ اللہ کی رائے	۱۴۹
۵..... حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی رائے	۱۴۹

۶.....علامہ شمس الدین سخاوی رحمہ اللہ کی رائے	۱۴۹
پانچویں بحث: تسمیہ کی فضیلت سے متعلق روایات کی نشاندہی	
۱.....حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے تسمیہ کی فضیلت کے بارے میں گیارہ روایات نقل کی ہیں	۱۵۷
۲.....علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے سترہ روایات کو متعدد طرق سے نقل کیا ہے	۱۵۷
۳.....علامہ محمد بن علی بن محمد الشوکانی رحمہ اللہ نے آٹھ روایات کو نقل کیا ہے	۱۵۷
۴.....علامہ محمد بن عبداللہ ہرری نے آٹھ روایات نقل کیں ہیں	۱۵۷
چھٹی بحث: کیا تسمیہ اس امت کے خواص میں سے ہے؟	
تسمیہ کی ایک امتیازی حیثیت	۱۵۸
ساتویں بحث: تسمیہ سورۃ فاتحہ کا جزء ہے یا نہیں؟	
حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک	۱۵۹
مفسرین احناف رحمہم اللہ کی تصریحات	۱۵۹
۱.....علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد رحمہ اللہ کی تصریح	۱۵۹
۲.....علامہ محمد بن مصلح الدین المعروف شیخ زادہ رحمہ اللہ کی تصریح	۱۶۰
۳.....علامہ قاضی ابوالسعود محمد بن محمد حنفی رحمہ اللہ کی تصریح	۱۶۰
۴.....علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ کی تصریح	۱۶۱
۵.....علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی تصریح	۱۶۱

امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک	۱۶۱
مفسرین شوافع رحمہم اللہ کی تصریحات	۱۶۱
امام رازی رحمہ اللہ نے اپنے مذہب کی ترجیح پر سولہ دلائل نقل کیے ہیں	۱۶۱
علامہ آلوسی کا امام رازی پر مفصل رد اور مذہب احناف کی مدلل ترجیح	۱۶۲
امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک	۱۶۲
مالکی مفسرین رحمہم اللہ کی تصریحات	۱۶۳
علامہ قرطبی رحمہ اللہ کی تصریح	۱۶۳
علامہ ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ کی تصریح	۱۶۳
علامہ صابونی کے نزدیک راجح مذہب	۱۶۴
آٹھویں بحث: تسمیہ کو نماز میں جہراً پڑھا جائے گا یا سراً؟	
فقہاء کے مذاہب	۱۶۵
علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ احناف کا مسلک راجح ہے	۱۶۶
نویں بحث: تسمیہ کے فقہی مسائل	
دسویں بحث: لفظ باء چودہ معانی میں استعمال ہوتا ہے	
حرف باء کی افادیت	۱۶۷
بائے مصاحبت	۱۶۸
بائے استعانت	۱۶۹
بائے تبرک	۱۷۰

علامہ آلوسی رحمہ اللہ کی رائے	۱۷۱

گیارہویں بحث: لفظ باء کے ذریعے قرآنِ کریم شروع کرنے کی حکمت

علامہ محمد امین ہرری نے پانچ حکمتیں نقل کیں ہیں	۱۷۲
علامہ موسی روحانی بازی رحمہ اللہ نے چار عمدہ حکمتیں نقل کیں ہیں	۱۷۲
بسم اللہ کے باء کو طویل کر کے لکھنے کی وجہ	۱۷۳
حرفِ باء کو کسرہ دینے کی وجہ	۱۷۵
بسم اللہ کے حرف باء میں تمام مضامین کا خلاصہ ہے	۱۷۵

بارہویں بحث: جار مجرور کیلئے متعلق مقدم نکالیں گے یا مؤخر؟

تسمیہ میں عامل کے حذف کرنے کی وجہ	۱۷۶
تسمیہ سے پہلے حذفِ فعل کے فوائد	۱۷۷

تیرہویں بحث: لفظِ اسم کے متعلق تحقیق

لفظِ اسم کا معنی اور ماخذِ اشتقاق	۱۷۸
بصریین اور کوفیین کے درمیان اختلاف اور انکے دلائل	۱۸۰
امام بغوی رحمہ اللہ کے نزدیک راجح مذہب	۱۸۱
لفظِ اسم کے زائد لانے میں حکمت	۱۸۱

چودہویں بحث: اسم اور مسمی کا تعلق

لفظِ اللہ کی حیثیت	۱۸۳
تسمیہ میں لفظ اللہ کو پہلے اور رحمٰن ورحیم کو بعد میں ذکر کرنے کی کیا حکمت ہے؟	۱۸۳

پندرہویں بحث: لفظ اللہ کے متعلق تحقیق

لفظِ اللہ کی ترکیب اور اس کی معنوی حکمت	۱۸۴
پہلا قول: لفظِ اللہ کی اصل اور اس کا مادہ اشتقاق	۱۸۵
پہلا مادہ اشتقاق: أَلَہَ (عبادت کرنا)	۱۸۶
دوسرا مادہ اشتقاق: أَلِہَ (متحیر ہونا)	۱۸۶
تیسرا مادہ اشتقاق: أَلَہَ (سکون پانا)	۱۸۷
چوتھا مادہ اشتقاق: اَلْوَلْہُ (عقل کا گم ہونا)	۱۸۷
پانچواں مادہ اشتقاق: لَاہٌ (بلندی وارتفاع)	۱۸۷
چھٹا مادہ اشتقاق: لَاہَ یَلُوْہُ (مخفی ہونا)	۱۸۸
ساتواں مادہ اشتقاق: إِلٰھَہٗ (جھکنا، راغب ہونا اور رجوع کرنا)	۱۸۸
آٹھواں مادہ اشتقاق: إِلٰہ (پناہ دینا)	۱۸۹
دوسرا قول: لفظ اللہ سریانی زبان کا لفظ ہے	۱۹۰
تیسرا قول: لفظ اللہ صفت کا صیغہ ہے	۱۹۱
علامہ آلوسی رحمہ اللہ کا قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کے قول پر تردید	۱۹۱
چوتھا قول: لفظِ اللہ علم ہے	۱۹۱

سولہویں بحث: جمہور اہل علم کے ہاں لفظ اللہ عَلَم ہے

۱.....علامہ ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی رحمہ اللہ کی رائے	۱۹۲
۲.....شیخ الاسلام علامہ ابو المظفر سمعانی رحمہ اللہ کی رائے	۱۹۲
۳.....محی السنۃ علامہ حسین بن مسعود المعروف بغوی رحمہ اللہ کی رائے	۱۹۳

۴.....علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ کی رائے	۱۹۳
۵.....امام قرطبی رحمہ اللہ کی رائے	۱۹۳
٦.....علامہ علاء الدین المعروف خازن رحمہ اللہ کی رائے	۱۹۴
۷.....حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی رائے	۱۹۴
۸.....خطیب شربینی رحمہ اللہ کی رائے	۱۹۵
۹.....علامہ عبد الرؤف مناوی رحمہ اللہ کی رائے	۱۹۵
۱۰.....علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ کی رائے	۱۹۵
۱۱.....علامہ محمد بن علی بن محمد الشوکانی رحمہ اللہ کی رائے	۱۹٦
۱۲.....علامہ احمد بن محمد الصاوی رحمہ اللہ کی رائے	۱۹٦
۱۳.....علامہ آلوسی رحمہ اللہ کی رائے	۱۹٦
۱۴.....علامہ نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ کی رائے	۱۹۷
۱۵.....علامہ جمال الدین قاسمی رحمہ اللہ کی رائے	۱۹۷

سترہویں بحث: لفظ اللہ کی خصوصیات

امام رازی رحمہ اللہ نے لفظ اللہ کی دو خصوصیات نقل کی ہیں	۱۹۷
علامہ فیروز آبادی رحمہ اللہ نے لفظ اللہ کی دس خصوصیات نقل کی ہیں	۱۹۹
ملا علی قاری رحمہ اللہ نے لفظ اللہ کی پانچ خصوصیات نقل کی ہیں	۲۰۰
علامہ موسی روحانی بازی رحمہ اللہ نے لفظ اللہ کی پانچ خصوصیات نقل کی ہیں	۲۰۱
ذاتِ باری تعالی پر لفظ خدا کا اطلاق کرنا درست ہے	۲۰۱

اٹھارویں بحث: اکثر علماء کے ہاں لفظ اللہ اسم اعظم ہے	
امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک لفظ اللہ اسم اعظم ہے	۲۰۲
امام رازی رحمہ اللہ کے نزدیک لفظ اللہ اسم اعظم ہے	۲۰۲
علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کے نزدیک لفظِ اللہ اسم اعظم ہے	۲۰۳
ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک لفظ اللہ اسم اعظم ہے	۲۰۳
محققین علماء کے نزدیک لفظِ اللہ اسم اعظم ہے	۲۰۴
اسم اعظم سے کیا مراد ہے؟	۲۰۵
مولانا موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ کی تحقیق	۲۰۵
امام سیبویہ رحمہ اللہ کے ساتھ ذات باری تعالیٰ کا معاملہ	۲۰۶
انیسویں بحث: لفظ اللہ قرآنِ کریم میں کتنی بار آیا ہے؟	
علامہ فیروز آبادی رحمہ اللہ کی رائے	۲۰۷
علامہ علی بن احمد العزیزی رحمہ اللہ کی رائے	۲۰۷
علامہ نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ کی رائے	۲۰۷
شیخ فواد احمد عبد الباقی کی رائے	۲۰۷
تسمیہ میں اللہ کے تین اسماء ذکر کرنے کی کیا حکمت ہے؟	۲۰۸
''الرحمن'' کے لغوی اور اصطلاحی معانی	۲۰۸
''الرحیم'' کے لغوی اور اصطلاحی معانی	۲۰۹
بیسویں بحث: لفظ رحمٰن ورحیم دونوں مبالغے کے صیغے ہیں	
علامہ زمخشری رحمہ اللہ کی رائے	۲۱۰

امام قرطبی رحمہ اللہ کی رائے	۲۱۰
قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کی رائے	۲۱۱
حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی رائے	۲۱۱
علامہ شوکانی رحمہ اللہ کی رائے	۲۱۱
علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ کی رائے	۲۱۲
اکیسویں بحث: لفظ رحمٰن ورحیم کے درمیان فرق	
قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کی رائے	۲۱۳
علامہ نسفی رحمہ اللہ کی رائے	۲۱۳
علامہ بغوی رحمہ اللہ کی رائے	۲۱۴
امام ضحاک رحمہ اللہ کی رائے	۲۱۴
حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کی رائے	۲۱۴
مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ کی رائے	۲۱۵
شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمہ اللہ کی رائے	۲۱۵
بائیسویں بحث: لفظ رحمٰن کا اطلاق غیر اللہ پر جائز نہیں	
علامہ ابوبکر جصاص رحمہ اللہ کا قول	۲۱۶
امام قرطبی رحمہ اللہ کا قول	۲۱۶
قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کا قول	۲۱۶
حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کا قول	۲۱۷

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ کا قول	۲۱۷
تیئیسویں بحث: لفظ رحمٰن کو رحیم پر کیوں مقدم کیا؟	
لفظ رحمٰن کو رحیم پر مقدم کرنے کی پانچ عمدہ وجوہات	۲۱۷
چوبیسویں بحث: رحمت کی ایسی جامع تعریف جس کے مراد لینے کی صورت میں کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا	
رحمت کی صحیح تعریف: إيصال النفع سواء كان برقة القلب أو بالإرادة	۲۱۹
اللہ تعالیٰ کی حکومت میں آسماء اشخاص کے قائم مقام ہیں	۲۲۰
صفاتِ باری تعالیٰ کے متعلق عمدہ بحث	۲۲۰
مخلوق میں کام اسم کے بجائے مسمّی سے ہوتا ہے	۲۲۱
تکوینیات اور تشریعیات میں اللہ کی رحمت کا غلبہ	۲۲۱
پچیسویں بحث: آسماء باری تعالیٰ میں اعتبار غایات کا ہوتا ہے نہ کہ مبادی کا	
امام رازی رحمہ اللہ کی رائے	۲۲۳
قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کی رائے	۲۲۳
علامہ ابوالسعود رحمہ اللہ کی رائے	۲۲۳
قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ کی رائے	۲۲۳
چھبیسویں بحث: لفظ رحمت قرآن کریم میں انیس (۱۹) معانی میں استعمال ہوا ہے	
رحیم درحقیقت اللہ ہی کی ذات ہے	۲۲۶

عوض کی دو قسمیں ہیں۔جسمانی، روحانی	۲۲۷
روحانی کی چھ قسمیں ہیں	۲۲۷
ستائیسویں بحث: بسم اللہ کے گیارہ عمدہ خواص	
ہر مشکل اور حاجت کیلئے	۲۲۸
بسم اللہ کے عددِ حروف کے موافق پڑھنا	۲۲۹
تسخیر قلوب	۲۲۹
حفاظت از آفات	۲۲۹
چوری اور شیطان سے حفاظت	۲۲۹
ظالم پر غلبہ	۲۲۹
حفاظتِ اولاد	۲۲۹
کھیتی کی حفاظت اور برکت کیلئے	۲۳۰
حکام کیلئے	۲۳۰
دردِ سر کیلئے	۲۳۰
ذہن اور حافظہ کیلئے	۲۳۰
اٹھائیسویں بحث: امام رازی رحمہ اللہ نے تسمیہ کی تفسیر میں متعدد واقعات نقل کئے ہیں	
بسم اللہ ہر زہر کا تریاق	۲۳۰
فرعون کا دعویٰ الوہیت سے پہلے کا واقعہ	۲۳۱

قومِ نوح کی نجات کا ایک سبب	۲۳۲
قیصرِ روم کا واقعہ	۲۳۲
حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا واقعہ	۲۳۳
بیٹے کے تسمیہ پڑھنے سے عذاب میں مبتلا والد کی بخشش کا واقعہ	۲۳۳
حضرت بشر بن حارث المعروف بشر حافی رحمہ اللہ کا واقعہ	۲۳۵
سورہ توبہ اور جانور کے ذبح کرتے وقت تسمیہ نہ پڑھنے کی حکمت	۲۳۶
تسمیہ میں انیس حروف ذکر کرنے کی دو حکمتیں	۲۳۷

انتیسویں بحث: تسمیہ میں بلاغت کے عمدہ نکات

تیسویں بحث: تسمیہ کی ترکیبِ نحوی

پہلی بحث: سورہ فاتحہ مکی ہے یا مدنی؟

سورہ فاتحہ کا زمانہ نزول	۲۳۸
اکثر علماء کے ہاں سورہ فاتحہ مکی ہے اور یہی قول صحیح ہے	۲۴۰
علامہ قرطبی رحمہ اللہ کی رائے	۲۴۰
علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب الفیروزآبادی رحمہ اللہ کی رائے	۲۴۱
علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ کی رائے	۲۴۱
امت کا اجماع ہے کہ سورہ فاتحہ میں سات آیات ہیں	۲۴۲
سورہ فاتحہ کے امتیازات	۲۴۲
سورہ فاتحہ کا کون سا حصہ رُقیہ (دَم) ہے	۲۴۴

الحمدللہ میں اللہ تعالی نے خود اپنی تعریف فرمائی جبکہ قرآن میں ''فَلاَ تُزَكُّوْا أَنفُسَكُمْ'' کہہ کراس سے روکا گیا ہے؟	۲۴۴
امام قرطبی رحمہ اللہ کی رائے	۲۴۴
امام ابن العربی رحمہ اللہ کی رائے	۲۴۶
قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کی رائے	۲۴۷
خطیب شربنی رحمہ اللہ کی رائے	۲۴۸
دوسری بحث: سورہ فاتحہ کے اسماء کے بارے میں	
سورہ فاتحہ کے بائیس نام اوران کی وجہ تسمیہ	۲۴۸
علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے سورہ فاتحہ کے بائیس نام	۲۵۶
امام رازی رحمہ اللہ نے سورہ فاتحہ کے بارہ نام ذکر کئے ہیں	۲۵۷
علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے سورہ فاتحہ کے بارہ نام ذکر کئے ہیں	۲۵۷
علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ نے سورہ فاتحہ کے تیرہ نام ذکر کئے ہیں	۲۵۷
علامہ محمد امین بن عبداللہ ہرری نے سورہ فاتحہ کے بیس نام ذکر کئے ہیں	۲۵۷
شیخ التفسیر والحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ نے سورہ فاتحہ کے دس نام ذکر کئے ہیں	۲۵۷
تیسری بحث: سورہ فاتحہ کی فضیلت سے متعلق احادیث	
سورہ فاتحہ پڑھ کردم کرنا	۲۵۹
سورہ فاتحہ اللہ اور بندہ کے درمیان تقسیم ہے	۲۶۱

تورات وانجیل اورقرآن مجید میں سورہ فاتحہ کے مثل کوئی سورت نہیں	۲۶۲
سورہ فاتحہ کی فضیلت سے متعلق روایات کی نشاندہی	۲۶۳
علامہ قرطبی نے سورہ فاتحہ کی فضیلت سے متعلق چار احادیث نقل کیں ہیں	۲۶۳
حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے نو احادیث نقل کیں ہیں	۲۶۳
علامہ ابن عادل حنبلی رحمہ اللہ چار احادیث نقل کیں ہیں	۲۶۳
قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے سورۂ فاتحہ کی فضیلت پر دس روایات نقل کیں ہیں	۲۶۳
علامہ محمد بن علی بن محمد الشوکانی رحمہ اللہ نے پندرہ روایات نقل کیں ہیں	۲۶۴
علامہ ہرری نے سورہ فاتحہ کی فضیلت سے متعلق پانچ احادیث نقل کیں ہیں	۲۶۴
علامہ زمخشری، قاضی بیضاوی اور علامہ بو السعود رحمہم اللہ نے سورہ فاتحہ کی فضیلت میں موضوع روایت نقل کی ہے	۲۶۴
علامہ عبد الرؤف مناوی اور علامہ عجلونی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت موضوع ہے	۲۶۵
''الحمد للّٰه''اور''لا إله إلا اللّٰه'' کی فضیلت کا موازنہ	۲۶۶
سب سے پہلے اور آخر میں کہا جانے والا کلمہ	۲۶۷
سب سے افضل ذکر کونسا ہے؟	۲۶۸
چار سورتوں کا افتتاح اللہ تعالی نے الحمد للہ کے ساتھ کیا ہے	۲۶۸
الحمد للہ میں آٹھ حروف ہیں اور جنت کے دروازے بھی آٹھ ہیں	۲۶۹
سورہ فاتحہ اور صفاتِ باری تعالی	۲۶۹
سورہ فاتحہ اور صفاتِ عبدیت	۲۷۰

چوتھی بحث: الحمد میں الف لام کی تحقیق

علامہ زمخشری رحمہ اللہ کی رائے	۲۷۰
علامہ قرطبی رحمہ اللہ کی رائے	۲۷۱
قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کی رائے	۲۷۱
علامہ نسفی رحمہ اللہ کی رائے	۲۷۱
حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی رائے	۲۷۱
خطیب شربینی رحمہ اللہ کی رائے	۲۷۲
علامہ شیخ زادہ رحمہ اللہ کی رائے	۲۷۲
علامہ قاضی ابوالسعود رحمہ اللہ کی رائے	۲۷۲
قاضی ثناءاللہ پانی پتی رحمہ اللہ کی رائے	۲۷۳
علامہ آلوسی رحمہ اللہ کی رائے	۲۷۳
علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ کی رائے	۲۷۳
جمہور اہلِ علم کے ہاں الحمد کو مرفوع پڑھا جائیگا	۲۷۳

پانچویں بحث: حمد، مدح اور شکر کی تعریف

حمد کی لغوی تحقیق	۲۷۴
حمد کی تعریف	۲۷۵
مدح کی تعریف	۲۷۶
شکر کی تعریف	۲۷۶

چھٹی بحث: حمد، مدح اور شکر کے درمیان فرق اور انکے درمیان نسبتیں	
حمد اور مدح کے درمیان فرق	۲۷۶
حمد اور شکر کے درمیان فرق	۲۷۷
حمد اور مدح کے درمیان عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے	۲۷۸
حمد اور شکر کے درمیان عموم وخصوص من وجہ کی نسبت ہے	۲۷۹
لفظ ''للّٰہ'' میں لام تخصیص کیلئے ہے	۲۷۹
ساتویں بحث: الحمدللہ کے جملے میں چار وجہ سے حصر کا معنی پایا جاتا ہے	
آٹھویں بحث: الحمدللہ میں جملہ فعلیہ سے اسمیہ کی طرف عدول کیوں کیا؟	
علامہ زمخشری رحمہ اللہ کی رائے	۲۸۱
قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کی رائے	۲۸۲
علامہ نسفی رحمہ اللہ کی رائے	۲۸۲
حمد کے ساتھ لفظِ اللہ کے ذکر کرنے میں کیا حکمت ہے؟	۲۸۲
الحمدللہ کی فضیلت سے متعلق روایات	۲۸۳
نویں بحث: الحمدللہ جملہ خبریہ ہے یا انشائیہ؟	
علامہ آلوسی رحمہ اللہ کی رائے	۲۸۴
الحمدللہ سے پہلے لفظ ''قولوا'' محذوف نکالنا	۲۸۴
الحمدللہ کے ساتھ رب العالمین کی صفت لانے میں کیا حکمت ہے؟	۲۸۶

دسویں بحث: لفظ رب کے متعلق تحقیق

علامہ ابن منظور رحمہ اللہ نے لفظ رب کے چھ معانی نقل کئے ہیں	۲۸۷
علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے لفظ رب کے چار معانی نقل کئے ہیں	۲۸۷
علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لفظ رب کے تین معانی نقل کئے ہیں	۲۸۸
لفظ رب کے متعلق اہلِ علم کی تین آراء ہیں	۲۸۹
تربیت دو قسم پر ہے	۲۹۰
خالق اور مخلوق کی پرورش میں پانچ فرق	۲۹۱
جن اشیاء سے جسم کو فائدہ ہوتا ہے ان سے عموماً روح کو نقصان ہوتا ہے	۲۹۲
ہر چیز اپنے وجود اور بقاء میں اللہ کی محتاج ہے	۲۹۳
فرعون کا ربوبیت سے متعلق سوال پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جامع جواب	۲۹۳
نظامِ ربوبیت سے توحید پر استدلال	۲۹۴
نظامِ ربوبیت سے وحی اور رسالت کی ضرورت پر استدلال	۲۹۵

گیارہویں بحث: لفظ رب کا اطلاق بغیر اضافت کے غیر اللہ کیلئے جائز نہیں

امام راغب رحمہ اللہ کی رائے	۲۹۵
قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کی رائے	۲۹۵
علامہ نسفی رحمہ اللہ کی رائے	۲۹۶
علامہ ابن منظور رحمہ اللہ کی رائے	۲۹۶
حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی رائے	۲۹۶

بارہویں بحث: قرآن کریم میں حضرات انبیاء علیہم السلام کی وہ دعائیں جن میں لفظ ''رب'' مذکور ہے	
تیرہویں بحث: لفظ ''رب'' قرآن کریم میں پانچ معانی میں استعمال ہوا ہے	
لفظ رب پر جب الف لام داخل ہو تو یہ ذات باری تعالی کے ساتھ خاص ہو جاتا ہے	۳۰۴
لفظ رب کے متعلق ایک اہم نکتہ	۳۰۴
چودہویں بحث: لفظِ عالمین کی تحقیق	
عالم کے متعلق اہلِ علم کے دو قول ہیں	۳۰۵
پندرہویں: بحث لفظ عالمین کے مصداق کے متعلق اہلِ علم کے اقوال	
امام قرطبی رحمہ اللہ نے عالم کے مصداق کے متعلق چھ اقوال نقل کئے ہیں	۳۰۶
حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے عالم کے مصداق کے متعلق دس اقوال نقل کئے ہیں	۳۰۷
مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ کی رائے	۳۰۸
لفظ عالمین کو جمع کے صیغے کے ساتھ لانے میں کیا حکمت ہے؟	۳۰۸
لفظ عالمین کو جمع قلت کے صیغے کے ساتھ کیوں ذکر فرمایا جبکہ مقام جمع کثرت کا تھا؟	۳۰۹
لفظ عالم ذوی العقول اور غیر ذوی العقول سب کو شامل ہے پھر واو نون کے ساتھ اس کی جمع کیوں لائی گئی؟	۳۰۹
لفظ عالمین میں الف لام کونسا ہے؟	۳۱۰
لفظ عالمین کو جمع کے صیغے کے ساتھ کیوں ذکر کیا؟	۳۱۰

سولہویں بحث: لفظ عالمین قرآن کریم میں تین معانی میں استعمال ہوا ہے	
افعال کا خالق کون ہے؟	۳۱۲
’’الرحمن الرحیم‘‘ کا ماقبل کے ساتھ ربط	۳۱۲
سترہویں بحث: پچیس آیات جن میں حمد اور ربوبیت کو اکٹھا ذکر کیا گیا ہے	
اٹھارہویں بحث ’’الرحمن الرحیم‘‘ کو مکرر کیوں ذکر کیا؟	
امام رازی رحمہ اللہ کے نزدیک تکرار لانے کی وجہ	۳۲۱
خطیب شربینی رحمہ اللہ کے نزدیک تکرار لانے کی وجہ	۳۲۲
’’الرحمن الرحیم‘‘ کا تکرار دلیل ہے کہ تسمیہ سورہ فاتحہ کا جز نہیں	۳۲۳
علامہ آلوسی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ استدلال قوی نہیں	۳۲۳
انیسویں بحث: امام رازی رحمہ اللہ نے ’’الرحمن الرحیم‘‘ کی تفسیر میں متعدد واقعات نقل کئے ہیں	
حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ کا واقعہ	۳۲۳
حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ کا واقعہ	۳۲۴
کوے کے نشو ونما کے ابتدائی مراحل	۳۲۵
بیسویں بحث: مَالِک اور مَلِک میں فرق	
مالک اور ملک دونوں قراءتیں صحیح اور متواتر ہیں	۳۲۵
علامہ زمخشری اور قاضی بیضاوی رحمہما اللہ کے نزدیک راجح قراءت	۳۲۷

اکثر صحابہ اور تابعین کے ہاں ''مالک'' والی قراءت راجح ہے	۳۲۸
اکیسویں بحث: مالک والی قراءت راجح ہونے کی دس (۱۰) عمدہ وجوہات	
''مالک یوم الدین'' میں ترکیبِ نحوی پر اشکال اور اس کا جواب	۳۳۰
اضافتِ لفظی اور اضافتِ معنوی	۳۳۰
قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کی رائے	۳۳۱
خطیب شربینی رحمہ اللہ کی رائے	۳۳۲
روزِ جزاء کی ضرورت واہمیت	۳۳۳
''مالک یوم الدین'' کی تفسیر قرآن کریم سے	۳۳۳
چار کبار مفسرین کے نزدیک آیت کی تفسیر	۳۳۴
''مالک یوم الدین'' کا معنیٰ	۳۳۵
لفظ مالک کی جگہ قاضی اور حاکم کے نہ لانے میں کیا حکمت ہے؟	۳۳۶
خالق اور مخلوق کی مدح میں بلیغ لفظ	۳۳۶
''یوم الدین'' کی جگہ ''یوم القیامۃ'' کیوں نہیں فرمایا، اس میں کیا حکمت ہے؟	۳۳۷
''مَلِک'' اللہ کی صفت ذاتی ہے، جبکہ ''مَالِک'' اللہ کی صفت فعلی ہے	۳۳۷
''مَلِک'' نام رکھنے کا حکم	۳۳۷
بائیسویں بحث: لفظِ ''یوم'' کا استعمال	
لفظِ ''یوم'' تین طرح سے استعمال ہوتا ہے	۳۳۹
علامہ ابوالسعود رحمہ اللہ کے نزدیک لفظِ یوم کی عرفی وشرعی تعریف	۳۳۹

تیئیسویں بحث: لفظِ ’’دین‘‘ کے معنی کے بارے میں

لفظِ ’’دین‘‘ کی لغوی تحقیق	۳۴۰
علامہ زمخشری رحمہ اللہ کی رائے	۳۴۱
علامہ قرطبی رحمہ اللہ کی رائے	۳۴۱
قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کی رائے	۳۴۲
علامہ آلوسی رحمہ اللہ کی رائے	۳۴۲
لفظِ دین قرآن کریم میں چھ معانی میں استعمال ہوا ہے	۳۴۲
روزِ جزا کے متعلق قرآنِ کریم میں استعمال کیے گئے بتیس (۳۲) کلمات	۳۴۳
اللہ تعالی نے اپنی ملکیت کو یومِ آخرت کے ساتھ کیوں مختص کیا؟	۳۴۹
علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کی رائے	۳۴۹
علامہ قرطبی رحمہ اللہ کی رائے	۳۴۹
قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کی رائے	۳۵۰
علامہ نسفی رحمہ اللہ کی رائے	۳۵۰
وقوعِ قیامت سے پہلے روز جزاء کی ملکیت کا کیا مطلب؟	۳۵۰
سورہ فاتحہ میں اللہ تعالی نے اپنے پانچ نام ذکر کیے ہیں	۳۵۱
امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے عمدہ حسنِ سلوک سے ایک مجوس مسلمان ہوگیا	۳۵۲
عبادت کی لغوی تحقیق	۳۵۴
امام راغب رحمہ اللہ کے نزدیک عبادت کا معنی	۳۵۴

علامہ زمخشری رحمہ اللہ کے نزدیک عبادت کا معنی	۳۵۵
علامہ نسفی رحمہ اللہ کے نزدیک عبادت کا معنی	۳۵۵
امام خازن رحمہ اللہ کے نزدیک عبادت کا معنی	۳۵۵
علامہ آلوسی رحمہ اللہ کے نزدیک عبادت کا معنی	۳۵۵
عبادت کا اصطلاحی معنی	۳۵۶
امام رازی رحمہ اللہ کے نزدیک عبادت کا اصطلاحی معنی	۳۵۶
حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے نزدیک عبادت کا اصطلاحی معنی	۳۵۶
عبادت کی جامع تعریف	۳۵۷
غائب سے خطاب کی طرف عدول کیوں کیا؟	۳۵۷
''إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ'' کا معنی	۳۵۸
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک آیت کا معنی	۳۵۸
عبادت اور استعانت کے ذریعے باطل فرقوں سے نجات	۳۵۹
سورہ فاتحہ کا لُب لباب	۳۵۹
عبادت کا مفہوم دو بنیادوں پر قائم ہے	۳۶۰
''إِيَّاكَ'' مفعول بہ کی تقدیم حصر اور اختصاص کیلئے ہے	۳۶۱
علامہ زمخشری کے نزدیک تقدیم کی وجہ	۳۶۱
علامہ ابوالسعود رحمہ اللہ کے نزدیک تقدیم کی وجہ	۳۶۱
مفعول کی تقدیم اور فعل کی تاخیر میں حکمت	۳۶۲

پچیسویں بحث: صیغہ ''نعبد'' جمع متکلم ذکر کرنے کی حکمت	
امام رازی رحمہ اللہ کی رائے	۳۶۳
قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کی رائے	۳۶۴
علامہ آلوسی رحمہ اللہ کی رائے	۳۶۵
''نَعۡبُدُ وَ نَسۡتَعِينُ'' کی ضمیر جمع کے مصداق کی تعیین	۳۶۶
حمد میں ''لِلّٰہِ'' کی تاخیر اور ''إِيَّاكَ'' کے تقدیم میں کیا حکمت ہے؟	۳۶۷
معبود کیلئے دو صفات کا ہونا ضروری ہے	۳۶۷
عبودیت کا مقام بہت اعلی ہے	۳۶۸
کیا مقامِ عبودیت مقامِ رسالت سے افضل ہے؟	۳۶۹
عابدین کی چار قسمیں ہیں	۳۷۰
چھبیسویں بحث: عبادت کو استعانت پر مقدم کرنے کی دس (۱۰) وجوہات	
علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کی نگاہ میں تقدیم کی وجوہات	۳۷۳
''إِيَّاكَ'' کی تقدیم فعل پر	۳۷۵
لفظ ''إِيَّاكَ'' کو مکرر کیوں ذکر فرمایا؟	۳۷۷
قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کی رائے	۳۷۷
علامہ ابوالسعود رحمہ اللہ کی رائے	۳۷۷
''إِيَّاكَ نَعۡبُدُ'' میں حصر حقیقی ہے اور ''إِيَّاكَ نَسۡتَعِينُ'' میں حصر ادعائی ہے	۳۷۷
''نَسۡتَعِينُ'' کی صرفی تحقیق	۳۷۸

استعانت کا مفہوم	۳۷۸
مافوق الاسباب اور ماتحت الاسباب	۳۷۸
ستائیسویں بحث: استعانت کی پانچ اقسام	
استعانت کی پہلی اور دوسری صورت کفر اور شرک ہے	۳۷۹
استعانت کی تیسری اور چوتھی صورت حرام ہے	۳۸۰
استعانت کی پانچویں صورت مباح ہے	۳۸۰
اٹھائیسویں بحث: اہلِ بدعت کا استعانت بالغیر پر استدلال اور اس کا کئی وجوہ سے ابطال	
انتیسویں بحث: لفظ عبد اور عبادت قرآن کریم میں تیس (۳۰) طرح سے استعمال ہوا ہے	
آیت کا ماقبل سے ربط	۳۸۶
''اَلصِّرَاط'' کو معرفہ ذکر کرنے میں کیا حکمت ہے؟	۳۸۷
''صِرَاط'' کا ماخذ اور اس کی لغوی تحقیق	۳۸۸
جمہور علماء کے ہاں لفظ ''صِرَاط'' صاد کے ساتھ ہے	۳۸۹
اللہ تعالی نے لفظ صراط کیوں فرمایا لفظ سبیل یا طریق کیوں نہیں فرمایا؟	۳۸۹
تیسویں بحث: ہدایت کا لغوی واصطلاحی معنی	
علامہ ابن عطیہ رحمہ اللہ کی رائے	۳۹۰

علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ کی رائے	۳۹۰
قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کی رائے	۳۹۱
امام ابوالسعود رحمہ اللہ کی رائے	۳۹۱
قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ کی رائے	۳۹۱
''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ'' کی تفسیر	۳۹۱
کائنات میں پھیلی ہوئی ہدایت کے مناظر واقسام	۳۹۳
صراط اس راستے کو کہتے ہیں جس میں پانچ باتیں پائی جائیں	۳۹۷
دیانند سرسوتی کا اعتراض اور اس کا جواب	۳۹۸
حصولِ ہدایت کے لئے چھ امور میں تکمیل ضروری ہے	۳۹۹
''اِهْدِنَا'' میں ضمیرِ جمع لانے میں کیا حکمت ہے	۴۰۱
صراط مستقیم کی دعا صرف اللہ تعالیٰ سے کیوں کی جاتی ہے؟	۴۰۲

اکتیسویں بحث: لفظ ہدایت کا استعمال اور ہدایت کی اقسام

ہدایت کی اقسام اور چار درجات	۴۰۴
لفظ مستقیم کی صرفی تحقیق	۴۰۶

بتیسویں بحث: استقامت کا مفہوم

استقامت کا حکم انبیاء علیہم السلام اور امت دونوں کو دیا گیا ہے	۴۰۸
صراط مستقیم سے روکنے والے پانچ قسم کے افراد ہیں	۴۰۹
شیطان	۴۰۹

سادات وکبراء	۴۰۹
احبارالسوء ورہبان	۴۰۹
ہر کافراور ظالم جوراہ حق سے روکے	۴۱۰
جواپنے نبی کا مخالف ہو	۴۱۰
صراط مستقیم پر چلنے کا پھل وثمرہ تین چیزیں ہیں	۴۱۰
اللہ تعالی نے صراطِ مستقیم کو دوصفات کے ساتھ متصف کیا ہے	۴۱۱
آیت کریمہ سے شیخِ کامل کی اقتداء کا ثبوت	۴۱۲
قدریہ،معتزلہ اورامامیہ کارد	۴۱۲

تینتیسویں بحث: صراطِ مستقیم کا مصداق

صراطِ مستقیم کی تفسیر اسلام اورقران سے کرنا درست نہیں	۴۱۵
صراط کے ساتھ مستقیم کی قید کیوں ذکر کی؟	۴۱۷

چونتیسویں بحث: لفظ استقامت قرآن کریم میں چارطرح سے استعمال ہوا ہے

’’صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ‘‘ کی ترکیب	۴۱۹
بدل الکل کی تعریف	۴۱۹
بدل الکل کاحکم	۴۲۰
بدل بنانے کےفوائد	۴۲۰
’’صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ‘‘ کوترکیب میں بدل بنانے کے دوفائدے	۴۲۱

پینتیسویں بحث: انعام کی تعریف نیز انعام کو مطلق کیوں ذکر کیا؟	
انعام کو مطلق ذکر کیوں کیا؟	۴۲۳
چھتیسویں بحث: انعام میں نسبت اللہ کی طرف ہے جبکہ غضب اور ضلالت میں نسبت اللہ کی طرف نہیں کی گئی، اس میں کیا حکمت ہے؟	
علامہ ابوالسعود رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی حکمت	۴۲۶
علامہ صابونی کے نزدیک اس کی حکمت	۴۲۷
سینتیسویں بحث: نعمت کی اقسام	
نعمت دو جنسوں پر منحصر ہے	۴۲۸
لفظ ''عَلَيۡهِمۡ'' ترکیب میں کیا واقع ہے؟	۴۲۹
اڑتیسویں بحث: آیت میں منعم علیہم سے مراد کون ہیں؟	
علامہ زمخشری رحمہ اللہ کی رائے	۴۳۰
علامہ نسفی رحمہ اللہ کی رائے	۴۳۰
امام قرطبی رحمہ اللہ کی رائے	۴۳۰
حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی رائے	۴۳۱
قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ کی رائے	۴۳۲
انعام یافتہ طبقات اربعہ	۴۳۲
انتالیسویں بحث: انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کا تعارف	
پہلا انعامِ یافتہ گروہ انبیاء کا	۴۳۳

دوسرا انعام یافتہ گروہ صدیقین کا	۴۳۳
تیسرا انعام یافتہ گروہ شہداء کا	۴۳۴
چوتھا انعام یافتہ گروہ صالحین کا	۴۳۴
صراطِ مستقیم، کتاب اللہ اور رجال اللہ دونوں کے مجموعے کا نام ہے	۴۳۵
چالیسویں بحث: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی کی خلافت کا ثبوت	
اکتالیسویں بحث: اس آیت سے قادیانیوں کا نبوت پر استدلال اور پندرہ وجوہ سے اس کا ابطال	
غضب کی تعریف	۴۴۳
یہاں موصوف صفت کے درمیان مطابقت نہیں؟	۴۴۴
بیالیسویں بحث: غضب کی نسبت جب اللہ کی طرف ہو تو غایت وانتہاء مراد ہوتی ہے	
امام رازی رحمہ اللہ کا نقل کردہ جامع اُصول	۴۴۵
تینتالیسویں بحث: لفظ ضالین کی لغوی، صرفی تحقیق	
لفظ ضالین کی لغوی تحقیق	۴۴۷
لفظ ضالین کی صرفی تحقیق	۴۴۸
ضلال کا معنی	۴۴۸
چوالیسویں بحث: مغضوب سے مراد یہود اور ضالین سے مراد نصاری ہیں	
امام قرطبی رحمہ اللہ کی رائے	۴۴۹

امام رازی رحمہ اللہ کی رائے	۴۴۹
حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی رائے	۴۵۰
علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی رائے	۴۵۰
علامہ آلوسی رحمہ اللہ کی رائے	۴۵۱
علامہ شنقیطی رحمہ اللہ کی رائے	۴۵۲
حدیث کی تخریج	۴۵۲
پینتالیسویں بحث: لفظ ضاد کا صحیح مخرج	
چھیالیسویں بحث: لفظ ضاد اور ظاء میں التباس کی صورت میں نماز فاسد نہیں ہوگی	
علامہ آلوسی رحمہ اللہ کی عمدہ بحث	۴۵۴
علامہ قاضی خان رحمہ اللہ کی رائے	۴۵۵
امام رازی رحمہ اللہ کی رائے	۴۵۶
حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی رائے	۴۵۶
علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ کی رائے	۴۵۶
علامہ بزاز رحمہ اللہ کی رائے	۴۵۷
فتاوی عالمگیریہ کا حوالہ	۴۵۷
فاتحہ کے بعد آمین کہنا مستحب ہے	۴۵۸
آمین کا معنی	۴۵۸
لفظ آمین میں چار لغات ہیں	۴۵۸

لفظ آمین کو مشدد پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی	۴۵۹
آمین کہنے کا موقع	۴۶۰
آمین کہنے سے کب مغفرت ہوتی ہے	۴۶۰
آمین کے فضائل	۴۶۱
آمین کے مسئلہ میں اہل علم کا اختلاف اولی اور غیر اولی کے اعتبار سے ہے	۴۶۲
سینتالیسویں بحث: آمین دعا ہے اور دعا میں اصل اخفاء ہے	
علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دعاء میں سنت اخفاء ہے	۴۶۳
علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دعاء میں اصل اخفاء ہے	۴۶۴
علامہ یوسف بنوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اذکار اور ادعیہ میں اصل اخفاء ہے	۴۶۴
امام رازی رحمہ اللہ کے نزدیک آمین بالسر میں احناف کا مسلک قوی ہے	۴۶۵
اکثر صحابہ وتابعین آمین بالسر پر عمل پیرا تھے	۴۶۶
اڑتالیسویں بحث: آمین کے متعلق فقہاء کے مذاہب	
انچاسویں بحث: آمین بالسر سے متعلق روایات	
مذکورہ روایت پر چار اعتراضات	۴۶۷
آمین بالسر سے متعلق تفصیلی مباحث کے مصادر ومراجع	۴۷۱
اخفاء الدعاء کے دس اہم فوائد	۴۷۲
لفظ ’’لا‘‘ کی بجائے ’’غیر‘‘ کے ذکر کرنے میں کیا حکمت ہے؟	۴۷۳

اہلِ غضب کے لئے اسمِ مفعول اور اصحابِ ضلال کے لئے اسمِ فاعل کا صیغہ اختیار کرنے میں کیا حکمت ہے؟	۴۷۵
''مغضوب علیھم'' کو ''ضآلین'' پر کیوں مقدم کیا	۴۷۶
حرف واو کے ہوتے ہوئے پھر حرف ''لا'' کا اضافہ کیوں کیا؟	۴۷۶
لفظ ''لا'' کو ذکر کرنے کے فوائد	۴۷۷

پچاسویں بحث: سورہ فاتحہ میں بلاغت کے گیارہ عمدہ نکات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

استاذِ حدیث حضرت مولانا عبدالرزاق زاہد مدظلہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ بِحَضْرَۃِ الْجَلَالَۃِ وَالصَّلَاۃُ عَلٰی خَاتَمِ الرِّسَالَۃِ، أَمَّا بَعْدُ، فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ: وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ أُوْتِيَ خَیْرًا کَثِیْرًا.

زیرِ نظر کتاب ''معارف اُم القرآن'' سورۂ فاتحہ کی وہ شاندار تفسیر ہے جو برخوردارم مولانا محمد نعمان سلمہٗ بن حاجی عبدالمتین مرحوم گلزار کالونی کورنگی کے علمی ذوق کا شاہکار ہے۔ موصوف نے ہمارے مدرسے اشاعۃ القرآن الکریم میں برخوردارم قاری فیض الرحمٰن سلمہٗ سے حفظ کیا۔ پھر انہیں کی رہنمائی سے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں داخلہ لیا اور ۱۴۳۰ھ میں وہاں سے دورہ حدیث مکمل کیا۔ دورانِ تعلیم ان کا بہترین مشغلہ کتب بینی تھا، فراغت کے بعد قرآنِ کریم کی مختلف تفاسیر اور احادیث مبارکہ کے متعدد بہ حصے کا اچھا خاصہ مطالعہ کیا اور پھر سورۂ فاتحہ کی تفسیر لکھی۔ ان کے والد حاجی عبدالمتین صاحب رحمہ اللہ ۲ رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ کو داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے۔ (اللہ ان کی کامل مغفرت فرمائے)

ان کے ساتھ خصوصی تعلق کی بناء پر میں اکثر و بیشتر ان سے کہتا تھا کہ آپ کی دیگر اولاد تو آپ کے لئے دنیا کمائے گی لیکن مولانا نعمان سلمہٗ آپ کے لئے صدقۂ جاریہ بنے گا۔

مولانا محمد نعمان سلمہٗ کو اس مقام اور مرتبہ تک پہنچانے والا صرف اور صرف ان کی ذاتی دلچسپی اور علم کے ساتھ لگن اور شرفِ مطالعہ ہے۔

پورے تعلیمی دورانیہ میں ہر درجے میں امتیازی نمبرات لینے کے ساتھ صاحبِ ترتیب بھی رہے، جو انعام ملتا یا والد محترم کی طرف سے جو خرچہ ملتا انہوں نے اس سے سینکڑوں امہات الکتب پر مشتمل بہترین کتب خانہ قائم کیا، ابھی انہوں نے زندگی کی ۲۶ بہاریں بھی نہیں دیکھی ہوں گی اس کم عمری میں سورۂ فاتحہ کی اہم مباحث کو جمع کیا جو اہلِ علم کے لئے ایک شاندار تحفہ ہے جو انہیں

کئی تفاسیر سے مستغنی کردے گا۔ موصوف کے عزائم بڑے نیک اور ماشاء اللہ بہت اونچے اور بلند ہیں۔ اللہ نے بہترین استعداد سے ان کو نوازا ہے اور فرصت بھی اللہ نے خوب دی ہے۔

خدا کرے زورِ قلم اور زیادہ ہو

گلزار کالونی کورنگی میں میں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ گزارا، اس محلّہ میں کئی حفاظ اور علماء ہماری ترغیب سے بنے جنہوں نے دین کی نشر و اشاعت کے لئے مختلف پلیٹ فارم منتخب کئے اور خوب کام کر رہے ہیں۔ اللہ قبولیت سے نوازے۔ آمین

''اَلدَّالُّ عَلَی الْخَیْرِ کَفَاعِلِهٖ'' کے فرمان کو مدنظر رکھتے ہوئے بندہ ناچیز بھی آس لگائے بیٹھا ہے کہ شاید یہی ہمارے لئے نجات اخروی کا باعث بن جائے۔

الحمد للہ کتاب بے نظیر اور بے مثال ہے، مؤلف نے انتہائی محنت اور عرق ریزی سے مختلف تفاسیر کا مطالعہ کر کے اہلِ علم کے قیمتی اقوال جمع کئے۔

تقریظ لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں تھی اس لئے کہ مشہور شخصیات کی تقاریظ لکھنے سے یقیناً کتاب کی وقعت کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔

لیکن مؤلف کے اصرار پر یہ چند الفاظ اس سوچ سے زیرِ قرطاس کر رہا ہوں اور اپنے لئے سعادت سمجھتا ہوں کہ میرا حصہ بھی اس میں پڑ جائے اور شاید میری مغفرت کا بہانہ بن جائے۔

اللہ تعالی سے دُعا ہے کہ اللہ تعالی موصوف کی کوشش اور کاوش کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور ان کو مزید دین کا کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور اس کتاب کو عوام و خواص دونوں کے لئے نافع بنائے اور ان کے والد محترم کے لئے صدقۂ جاریہ بنائے۔ (آمین)

عبدالرزاق غفرلہ

خطیب جامع مسجد مدینہ گلزار کالونی کورنگی کراچی

استاذِ حدیث: جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی کراچی

۱۵/ ذوالقعدہ ۱۴۳۲ھ بمطابق ۱۴ اکتوبر ۲۰۱۱ء

انتساب

میں اس تصنیف کو حضرت والدِ محترم جناب حاجی عبدالمتین صاحب نوراللہ مرقدہ کی طرف منسوب کرتا ہوں، جنہوں نے ہر قسم کے حالات ومصائب کے باوجود مجھے دین کے لئے وقف کیا، والد محترم کا خلوص، محبت بھرا لہجہ اور شگفتہ وشاداب چہرہ میں کبھی نہیں بھول پاؤں گا، ربِ کریم سے عاجزانہ ووالہانہ فریاد ہے کہ وہ ان کی قبر پر رحمت کی برکھا برسائے اور انہیں کروٹ کروٹ جنت کی بہاریں نصیب فرمائے، انہوں نے اپنی اولاد کے دلوں میں دینِ متین کی محبت کا بیج بونے کی مقدور بھر سعی فرمائی۔

اور اپنی والدہ محترمہ کی طرف منسوب کرتا ہوں جن کی بے لوث محبت اور پر خلوص دعائیں نہ ہوتیں تو شاید میں یہ کام نہ کر پاتا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ میری والدہ کی عمر وعمل میں برکت عطا فرمائے اور انہیں دین ودنیا کی ہر بھلائی عطا فرمائے اور مجھے ان کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِيْ صَغِيْرًا (آمین)۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

قرآنِ کریم وہ عظیم کتاب ہے جو ہر کلام سے افضل، ہر شبہ سے مبرا اور ہر نقص سے پاک ہے، یہ تمام الہامی کتب سے اعلیٰ وعظمت وفضیلت والی کتاب ہے۔ یہ خیر وبرکت سے مالا مال، ہدایت وحکمت سے لبریز اورحق و باطل میں فرق کرنے والی ہے، جہالت کے اندھیروں سے نکال کرتوحید کے نور سے منورکرنے والی ہے،اسی میں امت مسلمہ کی زندگی، عزت اورسرفرازی پنہاں ہے،اس کے بغیر یہ امت محض ایک جسد بے روح ہے کہ جس میں حرکت ہے نہ حرارت،کوئی وزن ہے نہ وقار۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَكَذٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِنْ أَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنَاهُ نُورًا نَهْدِي بِهِ مَنْ نَشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ. (الشوری: ۵۲)

ترجمہ:اوراسی طرح ہم نے تیری طرف اپنے حکم سے ایک روح کی وحی کی،تونہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا ہے؟ اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے؟ اورلیکن ہم نے اسے ایک ایسی روشنی بنادیا ہے جس کے ساتھ ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں راہ دکھا دیتے ہیں اور بلاشبہ تو یقیناً سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

قرآن مجید کی عظمت واہمیت کا اندازہ اس حدیث سے لگایا جاسکتا ہے جس میں قرآن مجید کے سیکھنےاورسکھانے والے کوسب سے بہتر قرار دیا گیا ہے:

عَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ. ❶

ترجمہ: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔

قرآنِ مجید کے پڑھنے والے اور نہ پڑھنے والے میں جو فرق ہے اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مثال سے واضح فرمایا ہے:

عَنْ أَبِيْ مُوسَى الأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِى يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الأُتْرُجَّةِ، رِيحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا طَيِّبٌ، وَمَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِى لا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ التَّمْرَةِ لا رِيحَ لَهَا وَطَعْمُهَا حُلْوٌ، وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِى يَقْرَأُ الْقُرْآنَ مَثَلُ الرَّيْحَانَةِ، رِيحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ، وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِى لا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ، لَيْسَ لَهَا رِيحٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ. ❷

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ مومن جو قرآن پڑھتا ہے اور اس کے مطابق عمل کرتا ہے نارنگی (سنگترے) کی طرح ہے۔ اس کا ذائقہ بھی لذیذ ہے اور خوشبو بھی عمدہ ہے، اور وہ مومن جو قرآن تو نہیں پڑھتا مگر عمل کرتا ہے کھجور کی طرح ہے، اس کا ذائقہ تو اچھا ہے، مگر اس میں خوشبو نہیں۔ اور اس منافق کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے ریحان (نازبو) کے مانند ہے کہ اس کی خوشبو تو عمدہ ہے مگر ذائقہ کڑوا ہے، اور اس منافق کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا، اندرائن (تُمّہ) کی طرح ہے کہ اس کا ذائقہ کڑوا اور خبیث ہے اور بو ناپسندیدہ ہے۔

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَمَا

---

❶ صحيح البخاري: كتاب فضائل القرآن، باب خيركم من تعلم القرآن وعلمه، ج٦ ص١٩٢، رقم الحديث: ٥٠٢٧

❷ صحيح البخاري، كتاب الأطعمة، باب ذكر الطعام، ج٧ ص٧٧، رقم الحديث: ٥٤٢٧

اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللّٰهِ يَتْلُونَ كِتَابَ اللّٰهِ وَيَتَدَارَسُونَهُ بَيْنَهُمْ إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ وَمَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ ❶.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ قرآن کریم کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو لوگ اللہ تعالیٰ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہو کر کتاب اللہ کی تلاوت کریں اور آپس میں اسے سیکھیں اور سکھائیں تو ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے، انہیں رحمت کے فرشتے ڈھانپ لیتے ہیں، اور ان کا ذکر اللہ تعالیٰ ان (یعنی فرشتوں) میں کرتا ہے جو اس کے پاس ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس میں سعادت دارین کے بے مثال اصول بیان کیے گئے ہیں، اسے پڑھنے، سمجھنے اور سیرت و کردار کو اس کے مطابق ڈھالنے والوں کو دنیا میں رفعتیں اور آخرت میں سعادتیں نصیب ہوتی ہیں اور اسے چھوڑ دینے والے ذلت و پستی اور قہر الٰہی کا نشانہ بنتے ہیں۔

قَالَ عُمَرُ أَمَا إِنَّ نَبِيَّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ. ❷

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یقیناً اللہ تعالیٰ اس کتاب (پر عمل کرنے) کی وجہ سے کچھ قوموں کو سر بلندی عطا کرتا ہے اور اس (سے اعراض کرنے) کی وجہ سے کچھ قوموں کو ذلیل و رسوا کرتا ہے۔

---

❶ صحیح مسلم: کتاب الذکر والدعاء، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن وعلی الذکر، ج۴ ص ۲۰۷۴ رقم الحدیث: ۲۶۹۹

❷ صحیح مسلم، کتاب فضائل القرآن، باب فضل من یقوم بالقرآن ویعلمه، ج ۱ ص ۵۵۹، رقم الحدیث: ۸۱۷

قرآنِ مجید نازل ہونا شروع ہوا تو نزولِ قرآن کے آغاز ہی سے اس کی تفسیر و تفہیم کا سلسلہ بھی جاری ہو گیا تھا اور قیامت قائم ہونے تک ان شاء اللہ یہ جاری وساری رہے گا۔اس سلسلے میں خاص طور پر محدثین نے کتبِ احادیث میں تفسیرِ قرآن، فضائلِ قرآن، قراءتِ قرآن وغیرہ کے ابواب قائم کیے۔ یہ بات تو مسلمہ ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر کا سب سے بہتر، سب سے اعلیٰ اور سب سے مناسب طریقہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر خود قرآن کریم ہی سے کی جائے، کیونکہ کئی دفعہ قرآن کریم میں ایک چیز کو اگر ایک جگہ اختصار کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے تو دوسرے مقام پر اسے تفصیل سے بیان کر دیا جاتا ہے، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت میں قرآن کریم کی تفسیر بیان کرنا بھی تھا۔چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی وحی کو لوگوں کے سامنے تلاوت فرماتے اور وہیں ساتھ ساتھ اس کی تشریح وتفسیر اور مفہوم ومطالب بھی بیان فرماتے اور پھر ان پر عمل پیرا ہو کر بھی دکھاتے تاکہ اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی کو سننے اور سمجھنے کے ساتھ ساتھ عملی صورت میں بھی دیکھ سکیں۔خود قرآن کریم نے اس کی صراحت فرمائی:

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ.

(النحل: ۴۴)

اگرچہ قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے ان افراد میں نازل فرمایا جن کی مادری زبان عربی تھی اور وہ فصیح اللسان اور عقل وفہم میں کامل ہونے میں اپنی مثال آپ تھے، لیکن اس کے باوجود قرآن کریم کے بعض اشاروں اور کنایوں کے فہم میں انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑ جاتا، جن کا حل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر ہی سے ممکن ہوتا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ (الأنعام: ۸۲)

ترجمہ: وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو بڑے ظلم کے ساتھ نہیں ملایا۔

تو مسلمانوں پر اس آیت کا مضمون بہت شاق گزرا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہم میں سے کون ہے جس نے اپنے نفس پر ظلم نہیں کیا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ظلم کا مطلب وہ نہیں جو تم سمجھتے ہو بلکہ اس کا مطلب وہ ہے جو حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا تھا:

وَإِذْ قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ وَهُوَ يَعِظُهُ يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ. (لقمان:۱۳)

صحابہ کرام اہل زبان ہونے کے باوجود ''بظلم'' کی تنوین کو تنکیر کے لئے سمجھ کر پریشان ہوگئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت لقمان کا قول ذکر کر کے بتایا کہ یہ تنوین تعظیم کیلئے ہے، تنکیر کے لئے نہیں۔ اور اس سے مراد شرک ہے، عام ظلم نہیں:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: لَمَّا نَزَلَتِ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ قَالَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّنَا لَمْ يَظْلِمْ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ: إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ. ❶

اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف قرآن مجید پڑھ کر سنانے والے نہ تھے بلکہ اس کی تشریح اور تفسیر کرنے والے اور اس کے مفاہیم ومطالب کو شرح وبسط سے بیان کرنے والے بھی تھے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس منصب کے مطابق قرآنی آیات کی توضیح وتشریح بھی کی اور اس کے اجمالات کی تفصیل بھی بیان فرمائی، جیسے نمازوں کی تعداد، رکعات، اوقات، اور وضع وہیئت اور زکوۃ کا نصاب، اس کی شرح، اس کی ادائیگی کا وقت اور دیگر تفصیلات۔ قرآنِ کریم کے اجمالات کی یہ تفسیر اور توضیح نبوی امت کے لئے حجت ہے، اور اس پر عمل کرنا ہر خاص وعام پر لازم ہے۔

---

❶ صحيح البخاري: كتاب التفسير، باب وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ، ج٦ ص ٥٦، رقم الحديث: ۴٦٢٩/ صحيح مسلم: كتاب الإيمان، باب صدق الإيمان وإخلاصه، ج ١ ص ١١۴، رقم الحديث: ١٢۴

قرآنِ کریم کا ایک عجیب معجزہ

اعداءِ اسلام آغاز رسالت محمدی سے جس چیز سے خوف زدہ رہے ہیں وہ دراصل یہ قرآن ہی ہے اسی وجہ سے انہوں نے ہر طرح اسے ہدف بنانے کی کوشش کی، جس میں نصوص میں اشتباہ پیدا کرنے سے لے کر اس کی اعلیٰ تعلیمات وہدایات کی اشاعت اور وسعت پذیری پر قدغن لگانا شامل ہے۔ باوجود یہ کے وہ اس پر سرے سے قادر نہیں تھے کہ اصل نص قرآنی میں کوئی ہیر پھیر کوئی تبدیلی وتغیر پیدا کرسکیں لیکن انہوں نے اس کوشش میں کوئی بھی کسر نہیں چھوڑی۔ اس قبیل کی بہت بعد کی ایک مثال سے اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے جس کا ذکر ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے کیا ہے، ان کے مطابق جرمن کی میونخ یونیورسٹی میں ایک ادارہ ''قرآن مجید کی تحقیقات کا ادارہ'' کے نام سے قائم کیا گیا جس کا مقصد دنیا میں موجود قرآن کے اب تک لکھے اور چھاپے گئے ہزاروں کی تعداد میں نسخے جمع کر کے ان کے درمیان موازنہ کرنا تھا تاکہ بائبل کی طرح قرآن کی نصوص کے درمیان فرق واختلاف اور تعارض وتضاد کو سامنے لایا جاسکے، اس طرح انہیں عالم میں آشکارا کر کے اس سے وابستہ مفاد کو حاصل کیا جاسکے۔ اس طرح کے بیالیس ہزار (۴۲۰۰۰) نسخوں کے باہمی موازنے کے بعد جو رپورٹ خفت پوشی کی ناکام کوشش کے ساتھ اس وضاحت کے ساتھ شائع ہوئی کہ ابھی کام مکمل نہیں ہوا ہے۔ ان نسخوں میں کہیں کہیں کتابت کی غلطیاں تو ملتی ہیں لیکن اختلاف روایت ایک بھی نہیں۔ ❶

جبکہ انجیل کے مختلف یونانی نسخوں کے ایسے ہی موازنے کی رپورٹ میں اس حیرت انگیز مگر ناقابل توقع امر کا انکشاف سامنے آچکا تھا کہ باہم ان نسخوں میں کوئی دو لاکھ (۲۰۰۰۰۰) اختلافی روایات ملتی ہیں۔ ❷

---

❶ خطبات بہاولپور: ص ۱۶، ادارہ تحقیقات اسلامی

❷ خطبات بہاولپور: ص ۱۶

حقیقت میں تحریک استشراق کا محور قرآن اور اس کی تعلیمات کو سبوتاژ کرنا تھا، قرآن کا اعجاز یہ ہے کہ اس کو مشکوک ومشتبہ بنانے کی جو بھی کوششیں کی گئیں ان کا ماحصل یہ سامنے آیا کہ اس کی حقانیت وصداقت مزید عقلی وتاریخی دلائل کی روشنی میں نکھر کر اور سنور کر اعداء وناقدین کے سامنے آجائے۔ مشہور فرانسی مصنف موریس بوکائی کی مشہور کتاب ''قرآن، بائبل اور سائنس'' اس قبیل کی ہزاروں مثالوں میں سے ایک اہم مثال ہے۔

سببِ تالیف

الحمدللہ فراغت کے بعد بندے نے مکمل ایک سال شب وروز جامعہ دارالعلوم کراچی کی لائبریری میں مختلف قسم کی علوم وفنون پر لکھی گئی سینکڑوں کتابوں کی ورق گردانی کی۔

اس دوران اڑسٹھ (۶۸) تفاسیر جن میں عربی، فارسی، اردو شامل ہیں۔ ہر ہر تفسیر کے متعلق مختصر تبصرہ اپنے پاس نوٹ کرتا رہا۔ ہر تفسیر کا پورا نام، مصنف کا نام اور کم از کم پانچ کتابوں سے مصنف کے حالات، تفسیر کا ماخذ، اہل علم کی اس تفسیر سے متعلق آراء، تفسیر میں موجود اسرائیلی روایات کی نشاندہی اور ہر تفسیر کی وہ اہم خوبیاں جو اس کو دیگر تفاسیر سے ممتاز کرنے والی ہوں۔

چنانچہ علامہ ابن جریر طبری رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۰ھ) کی تفسیر ''**جامع البیان فی تاویل آی القرآن**'' سے لے کر مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۶ھ) کی شہرہ آفاق تفسیر ''معارف القرآن'' تک۔ اسی طرح حدیث پر ہمام ابن منبہ بن کامل بن شیخ الصنعانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۱ھ) کی ''**صحیفہ ھمام بن منبہ**'' (جواَب ڈاکٹر حمید اللہ کی تحقیق کے ساتھ شائع ہوا ہے) سے لے کر امام ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی رحمہ اللہ (متوفی ۴۵۸ھ) کی ''**السنن الکبری**'' تک اڑتیس (۳۸) کتابوں پر۔ اسی طرح اصول حدیث پر ابو محمد الرامہرمزی رحمہ اللہ (متوفی ۲۶۰ھ) کی

"المحدث الفاصل بين الراوی والواعی" سے لے کر حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۴ھ) کی "قواعد فی علوم الحدیث" تک چھپن (۵٦) کتابوں پر۔ اسی طرح حدیث کے غریب الفاظ پر ابوعبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ (متوفی ۲۲۴ھ) کی "غریب الحدیث" سے لے کر علامہ طاہر پٹنی رحمہ اللہ (متوفی ۹۸٦ھ) کی "مجمع بحار الأنوار فی غرائب التنزیل ولطائف الأخبار" تک نو (۹) کتابوں پر۔ اسی طرح اسماء الرجال پر امام بخاری رحمہ اللہ (متوفی ۲۵٦ھ) کی "التاریخ الکبیر" سے لے کر علامہ صفی الدین الخزرجی رحمہ اللہ (متوفی ۹۴۲ھ) کی "خلاصۃ تذھیب تھذیب الکمال فی أسماء الرجال" تک تیرہ (۱۳) کتابوں پر۔ اسی طرح ضعیف روایت پر امام بخاری رحمہ اللہ (متوفی ۲۵٦ھ) کی "الضعفاء الصغیر" سے لے کر حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (متوفی ۸۵۲ھ) کی "لسان المیزان" تک چودہ (۱۴) کتابوں پر۔ اسی طرح موضوع روایات کی نشاندہی پر علامہ جوزقانی رحمہ اللہ (متوفی ۵۴۳ھ) کی "الأباطیل والمناکیر والصحاح والمشاھیر" سے لے کر علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۴۲۰ھ) کی "سلسلۃ الأحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ" تک اکتیس (۳۱) کتابوں پر۔ اسی طرح اصول فقہ پر علامہ ابوبکر جصاص رحمہ اللہ (متوفی ۳۷۰ھ) کی "الفصول فی الأصول" سے لے کر الدکتور وھبۃ الزحیلی کی "أصول الفقہ الإسلامی" تک چون (۵۴) کتابوں پر۔ اسی طرح فقہ پر امام محمد رحمہ اللہ (متوفی ۱۸۹ھ) کی "الجامع الصغیر" اور "المبسوط" سے لے کر علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۵۲ھ) کی "رد المحتار علی الدر المختار" تک اکتیس (۳۱) کتابوں پر۔ اسی طرح لغت پر خلیل بن احمد الفراہیدی رحمہ اللہ (متوفی ۱۷۵ھ) کی "کتاب العین" سے لے کر مولانا وحید الزمان کیرانوی رحمہ اللہ کی "القاموس الوحید"

تک انیس (۱۹) کتابوں پر۔ اسی طرح علم کلام پر علامہ ابن حزم ظاہری رحمہ اللہ (متوفی ۴۵۶ھ) کی ''الفصل فی الملل و الأهواء و النحل'' سے لے کر ابو جعفر السبحانی رحمہ اللہ کی ''بحوث فی الملل و النحل'' تک چودہ کتابوں پر۔ اسی طرح علم ادب پر علامہ جاحظ رحمہ اللہ (متوفی ۲۵۵ھ) کی ''البیان و التبیین'' سے لے کر الدکتور محمد التونجی کی ''المعجم المفصل فی الأدب'' تک تیرہ (۱۳) کتابوں پر۔ اسی طرح علم بیان پر ابو عبید معمر بن مثنی رحمہ اللہ (متوفی ۲۰۹ھ) کی ''مجاز القرآن'' سے لے کر علامہ جار اللہ زمخشری رحمہ اللہ (متوفی ۵۳۸ھ) کی ''أساس البلاغة'' تک نو (۹) کتابوں پر۔ اسی طرح علم معانی پر علامہ عبد القاہر جرجانی رحمہ اللہ (متوفی ۴۷۷ھ) کی ''دلائل الإعجاز'' سے لے کر علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (متوفی ۹۱۱ھ) کی ''أقصى الأماني'' تک چھ (۶) کتابوں پر۔ اسی طرح علم بدیع پر علامہ ابو العباس مرتضی باللہ رحمہ اللہ (متوفی ۲۹۶ھ) کی ''کتاب البدیع'' سے لے کر شیخ ابن حجر حموی رحمہ اللہ (متوفی ۸۳۷ھ) کی ''خزانة الأدب'' تک سات (۷) کتابوں پر۔ اسی طرح تاریخ پر علامہ ابن جریر طبری رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۰ھ) کی ''تاریخ الأمم و الملوک'' سے لے کر دکتور جواد علی رحمہ اللہ (متوفی ۱۴۰۸ھ) کی ''الفصل في تاريخ العرب قبل الإسلام'' تک پینتالیس (۴۵) کتابوں پر۔ اسی طرح سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر محمد بن اسحاق رحمہ اللہ (متوفی ۱۵۱ھ) کی ''کتاب السیر و المغازی'' سے لے کر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۶۲ھ) کی ''نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب'' تک اکتالیس (۴۱) کتابوں پر۔ اسی طرح حیات صحابہ پر علامہ ابن قانع رحمہ اللہ (متوفی ۳۵۱ھ) کی ''معجم الصحابة'' سے لے کر علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (متوفی ۸۵۲ھ) کی ''الإصابة فی تمییز الصحابة'' تک گیارہ (۱۱) کتابوں پر۔ اسی طرح تصوف پر لکھی گئی سترہ (۱۷)،

عیسائیت کی تردید میں لکھی گئی تیرہ (۱۳)، شیعت کے خلاف لکھی گئی بیالیس (۴۲)، غیر مقلدیت کی تردید میں لکھی گئی اکیس (۲۱) کتابوں پر تبصرہ نوٹ کیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ لائبریری میں موجود تقریباً چار سوستر (۴۷۰) کتابوں کے متعلق مختصر تعارف نوٹ کیا۔

اس دوران استاذِ محترم حضرت مولانا مفتی عبدالغنی صاحب مدظلہ نے مشورہ دیا کہ کسی ایک خاص موضوع کا انتخاب کر کے اب اس پر لکھو، چونکہ بندے کا ذوق تفسیر وحدیث کے ساتھ دیگر فنون کی بہ نسبت کچھ زیادہ ہے اس لئے کام کا آغاز تعوذ وتسمیہ اور سورہ فاتحہ کی تفسیر سے کیا۔ اس دوران علماء سلف کی سینکڑوں کتابوں کی ورق گردانی کی اور جو بھی گوہر نایاب سامنے آیا تو اسے زیرِ قرطاس لاتا رہا۔ سورہ فاتحہ کی تفسیر سے متعلق جتنی کتابیں جامعہ دارالعلوم کراچی کی لائبریری میں موجود تھیں ان تمام تفاسیر کا مطالعہ کیا۔ زیادہ تر استفادہ تفسیر کشاف، تفسیر کبیر، بیضاوی، قرطبی، مدارک، تفسیر ابن کثیر، اللباب فی علوم الکتاب، السراج المنیر، حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی، ابوالسعود اور حدائق الروح والریحان سے کیا۔

تعوذ وتسمیہ اور سورہ فاتحہ کی فضیلت سے متعلق تمام احادیث کی تخریج وتحقیق کا التزام کیا۔ صحیحین کی تمام احادیث کی صحت پر امت کا اتفاق ہے۔ ان کے علاوہ دیگر کتب احادیث سے بھی صحیح اور حسن درجے کی روایات جمع کیں۔ کیونکہ آج کل تفاسیر میں اہلِ علم کے اقوال تو نظر آتے ہیں لیکن احادیث کا ذخیرہ بہت کم نظر آتا ہے۔

الحمدللہ ہر حوالہ بالتفصیل لکھا تاکہ مراجعت کرنے والوں کے لئے آسانی ہو۔ نیز جو عبارات عام فہم اور سہل تھیں ان کا ترجمہ نہیں کیا، اس لئے کہ اس سے استفادہ کرنے والے عموماً طلباء اور اہلِ علم حضرات ہوں گے۔ جہاں عبارات کچھ دقیق اور پیچیدہ تھیں ان کا ترجمہ اور وضاحت کردی۔

ان شاء اللہ اس کتاب کے پڑھ لینے کے بعد تمام متداول تفاسیر سے تعوذ وتسمیہ اور سورہ فاتحہ کی تفصیلی مباحث سے استفادہ کرنا آسان ہوگا۔ خصوصاً موقوف علیہ کے طلباء کے لئے تفسیر بیضاوی کے حل میں نہایت مفید ہوگی۔

چونکہ بندے نے یہ کتاب نہایت عجلت کے ساتھ تقریباً بتیس ایام میں ان مباحث کو جمع کیا اور یہ میری پہلی تصنیفی کاوش ہے جس میں غلطی کا امکان قوی ہے۔

اس میں موجود ہر خوبی اللہ تعالی کی طرف سے ہے اور اگر کوئی غلطی رہ گئی ہو تو وہ میری طرف سے ہے جس پر میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی امید کرتا ہوں۔

آخر میں حضرت مولانا محمد اسلم صاحب کا بھی ممنون ومشکور ہوں کہ انہوں نے جامعہ دار العلوم کراچی کی لائبریری میں ہر قسم کی کتابوں سے استفادہ کے لئے بندے کے ساتھ خصوصی طور پر معاونت فرمائی۔

محمد نعمان

فاضل جامعہ علوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

استاذ جامعہ انوار العلوم مہران ٹاؤن کورنگی کراچی

۲۸ شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ

فون نمبر: 0332-2557675

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ

پہلی بحث: قرآن کریم میں تعوذ کا ذکر

قرآن کریم کی مختلف سورتوں میں تعوذ کے الفاظ آئے ہیں جن میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں۔

۱ ...... أَعُوذُ بِاللّٰهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ (البقرة: ٦٧)

ترجمہ: میں اس بات سے اللہ تعالی کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں جاہلوں سے ہو جاؤں۔

۲ ...... إِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ (آل عمران: ٣٦)

ترجمہ: اے اللہ! میں اس بچی کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود کے شر سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔

۳ ...... وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ. (الأعراف: ٢٠٠)

ترجمہ: اگر آپ کو کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے۔ بلا شبہ وہ خوب سننے، خوب جاننے والا ہے۔

۴ ...... قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ. (يوسف: ٢٣)

ترجمہ: کہنے لگے اللہ کی پناہ! وہ میرا مربی ہے کہ مجھ کو کیسی اچھی طرح رکھا۔ ایسے حق فراموشوں کو فلاح نہیں ہوا کرتی۔

۵ ...... رَبِّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ وَإِلَّا تَغْفِرْ لِي وَتَرْحَمْنِي أَكُنْ مِنَ الْخَاسِرِينَ. (هود: ٤٧)

ترجمہ:اے میرے پروردگار! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ تجھ سے ایسی چیز کا سوال کروں جس کی حقیقت مجھے معلوم نہیں اور اگر تو مجھے نہیں بخشے گا اور مجھ پر رحم نہیں کریگا تو میں تباہ ہو جاؤں گا۔

۶ ...... مَعَاذَ اللّٰهِ أَنْ نَأْخُذَ إِلَّا مَنْ وَجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهُ (یوسف: ۷۹)

ترجمہ:اللہ کی پناہ!ہم تو صرف اسی شخص کو روکیں گے جس کے پاس ہم اپنا سامان پائیں گے۔

۷...... إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا (مریم: ۱۸)

ترجمہ: کہنے لگی کہ میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو خدا ترس ہے۔

۸...... وَقُلْ رَبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ وَأَعُوذُ بِكَ رَبِّ أَنْ يَحْضُرُونِ (المؤمنون: ۹۷،۹۸)

ترجمہ:اورآپ کہہ دیجئے کہ اے میرے رب! میں شیطان کے وسوسوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔اوراے میرے رب! میں ان کے اپنے قریب آنے سے بھی آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔

۹ ...... وَإِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُمْ أَنْ تَرْجُمُونِ (الدخان: ۲۰)

ترجمہ: میں اپنے اور تمہارے پروردگار سے اس بات کی پناہ چاہتا ہوں کہ تم مجھے سنگسار کردو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تعوذ

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر اور صاحب کتاب پیغمبر تھے۔ قرآنِ حکیم میں آپ کی سیرت مبارکہ کے مختلف حصوں کو تفصیل سے بیان فرمایا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان انبیاء میں سے ہیں جن کا ذکر قرآنِ کریم میں بار بار آیا ہے۔آپ کو بنی اسرائیل کی ہدایت وفلاح کے لئے مبعوث فرمایا گیا تھا۔آپ بنی اسرائیل کے ہمراہ وادی تیہ میں قیام فرما تھے کہ بنی اسرائیل کے ایک نوجوان نے اپنے مالدار چچا کی جائیداد حاصل کرنے کے لئے رات کی تاریکی میں اسے قتل کردیا اور قتل کے الزام سے بچنے کے لئے

چچا کی لاش کو دوسرے محلے میں پھینکا، اس کا خیال تھا کہ اس طرح مجھے چچا کی بے پناہ دولت بھی حاصل ہو جائے گی اور دوسرے محلے داروں سے چچا کا خون بہا بھی مل جائے گا۔

یہ حرکت کرنے کے بعد صبح ہوتے ہی اس نے چیخنا اور چلانا شروع کر دیا اور فریاد کرتا ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، اور مدعی بن کر اہلِ محلّہ کے خلاف قتل کا دعویٰ دائر کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں سے تحقیق و تفتیش کی مگر قتل کا کوئی سُراغ نہ مل سکا۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ رب العزت کے حضور دعا کی اے اللہ! حقیقت حال واضح فرما تاکہ بنی اسرائیل کو باہمی اختلاف وافتراق سے بچایا جاسکے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور قدرت کا ایک واضح نشان دکھانے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازفرمائی کہ اپنی قوم کو ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیں اور ذبح شدہ گائے کے گوشت کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم پر لگائیں تو وہ مردہ میری قدرت سے زندہ ہوکر خود ہی اپنے قاتل کی نشان دہی کر دے گا۔ اس طرح واقعے کی حقیقت کھل جائے گی اور قاتل کا واضح طور پر پتہ بھی چل جائے گا۔

قرآنِ کریم اپنے معجزانہ اختصار سے اس واقعہ کا تذکرہ ان الفاظ میں فرماتا ہے:

وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً. (البقرة:٦٧)

ترجمہ: اور وہ وقت یاد کرو جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔

گائے ذبح کرنے کا حکم سن کر قوم کو تعجب ہوا اور انہوں نے کہ ہم تو آپ سے قاتل کا پتہ پوچھنے آئے تھے اور آپ ہمیں گائے ذبح کرنے کا حکم دے رہے ہیں۔

بھلا ان دو معاملات کی آپس میں کیا مناسبت ہے؟ اے موسیٰ! آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہوکر ہم سے مذاق اور تمسخر کر رہے ہیں۔ قرآنِ عزیز ان کے الفاظ نقل کرتا ہے:

قَالُوْا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا.

ترجمہ: انہوں نے کہا کیا آپ ہمارا مذاق اُڑاتے ہیں؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم کے اس اعتراض اور سوء قال کا جو جواب دیا وہ ہمارے اس عنوان کا موضوع ہے۔ ارشاد فرمایا کہ ایسے سنجیدہ معاملات اور نازک موقع پر مذاق کرنا جاہلوں کا کام ہے:

قَالَ اَعُوذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ. (البقرة:٦٧)

ترجمہ: میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں جاہلوں کے گروہ میں شامل ہو جاوں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا تعوذ

حضرت یوسف علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے مشہور پیغمبروں میں سے ایک پیغمبر ہیں۔ آپ کی سیرت مبارکہ کے تذکرے کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم کی ایک مستقل سورت نازل فرمائی ہے۔

سورۂ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کے تعوذ کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ سرزمین مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام کو عزیز مصر کے گھر میں رہائش اختیار کئے ہوئے جب سات سال کا عرصہ گزر گیا تو ایک زبردست اور کٹھن آزمائش شروع ہوگئی۔ حضرت یوسف علیہ السلام پر جوانی کا عالَم تھا، حسن و جمال میں بے مثال، رُخ مبارک شمس وقمر کی طرح روشن، عصمت وحیا کی فراوانی سونے پر سہاگہ اور پھر عین وقتِ شباب اور ساتھ عزیز مصر کی بیوی (زلیخا) اپنے دل پر قابو نہ رکھ سکی اور حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال پر فریفتہ ہوگئی۔ اور آپ سے ناجائز تعلقات استوار کرنے پر کمر بستہ ہوگئی اور ایک دن جذبات کی تسکین اور غلط منصوبے کی تکمیل کے لئے گھر کے تمام دروازے بند کر کے حضرت یوسف علیہ السلام کو انتہائی محفوظ کمرے میں لے جا کر دعوت گناہ دی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے یہ سخت آزمائش کا وقت تھا، شاہی خاندان کی خوبرو عورت محبوب نہیں بلکہ محبّ، آرائش حسن وزینت کی بے پناہ نمائش، ادھر یوسف خود حسین نوجوان اور حسن کی تمام خوبیوں کا مجموعہ، دروازے بند، رقیب کا خوف نہ محافظ کا ڈر، مالکہ خود ذمہ دار، مگران تمام سازگار حالات میں حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک لمحہ کے لئے بھی امراۃ العزیز کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔ قرآن عزیز فرماتا ہے:

وَ رَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَفْسِهِ وَ غَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَ قَالَتْ هَيْتَ لَكَ. (یوسف:۲۳)

ترجمہ: اور یوسف کو اس عورت نے جس کے گھر میں وہ مقیم تھے اس کی ذات سے پھسلایا اور دروازے بند کردیئے اور کہا: آجا۔

عزیز مصر کے شاہی محل کی خلوت گاہ اور مکمل تنہائی کے عالم میں حضرت یوسف علیہ السلام زلیخا کی اس اشتعال انگیز درخواست بلکہ تقاضے کو ٹھکراتے ہوئے زلیخا کو جواب میں فرماتے ہیں:

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهُ رَبِّي اَحْسَنَ مَثْوَايَ اِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُونَ. (یوسف:۲۳)

ترجمہ: اللہ کی پناہ وہ میرا مالک ہے اس نے مجھے اچھا ٹھکانہ دیا ہے اور ظالم فلاح نہیں پاتے۔

آپ نے غور فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی گناہ سے بچنے کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ کی پناہ تلاش کی اور کہا: معاذ اللہ۔

والدۂ مریم کا تعوذ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدۂ محترمہ سیدہ مریم رضی اللہ عنہا کی والدۂ ماجدہ کا نام حنہ اور والد گرامی کا نام عمران تھا۔ حضرت عمران حضرت زکریا علیہ السلام کے ہم زلف اور

بڑے عبادت گزار وشب بیدار بزرگ تھے۔حضرت عمران کی اہلیہ محترمہ حنہ بھی اپنے خاوند کی طرح انتہائی عابدہ اور زاہدہ خاتون تھیں۔علماء انساب کا اتفاق ہے کہ عمران اور حنہ کا سلسلہ نسب حضرت داود علیہ السلام سے جاملتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کہ اس ذاتِ عظیم وبرتر نے ایک عرصے تک اس نیک اور صالح جوڑے کو اولاد کی نعمت عظمیٰ سے محروم رکھا، یہ صرف اللہ تعالیٰ کا اختیار اور اسی کی قدرت ہے کہ وہ جسے چاہے اولاد عطا فرمائے اور جسے چاہے اس سے محروم رکھے۔

حضرت عمران اور محترمہ حنہ اکثر اوقات خالقِ کائنات کے حضور اولاد کے لئے دست بدعا رہتے اور اس ذات رحیم وکریم سے اولاد کا تحفہ مانگتے رہتے۔آخران دونوں کی دعائیں مستجاب ہوئیں اور سیدہ حنہ حاملہ ہوگئیں، حنہ کو اس احساس اور امید سے از حد خوشی حاصل ہوئی اور انہوں نے دربار الٰہی میں نذر مان لی کہ میرے ہاں جو بچہ پیدا ہوگا میں اسے مسجد اقصیٰ کی خدمت اور دین کی نشر واشاعت کے لئے وقف کردونگی اور اس سے گھر کا کوئی کام نہیں لوں گی۔قرآنِ کریم فرماتا ہے:

إِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ. (آل عمران: ۳۵)

ترجمہ: جب عمران کی بیوی نے کہا اے میرے رب! جو میرے شکم میں ہے اسے تیرے لئے آزاد کرنے کی نذر مانتی ہوں۔تو اسے میری طرف سے قبول فرما، بے شک تو ہی (دعائیں) سننے والا ہے اور (نیتوں کو) جاننے والا ہے۔

سیدہ حنہ کی شدید خواہش تھی کہ رب العزت انہیں بیٹا نصیب فرمائے مگر مدت حمل کے بعد جب ولادت کا مرحلہ آیا تو حنہ کو یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بیٹی عطا فرمائی ہے۔ سخت حیرانی ہوئی، لیکن جہاں تک اولاد کا تعلق ہے حنہ کے لئے یہ بیٹی بھی بیٹا سے کم نہ تھی، مگر

انہیں یہ افسوس ضرور ہوا کہ میری نذر پوری نہ ہو سکے گی۔ کیونکہ لڑکی تو بیت المقدس کی خدمت کا فریضہ کما حقہ سرانجام نہیں دے سکے گی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے افسوس کو یہ کہہ کو خوشی سے بدل دیا کہ ہم نے تمہاری لڑکی کو ہی قبول فرمالیا ہے۔ قرآنِ حکیم بیان فرماتا ہے کہ سیدہ مریم کو سیدہ حنہ نے ان الفاظ کے ساتھ بیت المقدس کے لئے وقف کیا کہ اے باری تعالیٰ!

وَ اِنِّی سَمَّیْتُھَا مَرْیَمَ وَ اِنِّی اُعِیذُھَا بِکَ وَ ذُرِّیَّتَھَا مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیمِ.

(آل عمران: ۳۶)

ترجمہ: اور میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے اور اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔

آپ قرآنی الفاظ پر غور فرمائیں تو یقیناً مسئلہ واضح ہو جائے گا کہ سیدہ حنہ نے بھی اللہ کی پناہ کے الفاظ استعمال فرماتے ہوئے اپنی صاحبزادی کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف کر دیا۔

سیدہ مریم کا تعوذ

قرآن حکیم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ سیدہ مریم کا تعوذ بھی ذکر فرمایا ہے کہ جب سید الملائکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سیدہ مریم کے گوشہ تنہائی میں انسانی شکل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت دینے کے لئے حاضر ہوئے، تو آپ ایک اجنبی شخص کو اس طرح سامنے کھڑا دیکھ کر گھبرا گئیں اور اسے فوراً خدا کا واسطہ دے کر فرمایا: اگر تجھے اللہ تعالیٰ کا خوف ہے تو میں تجھ سے رحمان کی پناہ میں آتی ہوں۔ قرآنِ حکیم نے حضرت مریم کے کلماتِ تعوذ کو اپنی آیات میں یوں محفوظ کیا ہے:

قَالَتْ اِنِّی اَعُوذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْکَ اِنْ کُنْتَ تَقِیًّا. (مریم: ۱۸)

ترجمہ: مریم نے کہا کہ میں تجھ سے اللہ کی پناہ میں آتی ہوں اگر تو پرہیزگار ہے۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور تعوذ

مدینہ منورہ کے ایک یہودی لبید بن اعصم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کر دیا تھا۔ جس کے معمولی اثرات بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس فرمائے تھے۔ ایک دن حضرت جبرئیل علیہ السلام دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ایک یہودی نے آپ پر جادو کیا ہوا ہے، اور وہ جادو فلاں کنویں میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیج کر اسے منگوالیا۔ وہ ایک کنگھی کے دندانوں اور بالوں کے ساتھ ایک تانت کے اندر گیارہ گرہیں پڑی ہوئی تھیں۔ اور موم کا ایک ٹکڑا تھا جس میں سوئیاں چبھوئی گئی تھیں۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بحکم الٰہی آپ کو قرآن حکیم کی آخری دو سورتیں یعنی سورۂ فلق اور سورۂ ناس پڑھنے کی تلقین فرمائی۔ جنہیں معوذتین کہا جاتا ہے۔ ان دونوں سورتوں کی آیات کی تعداد گیارہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک آیت پڑھتے جاتے اور گرہ کھلتی جاتی اور سوئی نکلتی جاتی تھی، جب ان دونوں سورتوں کی گیارہ آیات کی تلاوت مکمل ہوئی تو گیارہ کی گیارہ گرہیں کھل چکی اور سوئیاں نکل چکی تھیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح صحیح ہو گئے جس طرح کوئی شخص جکڑ بندی سے آزاد ہو جائے۔ (1)

جادو کا یہ مؤثر علاج بھی اللہ تعالیٰ نے تعوذ ہی کی شکل میں نازل فرمایا۔ اللہ رب العزت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تعوذ کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَق وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ وَمِنْ شَرِّ النَّفَّاثَاتِ فِي الْعُقَد وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ. (الفلق: ۱ تا ۵)

ترجمہ: (اے رسول!) کہہ دیجیے میں صبح کے رب کی پناہ میں آتا ہوں، اس کی پیدا

---

(1) الدر المنثور في التفسير المأثور: سورة الفلق، ج۸ ص۶۸۷

کردہ ہر چیز کی برائی سے اور اندھیری رات کی برائی سے جب اس کا اندھیرا پھیل جائے۔ اور گرہ لگا کر ان میں پھونکنے والیوں کی برائی سے اور حسد کرنے والے کی برائی سے جب وہ حسد کرے۔

قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِکِ النَّاسِ اِلٰهِ النَّاسِ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِی یُوَسْوِسُ فِی صُدُورِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ. (الناس: ۱ تا ٦)

ترجمہ: (اے پیغمبر!) کہہ دیجیے میں انسانوں کے پروردگار کی پناہ میں آتا ہوں۔ لوگوں کے مالک (اور) لوگوں کے معبود کی (پناہ میں آتا ہوں) وسوسہ ڈالنے والے، پیچھے ہٹ جانے والے کی برائی سے، جو لوگوں کے سینوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔ چاہے جنات میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔

قرآنِ کریم کے اٹھارہویں سپارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو شیطان کے وسوسوں سے پناہ مانگنے کی نصیحت فرمائی ہے۔ یہ اگر چہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے، مگر درحقیقت امت کو شیطانی وساوس اور ابلیسی حملوں سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

وَقُلْ رَبِّ اَعُوذُ بِکَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ وَاَعُوذُ بِکَ رَبِّ اَنْ يَحْضُرُونِ. (المؤمنون: ۹۷، ۹۸)

ترجمہ: اور کہہ دیجیے اے میرے رب! میں شیطان کے وسوسوں سے آپ کی پناہ طلب کرتا ہوں، اور اے میرے رب! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ وہ شیطان میرے قریب آئے۔

دوسری بحث: احادیث مبارکہ میں تعوذ کا ذکر

۱...... عقائد میں شیطانی وسوسوں سے اللہ کی پناہ طلب کرنا

قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَـأْتِـي الشَّيْـطَـانُ أَحَـدَكُمْ فَيَقُولُ مَنْ خَلَقَ كَذَا مَنْ خَلَقَ كَذَا حَتَّى يَقُولَ مَنْ خَلَقَ رَبَّكَ فَإِذَا بَلَغَهُ فَلْيَسْتَعِذْ بِاللّٰهِ وَلْيَنْتَهِ. ❶

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی ایک کے پاس شیطان آتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں اور فلاں کو کس نے پیدا کیا ہے؟ فلاں چیز کس نے پیدا کی ہے؟ حتی کہ یہ تک کہتا ہے کہ تیرے رب کو کس نے پیدا کیا ہے؟ لہٰذا جب ایسی سوچ آئے تو بندہ اللہ تعالی کی پناہ طلب کرے (یعنی "أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ" پڑھ لے) اور آئندہ ایسی سوچ سے باز رہے۔

۲...... نماز شروع کرتے وقت شیطان کے شر سے پناہ طلب کرنا

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو قیام فرماتے تو نماز شروع کرتے ہوئے اللہ اکبر کہتے پھر یہ پڑھتے:

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ.

میں پاکی بیان کرتا ہوں تیری اے اللہ! تیری ہی حمد و ثناء کے ساتھ تیرا نام بہت

---

❶ صحيح البخاري: كتاب بدء الخلق، باب صفة ابليس وجنوده، ج۴ ص ۱۲۳، رقم الحديث: ۳۲۷۶/ صحيح مسلم: كتاب الإيمان، باب بيان الوسوسة في الإيمان وما يقوله من وجدها، ج۱ ص ۱۲۰، رقم الحديث: ۱۳۴

برکت والا ہے تیری شان بہت بلند و بالا ہے اور تیرے سوا کوئی اور عبادت کے لائق نہیں۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ كَبَّرَ ثُمَّ يَقُولُ: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ. ثُمَّ يَقُولُ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ ثَلَاثًا ثُمَّ يَقُولُ: اللّٰهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا ثَلَاثًا أَعُوذُ بِاللّٰهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ ثُمَّ يَقْرَأُ. (1)

پھر آپ تین بار ''لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ'' پڑھتے پھر یہ پڑھتے ''أَعُوذُ بِاللّٰهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ'' پھر تین بار ''اَللّٰهُ أَكْبَرُ'' کہتے پھر یہ پڑھتے ''أَعُوذُ بِاللّٰهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ'' یعنی اس کے وسوسے اور اس کی پھونک اور اس کے جادو سے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ وَهَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ.

ترجمہ: اے اللہ! بے شک میں تیری پناہ لیتا ہوں شیطان مردود سے اور اس کے وسوسے سے، اس کے تکبر اور اس کے جادو سے۔ (''همز'' جنون اور دیوانگی کو۔ ''نفث'' شعر کو اور ''نفخ'' تکبر کو کہتے ہیں۔)

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ

---

(1) سنن أبي داؤد: كتاب الصلاة، باب من راى الاستفتاح بسبحانك اللهم وبحمدك، ج ۱ ص ۲۰۶، رقم الحديث: ۷۷۵/ سنن الترمذى: كتاب الصلاة، باب ما يقول عند افتتاح الصلاة، ج ۱ ص ۳۲۳، رقم الحديث: ۲۴۲

بِکَ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیمِ وَھَمْزِہٖ وَنَفْخِہٖ وَنَفْثِہٖ. قَالَ ھَمْزُہُ الْمُوتَۃُ وَنَفْثُہُ الشِّعْرُ وَنَفْخُہُ الْکِبْرُ. ❶

۳......نماز میں شیطانی وسوسوں سے اللہ کی پناہ چاہنا

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میری نماز اور قراءت کے درمیان شیطان حائل ہوجاتا ہے، وہ مجھ پر قراءت کو خلط ملط کرتا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ شیطان ہے جسے خنزب کہا جاتا ہے جب تم اس کے حائل ہونے کو محسوس کرو تو اس (کے شر) سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو (یعنی ''أَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ'' پڑھو) اور تین بار اپنی بائیں جانب تھتکارو، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا تو اللہ عزوجل نے اس شیطان کو مجھ سے دور کردیا:

أَنَّ عُثْمَانَ بْنَ أَبِی الْعَاصِ أَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُولَ اللّٰہِ! إِنَّ الشَّیْطَانَ قَدْ حَالَ بَیْنِی وَبَیْنَ صَلاتِی وَقِرَاءَتِی یَلْبِسُھَا عَلَیَّ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: ذَاکَ شَیْطَانٌ یُقَالُ لَہُ خِنْزِبٌ فَإِذَا أَحْسَسْتَہُ فَتَعَوَّذْ بِاللّٰہِ مِنْہُ وَاتْفِلْ عَلَی یَسَارِکَ ثَلاثًا. قَالَ فَفَعَلْتُ ذٰلِکَ فَأَذْھَبَہُ اللّٰہُ عَنِّی. ❷

غصہ کے وقت اللہ کی پناہ طلب کرنا

غصہ اور غضب انسان کے لئے سخت نقصان دہ اذیت کا باعث ہیں۔ غصہ کی حالت

---

❶ سنن ابن ماجه: کتاب إقامة الصلوات، باب الاستعاذة فی الصلاة، ج ۱ ص ۲۶۵، رقم الحديث: ۸۰۷

❷ صحيح مسلم: کتاب السلام، باب التعوذ من شيطان الوسوسة فی الصلاة، ج ۴ ص ۱۷۲۸، رقم الحديث: ۲۲۰۳

میں انسان نامعلوم کیا کیا الفاظ اپنی زبان سے ادا کر جاتا ہے۔اور شیطان بھی انسان کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے غصے کی حالت میں اسے ورغلانے کی کوشش کرتا ہے، ابلیس کی سرتوڑ کوشش ہوتی ہے کہ انسان سکون، اتفاق اور اتحاد سے زندگی نہ گزار سکیں، بلکہ ہمیشہ اختلاف، انتشار اور منافرت کا شکار رہیں۔ اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے شیطان انسان کو غصہ دلاتا اور پھر غصے کی حالت میں اس کے منہ سے ایسی باتیں نکلوا دیتا ہے کہ جس سے معاشرے میں افتراق واختلاف بڑھتا ہے اور شیطان انسانوں کو آپس میں لڑا کر خوش ہوتا اور مسرت کا اظہار کرتا ہے۔

اسی لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غصے کو پی جانے، درگزر اور معاف کرنے کی رغبت دلائی ہے۔اور قرآنِ حکیم نے بھی اہلِ تقویٰ کی علامات اور نشانیوں کا ذکر کرتے ہوئے ''وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ '' کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔یعنی اللہ والوں کے اوصافِ حمیدہ میں سے غصے کو پی جانا، ایک عمدہ وصف اور لوگوں کو معاف کر دینا اعلیٰ خوبی ہے۔

تاہم اگر کسی وقت انسان کو غصہ آ جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ جونہی کوئی شخص خود کو غصہ کی حالت میں محسوس کرے تو فوراً پکار اٹھے:

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيم.

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو شخص آپس میں جھگڑ پڑے۔ یہاں تک کہ نوبت گالی گلوچ تک پہنچ گئی، اور غصہ ان کے چہروں سے ٹپکنے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس غضبناک صورت حال کو دیکھ فرمایا: ''إِنِّىْ لَأَعْلَمُ كَلِمَةً'' بلاشبہ میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں، ''لَوْ قَالَهَا لَذَهَبَ غَضَبُهُ '' کہ یہ دونوں ان الفاظ بابرکت کو اپنی زبان سے

ادا کرلیں تو ان کا غصہ فوراً کافور ہوجائے۔ اور یہ اپنی اصلی حالت پر لوٹ آئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ الفاظ وکلمات جن کے کہنے سے آدمی کا غصہ فوراً دور ہوجاتا ہے:

"اَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ" ہیں۔ (1)

آج ہم میں سے اکثر لوگوں کو غصہ بہت جلد آتا ہے اور ہم معمولی باتوں کی بناء پر مرنے مارنے کے لئے تیار ہوجاتے ہیں اور پھر ساری عمر اس غصہ کے نتائج کا سامنا کرتے رہتے ہیں، آج ہمارے معاشرے میں قتل ہوتے ہیں تو غصہ کی بناء پر، میاں بیوی کے اختلافات بڑھتے ہیں تو غصہ کی بناء پر، یہ غصہ انسان کو ذلیل ورسوا کردیتا ہے، اسے جیل کی کوٹھڑی دکھلاتا اور معاشرے کا ناپسندیہ فرد بنادیتا ہے، اس لئے ہمیں اپنے جذبات پر کنٹرول رکھنا چاہیئے۔ غصے سے اجتناب کرنا چاہیئے اور بتقاضۂ بشریت اگر کسی وقت غصہ آجائے تو فوراً پڑھنا چاہیئے: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ.

حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ دو آدمیوں نے آپس میں ایک دوسرے کو برا بھلا کہنا شروع کردیا، ایسا کرتے ہوئے ان میں سے ایک تو اس قدر غصے میں تھا کہ غصے کی وجہ سے اس کا چہرہ سرخ ہوگیا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ اگر یہ اسے پڑھ لے تو اس کا غصہ ختم ہوجائے، اور وہ کلمہ یہ ہے "أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَنِ الرَّجِيمِ"

سُلَيْمَانُ بْنُ صُرَدٍ قَالَ اسْتَبَّ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ عِنْدَهُ جُلُوسٌ، وَأَحَدُهُمَا يَسُبُّ صَاحِبَهُ مُغْضَبًا قَدِ احْمَرَّ وَجْهُهُ فَقَالَ

(1) سنن الترمذي: أبواب الدعوات، باب ما يقول عند الغضب، ج٥ ص٥٠٤، رقم الحديث: ٣٤٥٢

النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي لَأَعْلَمُ كَلِمَةً لَوْ قَالَهَا لَذَهَبَ عَنْهُ مَا يَجِدُ لَوْ قَالَ أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ. ❶

۵......کسی وادی یا منزل پر پڑاؤ کے وقت اللہ کی پناہ میں آنا

حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا جو شخص کسی جگہ پڑاؤ ڈالے اور یہ دعا پڑھے:

أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ.

اللہ کے تمام کلمات کے ساتھ ان سب چیزوں کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جن کو اس نے پیدا کیا، تو اسے کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی یہاں تک کہ وہ وہاں سے کوچ کر جائے۔

عَنْ خَوْلَةَ بِنْتِ حَكِيمٍ السُّلَمِيَّةِ أَنَّهَا سَمِعَتْ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا نَزَلَ أَحَدُكُمْ مَنْزِلًا فَلْيَقُلْ أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ. فَإِنَّهُ لَا يَضُرُّهُ شَيْءٌ حَتَّى يَرْتَحِلَ مِنْهُ. ❷

۶...... مسجد میں داخل ہوتے وقت اللہ کی پناہ میں آنا

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ جب آپ مسجد میں داخل ہوتے تو یہ پڑھتے تھے:

أَعُوذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيمِ وَبِوَجْهِهِ الْكَرِيمِ وَسُلْطَانِهِ الْقَدِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ

---

❶صحيح البخاري: كتاب الأدب، باب الحذر من الغضب، ج۸ ص۲۸، رقم الحديث: ۶۱۱۵/ صحيح مسلم: كتاب البر والصلة، باب فضل من يملك نفسه عند الغضب...الخ، ج۴ ص۲۰۱۵، رقم الحديث: ۲۶۱۰

❷صحيح مسلم: كتاب الذكر والدعا، باب في التعوذ من سوء القضاء ...الخ، ج۴ ص۲۰۸۱، رقم الحديث: ۲۷۰۸

الــرَّجِيــمِ. میں عظمت والے اللہ اور اس کے کریم چہرے کی اور اس کی قدیم سلطنت کی پناہ چاہتا ہوں، مردود شیطان سے، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے جو ایسا کہے تو شیطان کہتا ہے کہ تو مجھ سے آج پورا دن محفوظ رہے گا:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَـانَ إِذَا دَخَـلَ الْـمَسْجِدَ قَالَ: أَعُوذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيمِ وَبِوَجْهِهِ الْكَرِيمِ وَسُلْطَانِهِ الْقَـدِيـمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ. قَالَ فَإِذَا قَالَ ذٰلِکَ قَالَ الشَّيْطَانُ حُفِظَ مِنِّي سَائِرَ الْيَوْمِ[1].

۷...... مسجد سے نکلتے وقت اللہ کی پناہ طلب کرنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) پر سلام پڑھے اور یہ دعا پڑھے:

اللّٰهُمَّ افْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِکَ.

ترجمہ: اے اللہ! میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔

اور جب مسجد سے نکلے تو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) پر سلام پڑھے اور یہ دعا پڑھے:

اللّٰهُمَّ اعْصِمْنِي مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ.

ترجمہ: اے اللہ! مجھے شیطان مردود کے شر سے محفوظ رکھ۔

عَـنْ أَبِـي هُـرَيْـرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا دَخَلَ أَحَـدُكُـمُ الْـمَسْـجِـدَ فَلْيُسَلِّمْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ

---

[1] سنن أبي داؤد: كتاب الصلاة، باب ما يقول الرجل عند دخوله المسجد، ج ۱ ص ۱۲۷، رقم الحديث: ۴۶۶

اُفْتَحْ لِی أَبْوَابَ رَحْمَتِکَ وَإِذَا خَرَجَ فَلْيُسَلِّمْ عَلَى النَّبِیِّ وَلْيَقُلْ اللّٰهُمَّ اعْصِمْنِی مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ. ❶

۸...... بیماری کے وقت اللہ کی پناہ مانگنا

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بیماری کی شکایت کی جو اسلام قبول کرنے کے بعد میں نے پہلی دفعہ محسوس کی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے ہاتھ کو اپنے جسم پر تکلیف والی جگہ رکھ کر تین مرتبہ بسم اللہ کہہ اور سات مرتبہ یہ دعا پڑھ:

أَعُوذُ بِاللّٰهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَاذِرُ.

ترجمہ: میں اللہ تعالیٰ کی اور اس کی قدرت کی پناہ پکڑتا ہوں اس چیز کے شر سے جو میں پاتا ہوں اور جس سے ڈرتا ہوں۔

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِی الْعَاصِ الثَّقَفِیِّ أَنَّهُ شَكَا إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَعًا يَجِدُهُ فِی جَسَدِهِ مُنْذُ أَسْلَمَ. فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ضَعْ يَدَکَ عَلَى الَّذِی تَأَلَّمَ مِنْ جَسَدِکَ وَقُلْ بِاسْمِ اللّٰهِ ثَلَاثًا. وَقُلْ سَبْعَ مَرَّاتٍ أَعُوذُ بِاللّٰهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَاذِرُ. ❷

۹......بچوں کے لئے اللہ کی پناہ کے خواہاں ہونا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حسن

---

❶ سنن ابن ماجه: كتاب المساجد، باب الدعاء عند دخول المسجد، ج ۱ ص ۲۵۴، رقم الحديث: ۷۷۳

❷ صحيح مسلم: كتاب السلام،باب استحباب وضع يده على موضع الألم..الخ، ج۴ ص ۱۷۲۸، رقم الحديث: ۲۲۰۲

وحسین رضی اللہ عنہما کے لئے ان کلمات کے ذریعے پناہ طلب کیا کرتے تھے:

أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ.

ترجمہ: میں اللہ کے تمام کلمات کے ساتھ (تم دونوں کے لئے) ہر شیطان سے اور اس مخلوق سے جو بدی کا ارادہ کرے اور ہر نظر لگانے والی آنکھ سے پناہ مانگتا ہوں:

عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَوِّذُ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ، أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ❶.

۱۰......صبح وشام کے وقت اللہ کی پناہ میں آنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم شام کو یہ کلمات پڑھ لیتے:

أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ لَمْ تَضُرَّكَ.

ترجمہ: میں اللہ کے مکمل کلمات کے ساتھ تمام چیزوں کے شر سے پناہ چاہتا ہوں جو اس نے پیدا کی ہیں، تو تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچتا۔❷

۱۱......صبح وشام اور بستر پر لیٹتے وقت اللہ کی پناہ میں آنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! مجھے ایسی دعا سکھا دیجئے جو میں صبح وشام پڑھا کروں،

---

❶صحيح البخاري: كتاب الأنبياء، أحاديث الأنبياء، باب قول اللّٰه تعالىٰ: واتخذ اللّٰه ابراهيم خليلا، ج۴ ص۱۴۷، رقم الحديث: ۳۳۷۱

❷صحيح مسلم: كتاب الذكر والدعاء، باب في التعوذ من سوء القضاء ودرك الشقاء وغيره، ج۴ ص۲۰۸۱، رقم الحديث: ۲۷۰۹

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کلمات پڑھا کرو:

اللّٰهُمَّ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَاطِرَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّ كُلِّ شَيْءٍ وَمَلِيكَهُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِي وَمِنْ شَرِّ الشَّيْطَانِ وَشِرْكِهِ.

ترجمہ: اے اللہ! ظاہر و پوشیدہ کو جاننے والے! آسمان وزمین کے پیدا کرنے والے! ہر چیز کو پالنے والے اور اس کے مالک! میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں، میں اپنے نفس کے شر سے اور مردود شیطان کے شر اور شرک سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ پھر آپ نے فرمایا: اس دعا کو صبح وشام اور رات کو بستر پر جاتے وقت پڑھا کرو:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ أَبُو بَكْرٍ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مُرْنِي بِشَيْءٍ أَقُولُهُ إِذَا أَصْبَحْتُ وَإِذَا أَمْسَيْتُ قَالَ: قُلِ اللّٰهُمَّ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَاطِرَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّ كُلِّ شَيْءٍ وَمَلِيكَهُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِي وَمِنْ شَرِّ الشَّيْطَانِ وَشِرْكِهِ قَالَ قُلْهُ إِذَا أَصْبَحْتَ وَإِذَا أَمْسَيْتَ وَإِذَا أَخَذْتَ مَضْجَعَكَ. (۱)

۱۲...... براخواب دیکھنے پر اللہ کی پناہ طلب کرنا

بعض اوقات حالت نیند میں انسان کو بڑے عجیب وغریب قسم کے خواب دکھائے دیتے ہیں۔ کئی دفعہ آدمی ان خوابوں کی وجہ سے خوف زدہ اور پریشانی میں مبتلا ہو جاتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بدخوابی کا علاج بھی تعوذ میں بتلایا ہے:

إِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ رُؤْيَا يُحِبُّهَا فَإِنَّمَا هِيَ مِنَ اللّٰهِ، فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ عَلَيْهَا وَلْيُحَدِّثْ بِهَا، وَإِذَا رَأَى غَيْرَ ذَلِكَ مِمَّا يَكْرَهُ فَإِنَّمَا هِيَ مِنَ الشَّيْطَانِ،

---

(۱) سنن الترمذی: أبواب الدعوات، باب منه، ج۵ ص ۳۳۴، رقم الحدیث: ۳۳۹۲

فَلْيَسْتَعِذْ مِنْ شَرِّهَا، وَلَا يَذْكُرْهَا لِأَحَدٍ فَإِنَّهَا لَا تَضُرُّهُ❶

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی اچھا خواب دیکھے تو وہ اللہ کی طرف سے ہے، اِس پر الحمدللہ کہے۔یعنی اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے اور اگر چاہے تو لوگوں کے سامنے اس خواب کا ذکر بھی کردے، اور جب ناپسندیدہ، شیطانی اور ڈراونا خواب دیکھے تو ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ'' پڑھے، یعنی اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے، اور کسی کے سامنے اس کا ذکر نہ کرے تو ان شاء اللہ اسے کوئی ضرر اور نقصان نہیں پہنچے گا۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا خواب اللہ تعالی کی طرف سے ہوتا ہے اور برا خواب شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، پس اگر تم میں سے کوئی شخص برا خواب دیکھ کر اس سے ڈر جائے تو وہ اپنی بائیں جانب تھتکارے اور اللہ تعالیٰ سے اس کے شر سے پناہ مانگے تو وہ اسے نقصان نہ پہنچائے گا:

عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ مِنَ اللّٰهِ وَالْحُلُمُ مِنَ الشَّيْطَانِ فَإِذَا حَلَمَ أَحَدُكُمْ حُلُمًا يَخَافُهُ فَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهِ، وَلْيَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّهَا، فَإِنَّهَا لَا تَضُرُّهُ❷.

تعلیماتِ نبویہ کی روشنی میں جس شخص کو برے اور فاسد خواب آتے ہوں اسے چار چیزوں کا خیال رکھنا چاہیئے۔

۱...شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ مانگے، یعنی ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ'' پڑھے۔

۲.....برے خواب سے اللہ رب العزت کی پناہ مانگے۔

---

❶صحيح البخاري: كتاب التعبير، باب الرؤيا من الله، ج۹ ص ۳۰، رقم الحديث:۶۹۸۵

❷صحيح البخاري: كتاب بدء الخلق، باب صفة إبليس وجنوده، ج۴ ص ۱۲۴، رقم الحديث: ۳۲۹۲

۳.....جونہی آنکھ کھلے تو فوراً بائیں طرف تین دفعہ تھوک دے۔

۴.....برے خواب کو کسی کے سامنے بیان نہ کرے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ شیطان، انسان کا ازلی اور ابدی دشمن ہے۔ وہ انسان کو غمگین، پریشان اور رنجیدہ کرنے کے لئے خواب کی حالت میں پراگندہ خیالات اور وساوس پیدا کرتا ہے، اس لئے محسن کائنات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو بدخوابی کا علاج یہ بتایا کہ جونہی خواب میں برے خیالات کی آمد ہو فوراً اتعوذ پڑھ لے۔

۱۳...... بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت اللہ کی پناہ طلب کرنا

رفعِ حاجت کے لئے انسان جب بیت الخلاء میں داخل ہوتا یا باہر کھلی فضا میں جاتا ہے تو اسے جسم کے ان حصوں سے بھی کپڑا اٹھانا پڑتا ہے کہ عام حالات میں ان حصوں کو برہنہ کرنا انسانی عادات کے منافی اور شرم وحیاء کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔ اس برہنگی کی حالت میں شیطانی حملوں کا خطرہ بڑھ جاتا ہے، اور شیطان کے لئے انسان کو ورغلانا اور وساوس میں مبتلا کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رفعِ حاجت کے لئے جسم کے مخصوص حصوں سے کپڑا اٹھانے یا بیت الخلاء میں داخل ہونے سے قبل ایسے الفاظ ادا کرنے کا حکم دیا ہے جن میں انسان اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہا ہے کہ اے اللہ! مجھے ان حالات میں شیطان کے اثرات سے محفوظ رکھنا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو فرماتے:

اَللّٰهُمَّ إِنِّی أَعُوذُ بِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ.

ترجمہ: اے اللہ! میں ناپاک جنوں اور ناپاک جنیوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِکٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ

وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْخَلاءَ قَالَ اللّٰهُمَّ إِنِّی أَعُوذُ بِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ. ❶

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بیت الخلاء (جنوں اور شیطانوں کے) حاضر ہونے کی جگہ ہے، لہٰذا جب تم میں سے کوئی بیت الخلاء میں داخل ہو تو کہے: أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ.

میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں ناپاک جنوں اور ناپاک جنیوں کے شر سے۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ هَذِهِ الْحُشُوشَ مُحْتَضَرَةٌ فَإِذَا أَتَى أَحَدُكُمُ الْخَلاءَ فَلْيَقُلْ أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ. ❷

۱۴......مباشرت کے وقت شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ چاہنا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی سے جماع کے وقت یہ دعا پڑھ لے:

بِسْمِ اللّٰهِ اللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا.

ترجمہ: اللہ کے نام کے ساتھ، اے اللہ! ہمیں شیطان کے شر سے محفوظ رکھ اور ہمیں تو جو اولاد عطا فرمائے اسے بھی شیطان سے بچانا۔

تو اگر اس ملاپ سے بچہ پیدا ہو تو شیطان اسے کبھی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا أَتَى أَهْلَهُ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ اللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا.

---

❶صحيح البخاري: كتاب الوضوء ،باب ما يقول عند الخلاء، ج ۱ ص ۴۰، رقم الحديث: ۱۴۲ / صحيح مسلم: كتاب الحيض، باب ما يقول إذا أراد دخول الخلاء، ج ۱ ص ۲۸۳، رقم الحديث: ۳۷۵

❷سنن أبي داؤد،باب ما يقول الرجل إذا دخل الخلاء، ج ۱ ص ۲، رقم الحديث: ۴

فَقُضِىَ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ لَمْ يَضُرَّهُ. ❶

۱۵.....سفر کے وقت تعوذ پڑھنا

ہر انسان کو کسی نہ کسی کام کے لئے سفر اختیار کرنا پڑتا ہے۔تاہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت آپ کا طریقہ اور اسوہ حسنہ یہ ہے کہ جب سفر پر جانا ہو تو تعوذ والی دعا پڑھ کر سفر شروع کیا جائے۔ یقیناً ایسا سفر جس کی ابتداذ کر الٰہی سے ہوگا جس کا آغاز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مطہرہ سے ہوگا،اور جسے مسنون دعا سے شروع کیا جائے گا وہ سفر باعثِ برکت بامقصد اور کامیاب ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر پر روانہ ہوتے تو اپنی زبان مبارک سے یہ دعا پڑھ کر سفر کا آغاز فرماتے:

اَللّٰهُمَّ أَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ، وَالْخَلِيْفَةُ فِي الْأَهْلِ، اَللّٰهُمَّ أَصْحَبْنَا فِيْ سَفَرِنَا، وَاخْلُفْنَا فِي أَهْلِنَا، اَللّٰهُمَّ إِنِّىْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ، وَكَآبَةِ الْمُنْقَلَبِ، وَمِنَ الْحَوْرِ بَعْدَ الْكَوْرِ، وَمِنْ دَعْوَةِ الْمَظْلُوْمِ، وَمِنْ سُوْءِ الْمَنْظَرِ فِي الْأَهْلِ وَالْمَالِ. ❷

ترجمہ:اے میرے اللہ! آپ ہی سفر میں (میرے) ساتھی ہیں اور (میرے) گھر میں خلیفہ (کارساز) ہیں۔اے اللہ! آپ سفر میں ہمارے ساتھی بنیں اور ہمارے گھر والوں کے لئے ہمارے نائب،اے اللہ! میں آپ کی ذات کے ساتھ سفر کی مشقت سے اور واپسی

---

❶صحيح البخاري: كتاب الوضوء، باب التسمية على كل حال وعند الوقاع، ج ۱ ص ۴۰، رقم الحديث: ۱۴۱ / صحيح مسلم: كتاب النكاح، باب ما يستحب أن يقوله عند الجماع، ج۲ ص ۱۰۵۸، رقم الحديث: ۱۴۳۴

❷سنن الترمذي: أبواب الدعوات، باب ما يقول إذا خرج مسافرا، ج۵ ص ۴۹۷، رقم الحديث: ۳۴۳۹

پر غمگین منظر سے اور ترقی کے بعد تنزل سے پناہ مانگتا ہوں۔

یہاں سفر کی اس دعا میں تعوذ یعنی اللہ کی پناہ طلب کرنے کا ذکر موجود ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ سفر پر روانہ ہوتے وقت اگر اس مسنون دعا کو پڑھ لیا جائے تو انسان سفر کی مشکلات اور گھر سے دوری کی غمگینی، اور تنزل و پستی اور نقصان سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

۱۶.....دشمن سے حفاظت کے لئے تعوذ پڑھنا

ہر انسان یہ چاہتا ہے کہ میں اپنے دشمن کی چالوں، اس کے حملوں اور ریشہ دوانیوں سے ہر طرح محفوظ و مامون رہوں اور میرا دشمن کسی طرح بھی میرا نقصان نہ کر سکے۔ اسی طرح ہر شخص اس امر کا بھی آرزومند ہوتا ہے کہ مجھے کوئی پریشانی، اذیت اور تکلیف نہ پہنچے، اور میں ہر قسم کی مشقتوں، تکلیفوں، اذیتوں، دشواریوں اور پریشانیوں سے سلامت رہوں۔ اس مقصد کیلئے محسن کائنات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی مختصر اور جامع دعا سکھلائی ہے۔ اسے روزانہ پڑھ کر ہر قسم کے مصائب وآلام اور دشمن کے حملوں سے محفوظ رہا جاسکتا ہے اور یہ بھی یاد رکھیں کہ اس دعا میں بھی تعوذ یعنی اللہ کی پناہ کے الفاظ موجود ہیں۔

مشہور صحابی رسول حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشقت، بدبختی، برے فیصلے اور دشمنوں کی شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کیا کرتے تھے۔ دُعا کے الفاظ یہ ہیں:

تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ جَهْدِ الْبَلَاءِ وَدَرَكِ الشَّقَاءِ وَسُوءِ الْقَضَاءِ وَشَمَاتَةِ الْأَعْدَاءِ. (1)

---

(1) صحيح البخاري: كتاب القدر، باب من تعوذ بالله من درك الشقاء وسوء القضاء، ج٨ ص ١٢٦، رقم الحديث: ٦٦١٦

ترجمہ: اے میرے اللہ! میں بلاء کی مشقت سے اور بدبختی کے ملنے سے، اور برے فیصلے اور دشمنوں کی خوشی سے آپ کی پناہ میں آتا ہوں۔

۱۷.....زوالِ نعمت سے حفاظت کے لئے تعوذ پڑھنا

اللہ تعالیٰ نے ہمیں صحت وتندرستی،، مال ودولت، عزت، کاروبار وتجارت، علم وملازمت اور اس طرح کی بے حساب نعمتوں سے مالا مال فرمایا ہے، ہم میں سے کوئی شخص یہ نہیں چاہتا کہ وہ ان نعمتوں سے محروم کردیا جائے۔ انعاماتِ خداوندی سے اس کا دامن خالی ہوجائے اور اسے تہی دست اور بے آسرا بنادیا جائے۔

امت کی ان خواہشات کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک خوبصورت بہترین مختصر مگر جامع دعا بتلائی ہے کہ جو شخص اس دعا اور تعوذ کو پڑھتا رہے گا تو اللہ تعالیٰ نہ صرف یہ اس پر کی گئی نعمتوں کو برقرار رکھے گا بلکہ اس پر انعامات کی مزید بارش برسائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نعمتوں کے زوال سے بچنے اور عافیت کے لئے اکثر یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ إِنِّىْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ وَتَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ وَفُجَاءَةِ نِقْمَتِكَ وَجَمِيْعِ سَخَطِكَ. [1]

ترجمہ: اے اللہ! میں آپ کی عطا کردہ ہر نعمت کے زائل ہونے سے اور آپ کی دی ہوئی عافیت کے بدل جانے سے اور آپ کے ناگہانی عتاب سے اور آپ کے ہر طرح کے غصہ سے آپ کی پناہ میں آتا ہوں۔

---

[1] صحیح مسلم: کتاب الرقاق، باب أكثر أهل الجنة الفقراء، ج۴ ص۲۰۹۷، رقم الحدیث: ۲۷۳۹

۱۸.....برے اَخلاق سے تعوذ

انسانی عادات میں حسنِ اخلاق ایک پسندیدہ عادت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلیٰ اخلاق اور حسنِ کرداری کی تعلیم دی ہے۔ آپ کا ارشاد مبارک ہے:

إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ.

ترجمہ: مجھے تو اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ حمیدہ کی قرآنِ مجید نے یوں گواہی دی ہے:

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ. (سورة القلم: ۴)

ترجمہ: اور یقیناً آپ اخلاق کے اعلیٰ درجے پر ہیں۔

اسلامی تعلیمات میں جس طرح اخلاقِ عالیہ کی تعرف وتوصیف کی گئی ہے اسی طرح برے اخلاق کی مذمت بھی بیان فرمائی گئی ہے۔ بلکہ ارشاداتِ نبویہ کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے اخلاق کے بارے میں اتنے فکرمند تھے کہ آپ نے اپنی امت کو ایسی دعا سکھلائی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے حضور درخواست کی گئی ہے کہ اے الہٰ العالمین! ہمیں برے اخلاق سے محفوظ فرما۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الفاظ کے ساتھ دعا کیا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَعُوْذُ بِکَ مِنَ الشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوْءِ الْأَخْلَاقِ. ❶

ترجمہ: اے اللہ! میں اختلاف سے، نفاق سے اور برے اخلاق سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔

---

❶ سنن النسائي: كتاب الاستعاذة، الاستعاذة من الشقاق والنفاق، ج۸ ص ۲۶۴، رقم الحديث: ۵۴۷۱

۱۹.....بے نفع علم سے تعوذ

علم اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت اور لازوال دولت ہے، قرآن وحدیث میں اہلِ علم کے فضائل ومحاسن اوران کی فضیلت وعظمت کو مختلف پیرایوں میں بیان کیا گیا ہے۔ قرآن حکیم نے واضح فرمایا ہے کہ جس طرح دھوپ اور چھاوں، دن اور رات، صبح اور شام، زندہ اور مردہ برابر نہیں ہو سکتے، اسی طرح اہلِ علم اور بے علم بھی برابر نہیں ہو سکتے، قرآنِ حکیم اس امر کی بھی وضاحت فرماتا ہے کہ اہلِ علم اور بے علم بھی برابر نہیں ہو سکتے، قرآنِ حکیم اس امر کی بھی وضاحت فرماتا ہے کہ اہلِ علم ہی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہوتے ہیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ان اشعار نے اہلِ علم کی فضیلت کو چار چاند لگا دیئے ہیں:

رَضِيْنَا قِسْمَةَ الْجَبَّارِ فِيْنَا　　لَنَا عِلْمٌ وَلِلْجُهَّالِ مَالٌ

فَإِنَّ الْمَالَ يَفْنَى عَنْ قَرِيْبٍ　　وَإِنَّ الْعِلْمَ بَاقٍ لَازَوَالَ

ترجمہ: ہم اللہ جبار کی اس تقسیم پر راضی اور خوش ہیں کہ اس نے ہمیں علم سے نوازا اور جاہلوں کو مال عطا کیا۔ بلاشبہ دولت تو عنقریب فنا اور ختم ہو جائیگی، اور علم ہمیشہ باقی رہیگا اور اسے کبھی زوال نہیں آئے گا۔

مگر ایسا علم جو نفع مند، فائدہ منداور سود مند نہ ہو، وہ علم جو عظمت کی بجائے نفرت، عزت کی بجائے ذلت اور بلندیوں کی بجائے پستیوں کا سبب ہے، ایسے بے مقصد اور نقصان دہ علم سے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ ناگنے کی تعلیم دی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ، وَمِنْ قَلْبٍ لَا يَخْشَعُ، وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ، وَمِنْ دُعَاءٍ لَا يُسْمَعُ. [1]

---

[1] سنن النسائي: كتاب الاستعاذة، الاستعاذة من الشقاق والنفاق، ج۸ ص۲۶۳، رقم الحديث: ۵۴۷۰

ترجمہ: اے اللہ! میں بے نفع علم سے، نہ ڈرنے والے دل سے، نہ بھرنے والے نفس سے، اور قبول نہ ہونے والے دعا سے آپ کی پناہ کا طلب گار ہوں۔

۲۰......موت کے وقت شیطانی حملہ سے اللہ کی پناہ چاہنا

حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے:

اللّٰھُمَّ إِنِّی أَعُوذُ بِکَ مِنَ التَّرَدِّی وَالْھَدْمِ وَالْغَرَقِ وَالْحَرِیقِ وَأَعُوذُ بِکَ أَنْ یَتَخَبَّطَنِی الشَّیْطَانُ عِنْدَ الْمَوْتِ وَأَعُوذُ بِکَ أَنْ أَمُوتَ فِی سَبِیلِکَ مُدْبِرًا وَأَعُوذُ بِکَ أَنْ أَمُوتَ لَدِیغًا.

ترجمہ: اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں کسی چیز کے نیچے آنے سے، اونچی جگہ سے گرنے سے، ڈوبنے اور جلنے سے، اور تیری پناہ مانگتا ہوں کہ موت کے وقت شیطان مجھے خبطی بنائے، اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ تیری راہ میں جہاد سے بھاگتا ہوا مروں، اور اس بات سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کہ کسی زہریلے جانور کے ڈسنے سے مجھے موت آئے:

عَنْ أَبِی الْیَسَرِ قَالَ کَانَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُولُ: اللّٰھُمَّ إِنِّی أَعُوذُ بِکَ مِنَ التَّرَدِّی وَالْھَدْمِ وَالْغَرَقِ وَالْحَرِیقِ وَأَعُوذُ بِکَ أَنْ یَتَخَبَّطَنِی الشَّیْطَانُ عِنْدَ الْمَوْتِ وَأَعُوذُ بِکَ أَنْ أَمُوتَ فِی سَبِیلِکَ مُدْبِرًا وَأَعُوذُ بِکَ أَنْ أَمُوتَ لَدِیغًا. (1)

تعوذ کی فضیلت سے متعلق روایات کی نشاندہی

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) نے تعوذ کی فضیلت کے بارے میں چار (۴)

---

(1) سنن النسائی: کتاب الاستعاذۃ، باب الاستعاذۃ من التردی والھدم، ج۸ ص ۲۸۲، رقم الحدیث: ۵۵۳۱

روایات نقل کیں پھر آخر میں فرماتے ہیں:

وما يتعوذ منه كثير ثابت فى الأخبار، والله المستعان. ❶

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) نے تعوذ کی فضیلت کے بارے میں سات (۷) روایات نقل کیں، آخر میں فرماتے ہیں استعاذہ کے بارے میں احادیث کثرت کے ساتھ آئی ہیں، اگر انہیں ذکر کیا جائے تو بات طویل ہوجائے گی، ان روایات کا تذکرہ ''**كتاب الأذكار**'' اور ''**فضائل الأعمال**'' میں ہوتا ہے:

وقد جاء فى الاستعاذة أحاديث كثيرة يطول ذكرها هاهنا، وموطنها كتاب الأذكار وفضائل الأعمال. ❷

تیسری بحث: تعوذ سے متعلق فقہی مسائل

مسئلہ: قرآن مجید کی تلاوت سے پہلے تعوذ پڑھنا مستحب ہے۔

مسئلہ: نماز کی پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ سے پہلے تعوذ پڑھنا سنت ہے۔

مسئلہ: عید کی نماز کی پہلی رکعت میں تین زائد تکبیروں کے بعد امام قراءت شروع کرنے سے پہلے آہستہ سے تعوذ پڑھے۔

مسئلہ: مقتدی چونکہ امام کے پیچھے قراءت نہیں کرتا اس لیئے وہ تعوذ بھی نہ پڑھے۔

مسئلہ: استاد کو قرآن مجید سنانے والے کے لئے تعوذ پڑھنا ضروری نہیں کیونکہ اس موقع پر وہ تلاوت نہیں کر رہا ہوتا بلکہ قرآن مجید سیکھ رہا ہوتا ہے۔ ❸

---

❶ تفسير القرطبى: القول في الاستعاذة، ج ۱ ص ۸۹

❷ تفسير ابن كثير: الكلام في تفسير الاستعاذة، ج ۱ ص ۲۸

❸ الفتاوى الهندية: كتاب الكراهية، الباب الرابع، ج۵ ص ۳۱۶/ رد المحتار: كتاب الصلاة، مطلب في بيان المتواتر بالشاذ، ج ۲ ص ۲۳۳، ۲۳۴/ الفقه الإسلامي وأدلته: المبحث الرابع: الصلاة العيدين، ج ۲ ص ۱۳۹۶

چوتھی بحث: تعوذ کو تسمیہ پر کیوں مقدم کیا؟

تعوذ کو تسمیہ پر مقدم کرنے کی چھ (۶) وجوہات ہیں:

۱......جمہور علماء کے ہاں بوقت تلاوت تعوذ تسمیہ پر مقدم ہوتا ہے۔

۲......جمہور علماء کے ہاں نماز میں تعوذ تسمیہ پر مقدم ہوتا ہے۔

۳......دفعِ مضرت مقدم ہوتی ہے جلبِ منفعت پر۔

منفعت کی حقیقت: **تحصیل ماهو فی المستقبل.**

مضرت کی حقیقت: **تفویت ما هو فی الحال.**

منفعت غیر موجود چیز کو حاصل کرنا جبکہ مضرت موجود چیز کو تلف کرنا۔

۴...... ازالہ مضرتِ کثیرہ منفعتِ قلیلہ کے مقابلے میں مقدم ہوتی ہے، جیسے دوکاندار ایک چیز فروخت کر رہا ہے گاہک کہتا ہے کہ فوراً یہ چیز مجھے دو، اب اس بیع میں بائع کو سو روپے کا نفع ہو رہا ہے لیکن اچانک یہ خبر آ گئی کہ آپ کے گھر میں آگ لگ گئی ہے تو دوکاندار پہلے آگ بجھانے کے لئے بھاگے گا کیوں کہ اس میں مضرت کثیرہ ہے جبکہ اس بیع میں منفعت قلیلہ ہے، اور اصول ہے کہ ازالہ مضرتِ کثیرہ منفعتِ قلیلہ کے مقابلے میں مقدم ہوتی ہے اس لئے تعوذ تسمیہ پر مقدم ہے۔

۵......استعاذہ کی حقیقت: **التحفظ عن مضرة الشيطان.**

تسمیہ کی حقیقت: حدیث کی روشنی میں اس کی حقیقت حصول البرکت ہے، تو تعوذ میں دفع مضرت ہے، اس لئے یہ مقدم ہے جبکہ تسمیہ کا مقصد دنیاوی برکات حاصل کرنا ہے یہ فائدہ قلیلہ ہے، جب کہ تعوذ میں ایسے دشمن سے پناہ میں آنا جو ایمان کا دشمن ہے اور یہ مضرتِ کثیرہ ہے، اور دفعِ مضرت کثیرہ اولی ہے منفعت قلیلہ کے حصول سے اس لئے تعوذ کو تسمیہ پر مقدم کیا ہے۔

۶......کثیر الاسباب چیز کی بہ نسبت قلیل الاسباب چیز کی اہمیّت اور فکر زیادہ ہوتی ہے۔ جیسے اگر منزل تک پہنچنے کیلئے اسباب زیادہ ہوں تو فکر نہیں ہوتی لیکن اگر اسباب کم ہوں تو فکر زیادہ ہوتی ہے۔ جیسے لاہور جانے کیلئے روزانہ دس گاڑیاں روانہ ہوتی ہوں تو اب مسافر فکر مند نہیں ہوگا کہ اگر ایک گاڑی نہ ملی تو دوسری گاڑی مل جائے گی، لیکن اگر لاہور جانے کیلئے صرف ایک ہی گاڑی روانہ ہوتی ہو تو اب فکر زیادہ ہوگی کہ کہیں گاڑی نہ نکل جائے۔ تو اسی طرح تمام شیطانی مضرتوں سے بچنے کا سبب ایک اللہ ہی کی ذات ہے اور تعوذ میں اسی ذات باری تعالی کی پناہ میں آنے کا ذکر ہے اس لئے تعوذ کو تسمیہ پر مقدم کیا ہے۔

پانچویں بحث: تعوذ کے الفاظ کے متعلق

جمہور اہلِ علم کے ہاں تعوذ میں ''أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ'' کے الفاظ پڑھنا اولیٰ ہے۔

علامہ محمد بن محمد المعروف ابن جزری رحمہ اللہ (متوفی ۸۳۳ھ) نے چھ (۶) وجوہات نقل کی ہیں اس بات پر کہ ان الفاظ کا پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔

۱......تمام قراء کے ہاں تعوذ میں مختار و پسندیدہ الفاظ ''أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ'' ہیں۔ یہ الفاظ سورۃ النحل کی آیت قرآنیہ ''فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ'' میں وارد شدہ الفاظ کے موافق ہیں۔

۲......استاذ ابو طاہر ابن سوار رحمہ اللہ اور ابو العز قلانسی رحمہ اللہ نے انہی الفاظ پر اہلِ علم کا اتفاق نقل کیا ہے۔

۳......ابو الحسن سخاوی رحمہ اللہ اپنی کتاب ''جمال القراء'' میں لکھتے ہیں:

جن الفاظ پر امت کا اجماع ہے وہ ''أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ'' ہے۔

۴......حافظ ابو عمرو دانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حذاق و ماہرین اہلِ اداء کے ہاں

یہی الفاظ مروج و مستعمل ہیں۔

۵......امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ اور دیگر فقہاء کے ہاں بھی انہی الفاظ کا پڑھنا اولیٰ ہے۔

۶......آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے انہی الفاظ کے ساتھ تصریح وارد ہے۔ چنانچہ سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ سے بخاری میں یہ روایت موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو شخص ایک دوسرے کو برا کہنے لگے اور لڑنے جھگڑنے لگے، اور ہم اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھے ان میں سے ایک نہایت غصے کی حالت میں تھا اور اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا دوسرے کو برا بھلا کہہ رہا تھا، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں اگر یہ شخص اسے پڑھ لے تو جو کچھ شدت غضب میں وہ اپنے اندر محسوس کر رہا ہے وہ دور ہو جائے وہ الفاظ یہ ہیں:

سُلَيْمَانُ بْنُ صُرَدٍ قَالَ اسْتَبَّ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ عِنْدَهُ جُلُوسٌ، وَأَحَدُهُمَا يَسُبُّ صَاحِبَهُ مُغْضَبًا قَدِ احْمَرَّ وَجْهُهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنِّي لَأَعْلَمُ كَلِمَةً لَوْ قَالَهَا لَذَهَبَ عَنْهُ مَا يَجِدُ لَوْ قَالَ أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ. ❶

علامہ ابن جزری رحمہ اللہ کی اصل عبارت ملاحظہ فرمائیں:

المختار لجميع القراء من حيث الرواية أعوذ باللّٰه من الشيطان الرجيم كما ورد فى سورة النحل فقد حكى الأستاذ أبو طاهر ابن سوار وأبو العز القلانسى وغيرهما الاتفاق على هذا اللفظ بعينه. وقال الإمام أبو الحسن السخاوى فى كتابه جمال القراء إن الذى عليه إجماع الأمة

❶ صحيح البخاري: كتاب الأدب، باب الحذر من الغضب، ج۸ ص۲۸، رقم الحديث: ۶۱۱۵

هو: أعوذ باللّٰه من الشيطان الرجيم. وقال الحافظ أبو عمرو الدانی أنه هو المستعمل عند الحذاق دون غيره. وهو المأخوذ به عند عامة الفقهاء: كالشافعي وأبي حنيفة وأحمد وغيرهم، وقد ورد النص بذلک عن النبی صلی اللّٰه عليه وسلم، ففی الصحيحين من حديث سليمان بن صرد رضی اللّٰه عنه قال: استب رجلان عند رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم ونحن عنده جلوس وأحدهما يسب صاحبه مغضباً قد احمر وجهه. فقال النبی صلی اللّٰه عليه وسلم أنی لأعلم كلمة لو قالها لذهب عنه ما يجده لو قال أعوذ باللّٰه من الشيطان الرجيم. ❶

۱......علامہ ابن عطیہ اندلسی رحمہ اللہ (متوفی ۵۴۶ھ) فرماتے ہیں کہ جمہور کے ہاں استعاذہ میں وہ الفاظ پڑھنا اولیٰ ہے جن کا ثبوت قرآن کریم سے ہے:

أما لفظ الاستعاذة فالذی عليه جمهور الناس هو لفظ كتاب اللّٰه تعالی أعوذ باللّٰه من الشيطان الرجيم. ❷

۲......علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ جمہور علماء کے ہاں تعوذ میں ''أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَنِ الرَّجِيمِ'' پڑھنا اولیٰ ہے اس لئے کہ یہ کتاب اللہ کے الفاظ ہیں:

أعوذ باللّٰه من الشيطان الرجيم. وهذا اللفظ هو الذی عليه الجمهور من العلماء فی التعوذ لأنه لفظ كتاب اللّٰه تعالی❸.

۳......علامہ سمین حلبی رحمہ اللہ (متوفی ۷۵۶ھ) فرماتے ہیں کہ وہ الفاظ پڑھنے

---

❶النشر فی القراء ات العشر، باب اختلافهم فی الاستعاذة، ج ۱ ص ۲۴۳

❷المحرر الوجيز فی تفسير الكتاب العزيز: باب القول في الاستعاذة، ج ۱ ص ۵۸

❸تفسير القرطبی:القول فی الاستعاذة، ج ۱ ص ۸۶

چاہیں جو مشہور اور قرآن کریم کی آیت کے موافق ہوں:

اللفظ المشهور لموافقة قوله تعالى: فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ. ❶

۴......علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ جمہور قراء اور اہل علم کے ہاں "أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ" کے الفاظ پڑھنا بہتر ہے تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے استعاذہ کے متعلق مروی تمام روایات میں تطبیق ہو جائے:

وكيفية الاستعاذة عند الجمهور من القراء وغيرهم أعوذ باللّٰه من الشيطان الرجيم لتظافر الروايات على أنه صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كان يستعيذ كذلك. ❷

۵......علامہ سراج الدین حسینی فرماتے ہیں کہ جمہور قراء اور محدثین کے ہاں قراءت سے پہلے تعوذ میں یہ الفاظ پڑھنا بہتر ہے:

ذهب الجمهور من القراء والمحدثين وغيرهم إلى كيفية التعوذ قبل القراءة هي أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ. ❸

۶......علامہ محمد امین بن عبد اللہ ہرری شافعی فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ، امام شافعی رحمہما اللہ اور جمہور اہل علم کے ہاں تعوذ میں "أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ" کے الفاظ پڑھنا اولیٰ اور پسندیدہ ہے، تا کہ قرآن کریم کی آیت کی موافقت ہو جائے:

فالمختار في لفظها عند الجمهور اعوذ باللّٰه من الشيطن الرجيم لموافقة قوله تعالى فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ وبه

---

❶ الدر المصون في علوم الكتاب المكنون: ج ۱ ص ۷

❷ روح المعاني: سورة النحل، آیت نمبر ۹۸ کے تحت، ج ۷ ص ۴۶۴

❸ حول تفسير سورة الفاتحة أم القرآن الكريم: ص ۱۲

قال أبو حنيفة و الشافعي. ❶

چھٹی بحث: تعوذ کے معنی کے بارے میں

أَعُوذُ: یہ عاذ یعوذ سے واحد متکلم کا صیغہ ہے، اس کا مصدر العوذ ہے جس کا معنی ''الالتجاء لدفع المضرة'' تکلیف دہ چیز کو ہٹانا، اس کا مقابل لوذ ہے اس کا معنی ''الالتجاء لجلب المنفعة'' ہے، فائدہ حاصل کرنے کی درخواست کرنا، چنانچہ متنبّی نے یہ دونوں الفاظ اپنے ایک شعر میں جمع کئے ہیں:

یا من الوذ به فیما أؤمله　　ومن أعوذ به ممن أحاذره

ترجمہ: میں اپنی امیدوں میں ممدوح سے درخواست کرتا ہوں اور ان تمام چیزوں سے پناہ چاہتا ہوں جو میرے لئے خطرات کا باعث ہوں۔

امید کے موقع پر اللوذ اور خوف کے موقع پر العوذ استعمال ہوتا ہے۔

۱......امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) تعوذ کا معنی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ لفظ ''استعاذہ'' کا معنی لغت عرب میں پناہ مانگنا اور کسی چیز کے سہارے سمٹ کر تکلیف سے محفوظ ہونا ہے:

معنى الاستعاذة في كلام العرب: الاستجارة و التحيز إلى الشيىء، على معنى الامتناع به من المكروه. ❷

۲...حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) تعوذ کا معنی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تعوذ کا معنی یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی مدد کے ذریعے پناہ لیتا ہوں کہ شیطان رجیم مجھے دین و دنیا میں کوئی ضرر نہ پہنچا سکے۔ جن احکام کی بجا آوری کا مجھے حکم کیا گیا ہے ایسا نہ ہو کہ مجھ

---

❶ حدائق الروح والريحان: ج ۱ ص ۱۳، الناشر: دار المنهاج

❷ تفسير القرطبي: القول في الاستعاذة، ج ۱ ص ۸۷

سے وہ بدافعال سرزد ہو جائیں:

ومعنى أعوذ بالله من الشيطان الرجيم، أي: أستجير بجناب الله من الشيطان الرجيم أن يضرني في ديني أو دنياي، أو يصدني عن فعل ما أمرت به، أو يحثني على فعل ما نهيت عنه. ❶

تعوذ دُعا کے معنی میں ہے

علامہ ابوالحسن ماوردی رحمہ اللہ (متوفی ۴۵۰ھ) فرماتے ہیں تعوذ دعاء کے معنی میں ہے اگرچہ خبر کے لفظ کے ساتھ ہے:

أنها في معنى الدعاء، وإن كانت بلفظ الخبر. ❷

فعلِ مضارع کا اصل معنی

علامہ فخرالدین رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ "أَعُوْذُ" فعلِ مضارع ہے یہ حال اور استقبال دونوں کی صلاحیت رکھتا ہے، کیا اس کا استعمال دونوں میں حقیقت ہے؟ حق بات یہ ہے کہ فعل مضارع کا حال کے معنی میں استعمال ہونا حقیقت ہے جب کہ مستقبل کے معنی میں استعمال ہونا مجاز ہے:

أعوذ فعل مضارع، وهو يصلح للحال والاستقبال، فهل هو حقيقة فيهما؟ والحق أنه حقيقة في الحال مجاز في الاستقبال. ❸

نوٹ: لفظ "اللہ" کے متعلق بحث تسمیہ کے ذیل میں آئے گی ان شاء اللہ

---

❶ تفسير ابن كثير: الكلام على تفسير الاستعاذة، ج ۱ ص ۲۹

❷ النكت والعيون: مقدمة، ج ۱ ص ۴۳

❸ التفسير الكبير: الباب السابع، ج ۱ ص ۹۵

ساتویں بحث: تعوذ کے وقت کے بارے میں

جمہور علماء کے ہاں تعوذ کو تلاوت سے پہلے پڑھا جائے گا۔

۱......علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے ہر مرتبہ قرآنِ کریم کی تلاوت شروع کرنے سے پہلے تعوذ پڑھنے کا حکم دیا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ جب آپ قرآن پڑھنے لگیں تو شیطان مردود (کے شر) سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لیا کیجئے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جب قرآن پڑھنے کا ارداہ کریں تو تعوذ پڑھ لیا کریں:

أمر اللّٰه تعالى بالاستعاذة عند أول كل قراء ة فقال تعالى: فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ أى إذا أردت أن تقرأ. ❶

۲......علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (متوفی ۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

جمہور امت کے نزدیک سلفاً وخلفاً، سنت اور اور آثارِ صحابہ سے یہ بات ثابت ہے کہ تعوذ قراءت سے پہلے پڑھا جائے گا:

أن السنة وآثار الصحابة إنما جاء ت بالاستعاذة قبل الشروع فى القراء ة وهو قول جمهور الأمة من السلف والخلف. ❷

۳......حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

جمہور علماء کے ہاں تعوذ کو تلاوت سے پہلے پڑھا جائے گا وساوس کو دفع کرنے کے لئے، تو ان علماء کے ہاں آیت کا معنی یہ ہے کہ جب تم قراءت کا ارادہ کرو تو تعوذ پڑھ لو:

---

❶ تفسير القرطبي: القول فى الاستعاذة، ج ۱ ص ۸۶

❷ إغاثة اللهفان من مصائد الشيطان: الباب الثانى عشر، ص ۹۲

والمشهور الذى عليه الجمهور أن الاستعاذة لدفع الوسواس فيها، إنما تكون قبل التلاوة، ومعنى الآية عندهم: فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ أي: إذا أردت القراءة.❶

۴......علامہ محمد بن مصلح الدین المعروف شیخ زادہ رحمہ اللہ (متوفی ۹۵۱ھ) فرماتے ہیں کہ اکثر صحابہ کرام اور تابعین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تعوذ کو قراءت سے پہلے پڑھا جائے گا:

ان الأكثر من علماء الصحابة والتابعين قد اتفقوا على أن الاستعاذة متقدمة على القراءة.❷

۵...... علامہ محمد طاہر ابن عاشور رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۳ھ) فرماتے ہیں کہ تعوذ پڑھنا شریعت میں قراءت کے شروع میں مشروع ہے:

فالاستعاذة مشروعة للشروع فى القراءة.❸

۶...علامہ محمد امین بن عبداللہ ہرری فرماتے ہیں کہ جمہور علماء کے نزدیک تعوذ قراءت سے پہلے پڑھا جائے گا چاہے نماز میں ہوں یا اس کے علاوہ ہو:

اما وقتها فهو قبل القراءة عند الجمهور سواء كان فى الصلاة أو خارجها.❹

۷......شیخ وھبۃ الزحیلی فرماتے ہیں کہ استعاذہ کا سبب شیطان کے وساوس کو دفع کرنا ہے یہ تقاضا کرتا ہے کہ اس کو قراءت سے پہلے پڑھا جائے:

---

❶تفسیر ابن کثیر: الكلام على تفسير الاستعاذة، ج ۱ ص ۲۶

❷حاشية محى الدين شيخ زاده على تفسير البيضاوى: ج۵ ص ۳۲۳

❸التحرير والتنوير: سورة النحل آیت نمبر ۹۸ کے تحت، ج۱۴ص۲۷۸

❹حدائق الروح والريحان: ج ۱ ص ۱۴

إن سبب الاستعاذة وهو دفع وسوسة الشيطان يقتضي تقديم الاستعاذة قبل القراء ة. ❶

آٹھویں بحث: تعوذ کا حکم

جمہور علماء کے ہاں تعوذ کا پڑھنا مستحب ہے۔

۱......علامہ ابن عطیہ اندلسی رحمہ اللہ (متوفی ۵۴۶ھ) فرماتے ہیں کہ علماء کا اجماع ہے اس بات پر کہ تعوذ کا پڑھنا مستحب ہے:

والاستعاذة ندب عند الجميع. ❷

۲......علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں آیت میں صیغہ امر جمہور علماء کے ہاں استحباب کے لئے ہے:

هذا الأمر على الندب فى قول الجمهور. ❸

۳......حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ جمہور علماء کے ہاں تعوذ کا پڑھنا مستحب ہے:

وجمهور العلماء على أن الاستعاذة مستحبة. ❹

۴......علامہ ابن جزری رحمہ اللہ (متوفی ۸۳۳ھ) فرماتے ہیں کہ جمہور علماء کے ہاں قراءت میں تعوذ کا پڑھنا مستحب ہے، ہر حال میں چاہے نماز میں ہو یا نماز کے علاوہ ہو:

ذهب الجمهور إلى أن الاستعاذة مستحبة فى القراء ة فى كل

---

❶ التفسير المنير: سورة النحل آیت نمبر ۹۸ کے تحت ج۱۴ ص۲۳۳

❷ المحرر الوجيز فى تفسير الكتاب العزيز: سورة النحل آیت نمبر ۹۸ کے تحت ج۳ ص۴۲۰

❸ تفسير القرطبي: القول فى الاستعاذة، ج ۱ ص ۸۶

❹ تفسير ابن كثير: الكلام على تفسير الاستعاذة، ج ۱ ص ۲۸

حال، فی الصلاۃ وخارج الصلاۃ. ❶

۵......قاضی ابوالسعود رحمہ اللہ (متوفی ۹۸۲ھ) فرماتے ہیں کہ جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ آیت میں صیغہ امر استحباب کے لئے ہے:

والأمر للندب وهذا من مذهب الجمهور. ❷

۶......علامہ محمد امین بن محمد شنقیطی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۳ھ) فرماتے ہیں کہ اکثر اہلِ علم کے ہاں آیت میں صیغہ امر استحباب کے لئے ہے:

وقال كثير من أهل العلم أن الأمر في الآية للندب والاستحباب. ❸

۷......علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۳ھ) فرماتے ہیں کہ آیت میں صیغہ امر جمہور کے نزدیک استحباب پر محمول ہے:

ومحمل الأمر في هذه الآية عند الجمهور على الندب. ❹

۸......علامہ وھبۃ الزحیلی فرماتے ہیں کہ علماء کا اجماع ہے اس بات پر کہ صیغہ امر استحباب کے لئے ہے:

والأمر بها أمر ندب بإجماع العلماء. ❺

افتتاحِ کلام میں تعوذ پڑھنے کا حکم

علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۵۲ھ) فرماتے ہیں:

---

❶النشر في القراءات العشر: باب اختلافهم في الاستعاذة، ج ۱ ص ۲۵۷

❷تفسير أبي السعود: سورة النحل آیت نمبر ۹۸ کے تحت، ج ۵ ص ۱۴۰

❸أضواء البيان في إيضاح القرآن بالقرآن: سورة النحل آیت نمبر ۹۸ کے تحت، ج ۲ ص ۴۴۳

❹التحرير والتنوير: سورة النحل آیت نمبر ۹۸ کے تحت، ج ۱۴ ص ۲۷۷

❺التفسير المنير: سورة النحل آیت نمبر ۹۸ کے تحت، ج ۱۴ ص ۲۳۳

فَإِنْ أَرَادَ بِهِ قِرَاءَ ةَ الْقُرْآنِ يَتعَوَّذُ قَبْلَهُ لِقَوْلِهِ تَعَالَى: فَإِذَا قَرَأْت الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ، وَإِنْ أَرَادَ افْتِتَاحَ الْكَلَامِ كَمَا يَقْرَأُ التِّلْمِيذُ عَلَى الْأُسْتَاذِ لَا يَتعَوَّذُ قَبْلَهُ لِأَنَّهُ لَا يُرِيدُ بِهِ قِرَاءَ ةَ الْقُرْآنِ. ❶

ترجمہ: اگر کوئی شخص قرآن کی تلاوت کرے تو اس سے قبل تعوذ پڑھے اس لئے کہ قرآن کریم میں بوقتِ قراءت تعوذ پڑھنے کا حکم ہے، لیکن اگر کوئی کلام کا افتتاح کرے جیسے شاگرد استاذ کے سامنے پڑھے تو اس سے پہلے تعوذ کو نہ پڑھے اس لئے کہ وہ قراءت کا ارادہ نہیں کر رہا ہے۔

علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۳ھ) فرماتے ہیں:

فالاستعاذة مشروعة للشروع فی القراء ة أو لإرادته وليست مشروعة عند كل تلفظ بألفاظ القرآن كالنطق بآية أو آيات من القرآن فی التعليم أو الموعظة أو شبههما. ❷

ترجمہ: شریعت نے استعاذہ کو مشروع قرار دیا ہے قراءت یا اس کے ارادے کے وقت۔ ہر مرتبہ قرآن کے الفاظ کے تلفظ کرتے وقت چاہے ایک آیت کی صورت میں یا چند آیات کی صورت میں، تعلیم یا وعظ یا ان کے مشابہ کسی اور غرض کے لئے ہو تو تعوذ کا پڑھنا مشروع نہیں ہے، تعوذ بوقتِ تلاوت مشروع ہے۔

نویں بحث: لفظ ''شیطان'' کی تحقیق

''**شطن يشطن شيطانا**'' میں لفظِ نون اصل کلمے میں سے ہوگا یا زائد ہوگا، اگر اصل ہو تو اس صورت میں شطن بمعنی **بعد** کے ہوگا، **لأن الشيطن بعيد من الملاء**

---

❶ منحة الخالق على البحر الرائق: كتاب الصلاة، آداب الصلاة، ج ۱ ص ۳۲۹

❷ التحرير والتنوير: سورة النحل آيت نمبر ۹۸ کے تحت، ج ۱۴ ص ۲۷۸

الأعلى، بعيد من رحمة الله، بعيد من محبة الإنسان.

لفظ ''شیطان'' کے مادے کے بارے میں دو قول ہیں:

ایک یہ لفظ ''شیطان'' شطن سے مشتق ہے اور دوسرا یہ ''شاط'' سے مشتق ہے۔

دونوں قول درج ذیل ہیں:

۱.....امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ (متوفی ۵۰۲ھ) فرماتے ہیں:

الشيطان النون فيه أصلية وهو من شطن: أي تباعد.

(المفردات في غريب القرآن: كتاب الشين، شطن، ص ۴۵۴)

لفظ شیطان میں نون اصلیہ ہے اور وہ ''شطن'' سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں وہ دور ہوا۔

لغت عرب میں کہا جاتا ہے ''غُرْبَةٌ شَطُونٌ'' (دور کی مسافری) امیہ بن ابی صلت، نابغہ ذبیانی اور سیبویہ نے یہ مادہ انہی معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اہلِ عرب کہتے ہیں ''تَشَطَّنَ فُلَانٌ'' (کہ فلان نے شیطانی فعل کیا) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: صحیح یہی ہے کہ شیطان ''بعد'' کا معنی رکھتا ہے اور اسی پر کلام عرب کی بھی دلالت ہے۔

۲.....امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ نے دوسرا قول بھی بیان کیا ہے:

قيل: بل النون فيه زائدة من شاط يشيط: احترق غضبا، فالشيطان مخلوق من النار كما دل عليه قوله تعالى: وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ. [1]

یہ بھی کہا گیا ہے کہ لفظ شیطان میں نون زائدہ ہے اور یہ شاط یشیط سے مشتق ہے۔ جس کا معنی ہے ''غصے میں جلنا'' ہے کیونکہ شیطان آگ کی مخلوق ہے۔ جیسا کہ اس پر یہ آیت دلالت کرتی ہے (اور جنات کو پیدا فرمایا آگ کے شعلے سے)۔

اس معنی کے لحاظ سے شیطان حسد، بغض اور عناد سے عبارت ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہوا

[1] المفردات في غريب القرآن: كتاب الشين، شطن، ص ۴۵۴

کہ پہلے مادۂ اشتقاق کی بناء پر شیطان رحمتِ حق اور نیکی سے دوری پر دلالت کرتا ہے اور دوسرے مادۂ اشتقاق کی بناء پر شیطان غصہ وحسد، بغض وعناد اور تکبر ونخوت کی آگ پر دلالت کرتا ہے۔

اگر لفظِ نون زائد ہو تو اس کی اصل ''شاط'' ہوگی اس صورت میں بمعنی ''احترق'' یعنی جلنا، **لأن الشيطن يحترق من الإنسان حسدا.**

ا...امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ ''شیطان'' مفرد ہے جس کی جمع تکسیر ''شیاطین'' ہے۔ اس میں نون اصلی ہے کیوں کہ یہ ''شطن'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی خیر سے دور ہونا ہے، کہا جاتا ہے: شَطَنَتْ دَارُهُ: أَي بَعُدَتْ (اس کا گھر دور ہے):

الشيطان واحد الشياطين، على التكسير والنون أصلية، لأنه من شطن إذا بعد عن الخير وشطنت داره أى بعدت. ❶

۲......علامہ سمین حلبی رحمہ اللہ (متوفی ۷۵۶ھ) فرماتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک لفظ شیطان ''شطن يشطن'' بمعنی ''بعد'' سے مشتق ہے اس لئے کہ شیطان اللہ کی رحمت سے دور ہے:

فقال جمهورهم: هو مشتق من شطن يشطن لأنه بعيد من رحمة اللّٰه. ❷

۳......حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ ''شیطان'' لغتِ عرب میں ''شطن'' سے مشتق ہے اس کے لفظی معنی دوری کے ہیں، چونکہ یہ مردود بھی انسانی طبیعت سے دور ہے، اور اپنے فسق کے سبب ہر بھلائی کے کام سے دور ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ یہ ''شاط'' سے مشتق ہے، اس لئے کہ یہ آگ سے پیدا شدہ ہے۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ معنی کے اعتبار سے دونوں معنی صحیح ہیں لیکن اول معنی اصح ہے:

---

❶تفسير القرطبي: القول فى الاستعاذة، ج ۱ ص ۹۵

❷الدر المصون فى علوم الكتاب المكنون: ج ۱ ص ۱۰

والشيطان فی لغة العرب مشتق من شَطَن إذا بعد، فهو بعيد بطبعه عن طبـاع البشر، وبعيد بفسقه عن كل خير، وقيل: مشتق من شاط لأنه مخلوق من نار، ومنهم من يقول: كلاهما صحيح فی المعنی، ولكن الأول أصح. ❶

۴......علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۳ھ) فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ لفظِ شیطان اسم جامد ہے:

وعندی أنه اسم جامد. ❷

ابلیس شیطان کیسے بنا

قرآن مجید کے بیانات سے ابلیس کے شیطان بننے کے تین اسباب معلوم ہوتے ہیں:

۱.....حکمِ الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کے بجائے اس نے اپنے عمل کی بنیاد ذاتی مشاہدے اور دلیل پر رکھی۔

۲.....اس نے حضرت آدم علیہ السلام کی بشریت کو تنقیصِ نبوت کی بنیاد بنایا اور اپنا موازنہ پیکرِ نبوت سے کرنے لگا۔

۳...اس نے عظمت وفضیلتِ نبوت سے حسد کیا اور حسد وتکبر کی بنا پر اس کا منکر ہوا۔

شیطانی شر کی تین صورتیں

شیطانی شر کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

۱.....وسوسہ اندازی ۲.....جادو ۳.....حسد

پہلی صورت دل میں کوئی خیال یا وسوسہ ڈال کر کسی غلط کام کے لئے اکسانا ہے، جھوٹی افواہیں بھی اس قبیل سے ہیں اسی سے افراد کے درمیان غلط فہمیاں، عداوتیں اور

---

❶ تفسیر ابن كثير: الكلام على تفسير الاستعاذة: ج ۱ ص ۳۰

❷ التحریر والتنویر: سورة البقرة آیت نمبر ۱۴ کے تحت، ج ۱ ص ۲۹۱

نفرتیں جنم لیتی ہیں۔اس کا ذکر قرآن میں یوں آتا ہے:

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ. (الأعراف: ٢٠)

پھر شیطان نے دونوں کے دل میں وسوسہ ڈالا۔

اسی طرح سورۂ ناس میں فرمایا گیا ہے:

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ. (الناس: ۴ تا ٦)

وسوسہ انداز (شیطان) کے شر سے جو (اللہ کے ذکر کے اثر سے) پیچھے ہٹ کر چھپ جانے والا ہے، جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے، خواہ وہ (وسوسہ انداز شیطان) جنات میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔

ہماری سوسائٹی میں اس کی عملی مثال کسی کے خلاف شر انگیز اور بے بنیاد پروپیگنڈہ کرنا ہے، جو کئی لوگ اپنے مذموم مقاصد کے لئے اکثر کرتے رہتے ہیں۔

دوسری صورت جادو کی شر کی ہے۔ یہ بھی شیاطین کا کام ہے۔اسے اسلام نے کفر سے تعبیر کیا ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ أَتَی سَاحِرًا أَوْ كَاهِنًا أَوْ عَرَّافًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُوْلُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. ❶

جو شخص کسی جادوگر یا قسمت کا حال بتانے والے کے پاس گیا اور اس نے اس بات کو سچ جانا جو کچھ اس نے کہا، پس اس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی ہدایت سے کفر کیا۔

اس لئے قرآن نے جادو کے شر سے بھی پناہ مانگنے کا حکم صادر فرمایا ہے:

---

❶السنن الكبرى للبيهقي: كتاب القسامة، باب تكفير الساحر وقتله، ج٨ ص ٢٣٣، رقم الحديث: ١٦٤٩٧

وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ. (الفلق: ۴)

اوراُن کے جانوں کے شر سے جو (گنڈے کی) گرہوں میں پھونک مارتی ہیں۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر تکلیف اور مصیبت کو جادو یا جنات کے اثرات کی طرف منسوب کردیا جائے، ایسا خیال جہالت کے باعث ذہنوں میں آتا ہے۔

تیسری صورت حسد کے شر کی ہے۔قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا:

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ. (الفلق:۵)

اور ہر حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے۔

حضرت آدم علیہ السلام کو بہکانے کے لئے ایک جملے میں چھ تاکیدات

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (متوفی ۷۵۱ھ) فرماتے ہیں کہ شیطان نے حضرت آدم وحواء علیہما السلام کو بہکانے کے لئے ایک جملے میں چھ (٦) تاکیدات استعمال کیں:

وَقَاسَمَهُمَا إِنِّيْ لَكُمَا مِنَ النَّاصِحِيْنَ. (الأعراف: ۲۱)

۱.....پہلی تاکید یہ ہے کہ قسم کھا کر کہنے لگا میں تمہارا خیرخواہ ہوں۔۲.....''إِنَّ'' حرف مشبہ بالفعل لایا۔۳.....''لَكُمَا'' میں معمول کو عامل پر مقدم کیا اختصاص کے لئے۔ یعنی میری نصیحت تم دونوں کے ساتھ خاص ہے اور تمہارا اس میں فائدہ ہے میرا اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔۴.....''اَلنَّاصِحِيْنَ'' صیغہ اسمِ فاعل کے ذریعے ثبوت اور دوام کی طرف اشارہ کیا، فعل ذکر نہیں کیا اس لئے کہ وہ تجدد پر دلالت کرتا ہے، اس میں استمرار اور دوام کا معنی نہیں ہوتا۔۵.....''لَكُمَا'' جو جوابِ قسم ہے اس پر لام تاکید داخل کیا۔٦..... ''اَلنَّاصِحِيْنَ'' لاکر اپنے آپ کو ناصح شمار کرتے ہوئے کہا کہ میں تمہارا خیرخواہ ہوں۔یعنی تمہارے بہت سے خیرخواہ ہیں اور ان میں سے ایک میں بھی ہوں:

فتضمن هذا الخبر أنواعا من التأكيد: أحدها: تأكيده بالقسم.

الثانی: تأكيده بإن. الثالث: تقديم المعمول على العامل إيذانا بالاختصاص أى نصيحتى مختصة بكما وفائدتها إليكما لا إلى. الرابع: إتيانه باسم الفاعل على الثبوت واللزوم دون الفعل الدال على التجدد. الخامس: إتيانه بلام التأكيد فى جواب القسم. السادس: أنه صور نفسه لهما ناصحا من جملة الناصحين فكأنه قال لهما: الناصحون لكما فى ذلک كثير وأنا واحد منهم.❶

ابلیس نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا آپ اللہ تعالیٰ سے میری سفارش کیجئے

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ (متوفی ۵۹۷ھ) فرماتے ہیں:

ابلیس نے ایک مرتبہ موسیٰ علیہ السلام سے کہا اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسالت کے لئے منتخب کیا اور آپ سے ہم کلام ہوئے، میں بھی خدا کی مخلوق میں شامل ہوں اور مجھ سے ایک گناہ سرزد ہوگیا اب میں توبہ کرنا چاہتا ہوں، آپ پروردگار عزوجل کے ہاں میری سفارش کیجئے کہ میری توبہ قبول کرے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کی، پس کہا گیا اے موسیٰ! ہم نے تمہاری دعا قبول کی لیکن اس سے کہو کہ آدم کی قبر کو سجدہ کرے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام شیطان سے ملے اور کہا مجھے یہ ارشاد ہوا کہ تم حضرت آدم علیہ السلام کی قبر کو سجدہ کرو تو تمہاری توبہ قبول ہوجائے گی، تو شیطان نے انکار کیا اور غصے میں آ کر کہنے لگا جب میں نے آدم کو ان کی زندگی میں سجدہ نہیں کیا تو اب مرنے کے بعد کیسے سجدہ کروں؟

ولقى إبليس موسى عليه السلام فقال يا موسى أنت الذى اصطفاک اللّٰه برسالته وكلمک تكليما وأنا من خلق اللّٰه تعالى أذنبت وأريد أن أتوب فاشفع لى إلى ربى عز وجل أن يتوب على فدعا موسى ربه فقيل يا موسى

❶إغاثة اللهفان من مصائد الشيطان: الباب الثالث عشر، ص ۱۱۴

قـد قضيت حاجتک فلقي موسی إبليس فقال له قد أمرت أن تسجد لقبر آدم ويتاب عليک فاستکبر وغضب وقال لم أسجد له حيا أأسجد له ميتا؟ ❶

دسویں بحث: لفظ رجیم کی تحقیق

لفظ ''رجیم'' رجام سے مشتق ہے، رجیم بروزن فعیل بمعنی مفعول کے ہے وہ جس کو پتھروں سے مارا جائے، یہ اظہارِ نفرت کے لئے ہوتا ہے اس لئے اس کا ترجمہ مردود سے کرتے ہیں۔

لفظ ''الرحیم'' جس کا مادہ رجم ہے، الرجام پتھر کو کہا جاتا ہے۔ بناء بریں ''**الرمي بـالرجام** ''(پتھروں سے مارنا) کے معنی میں مستعمل ہے۔ جس پر پتھراؤ کیا گیا ہوا سے ''مرجوم'' کہتے ہیں۔ قرآن میں مذکور ہے کہ قومِ نوح نے تبلیغِ حق کا انکار کرتے ہوئے کہا:

لَئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَهِ يٰنُوۡحُ لَتَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡمَرۡجُوۡمِيۡنَ. (الشعراء: ۱۱۶)

ترجمہ: وہ بولے اے نوح! اگر تم باز نہ آئے تو ضرور سنگسار کئے جاؤ گے۔

اسی طرح ارشاد باری تعالی ہے:

وَلَقَدۡ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡيَا بِمَصَابِيۡحَ وَجَعَلۡنٰهَا رُجُوۡمًا لِّلشَّيٰطِيۡنِ. (الملک: ۵)

ترجمہ: اور بے شک ہم نے آسمانِ دنیا کو چراغوں سے آراستہ کیا اور انہیں شیطانوں کے مارنے کا ذریعہ بنایا ہے۔

''الرجیم'' دراصل فعیل کے وزن پر اسم مفعول ہے جو ''مرجوم'' یعنی ''**مطرود عـن الـخير** ''(خیر اور نیکی سے بھگایا ہوا یا محروم کیا ہوا) کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔
''الــرجیم'' کے بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ اسمِ فاعل کے طور پر راجم کے معنوں میں استعمال ہوا ہے:

---

❶ تلبیس ابلیس: الباب الثالث، ص ۲۹

لأنه يرجم الناس بالوساوس.

کیونکہ یہ لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کرتا ہے۔

قرآن حکیم میں مذکور ہے:

الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ. (الناس:۵،۶)

جولوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے۔خواہ وہ (وسوسہ انداز شیطان) جنات میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔

لہذا ''الرجیم'' کے دونوں معنی ''خیراور نیکی سے دور بھگایا ہوا'' اور ''وسوسہ اندازی کرنے والا'' قرآن ہی سے ماخوذ ہیں۔

امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

''رجیم'' سے مراد وہ شخص ہے جسے ذلیل کر کے بھلائی سے دور ہٹا دیا جائے۔ ''رجیم'' کا اصل معنی پتھر مارنا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے:''رَجَمْتُهُ أَرْجُمُهُ'' میں نے اسے پتھر مارا، اور میں اسے پتھر مارتا ہوں ''فَهُوَ رَجِيْمٌ مَرْجُوْمٌ''

الرجيم أى المبعد من الخير المهان. وأصل الرجم الرمى بالحجارة، وقد رجمته أرجمه، فهو رجيم ومرجوم. ❶

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) نے دو قول نقل کئے ہیں پہلا قول یہ ہے کہ رجیم بروزن فعیل بمعنی مفعول کے ہے، دوسرا قول رجیم بمعنی راجم کے ہے، لیکن حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے پہلے قول کو راجح قرار دیا ہے۔آپ نے فرمایا کہ ''رجیم''فعیل کے وزن پر بمعنی مفعول کے ہے، یعنی وہ جس کو پتھروں سے مارا جائے اور جو تمام خیر کے کاموں سے دھتکارا ہوا ہے، جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے کہ ہم نے آسمانِ دنیا کو ستاروں سے زینت

❶ تفسیر القرطبی: القول فی الاستعاذة، ج ا ص ۹۰

دی اور ہر سرکش شیطان سے بچاؤ بنایا۔ اس آیت میں ''رجیم'' مفعول کے معنی میں ہی استعمال ہوا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ''رجیم'' بمعنیٰ ''راجم'' کے ہے اس لئے کہ شیطان لوگوں کو وسوسوں اور گمراہیوں سے رجم کرتا ہے۔ پہلا قول زیادہ مشہور اور اصح ہے:

الرّجیم: فعیل بمعنی مفعول، أی: إنه مرجوم مطرود عن الخیر کله، کما قال تعالی: وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِلشَّيَاطِينِ ...... وقیل: رجیم بمعنی راجم لأنه یرجم الناس بالوساوس والربائث، والأول أشهر واصح. ❶

''الشیطان الرجیم'' کے معنوی اطلاقات

یہ امر متفق علیہ ہے کہ استعاذہ یا تعوذ شیطان رجیم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے اور اس کے مل جانے کی امید کا نام ہے، اب یہ پہلو غور طلب ہے کہ ''الشیطان الرجیم'' کا معنوی اطلاق کس پر ہوتا ہے۔

پہلا اطلاق: ابلیس (فردِ خاص)

''الشیطان الرجیم'' کا پہلا اور معروف اطلاق ایک مخصوص فرد پر ہوتا ہے۔ جس کا تعلق گروہ جنات سے ہے اور اس کا نام ابلیس ہے، اسی کو عرفِ عام میں شیطان کہتے ہیں۔ اس کا ذکر قرآن کریم میں متعدد بار آیا ہے، غالباً سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ سورۂ اعراف میں ہے۔ ابلیس کے شیطان قرار پانے کی وجہ قرآن خود بیان کرتا ہے:

ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ لَمْ يَكُنْ مِنَ

---

❶ تفسیر ابن کثیر: الکلام علی تفسیر الاستعاذة، ج ۱ ص ۳۱

السَّاجِدِينَ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسُجُدَ إِذُ اَمَرُتُكَ قَالَ اَنَا خَيُرٌ مِنُهُ خَلَقُتَنِى مِنُ نَارٍ وَخَلَقُتَهُ مِنُ طِينٍ قَالَ فَاهُبِطُ مِنُهَا فَمَا يَكُونُ لَكَ اَنُ تَتَكَبَّرَ فِيهَا فَاخُرُجُ إِنَّكَ مِنَ الصَّاغِرِينَ. (الأعراف: ۱۱، ۱۲، ۱۳)

ترجمہ: پھر ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ وہ سجدہ کرنے والوں میں سے نہ ہوا۔ ارشاد ہوا (اے ابلیس!) تجھے کس بات نے روکا تھا کہ تو نے سجدہ نہ کیا، جبکہ میں نے تجھے حکم دیا تھا۔ اس نے کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو تو نے مٹی سے بنایا ہے، ارشاد ہوا پس تو یہاں سے اتر جا تجھے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ یہاں تکبر کرے، پس میری بارگاہ سے نکل جا، بے شک تو ذلیل وخوار لوگوں میں سے ہے۔

اس سے آگے پھر ارشاد ہوتا ہے :

قَالَ اخُرُجُ مِنُهَا مَذُءُومًا مَدُحُورًا. (الأعراف: ۱۸)

ترجمہ: (اے ابلیس!) تو ذلیل ومردود ہو کر نکل جا۔

سورۂ حجر میں اسی واقعے پر مزید روشنی ڈالی گئی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے تخلیقِ آدم علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

فَإِذَا سَوَّيُتُهُ وَنَفَخُتُ فِيهِ مِنُ رُوحِى فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِين فَسَجَدَ الُمَلائِكَةُ كُلُّهُمُ اَجُمَعُون إِلَّا إِبُلِيسَ اَبَى اَنُ يَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ قَالَ يَا إِبُلِيسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ قَالَ لَمُ اَكُنُ لِاَسُجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقُتَهُ مِنُ صَلُصَالٍ مِنُ حَمَإٍ مَسُنُونٍ قَالَ فَاخُرُجُ مِنُهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ وَإِنَّ عَلَيُكَ اللَّعُنَةَ إِلَى يَوُمِ الدِّينِ. (الحجر: ۲۹ تا ۳۶)

ترجمہ: لہٰذا جب میں اس کو پوری طرح بنالوں، اور اس میں اپنی روح پھونک دوں

توتم سب اُس کے آگے سجدے میں گر جانا۔پس سارے کے سارے فرشتوں نے سجدہ کیا۔ سوائے ابلیس کے اس نے سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہونے سے انکار کردیا۔(اللہ نے) ارشادفرمایا:اے ابلیس! تجھے کیا ہوگیا ہے کہ تو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ نہ ہوا۔(ابلیس نے) کہا میں ہرگز ایسا نہیں (ہوسکتا) کہ بشر کوسجدہ کروں جسے تو نے سڑے ہوئے گارے کی کھنکناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ہے۔(اللہ رب العزت نے) فرمایا: تو یہاں سے نکل جا پس بے شک تو مردود(راندہ درگاہ) ہے۔اور بے شک تجھ پر روز جزا تک لعنت (پڑتی) رہے گی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خلعتِ خلافت ونبوت سے سرفراز کر کے ان کی فضیلت وعظمت کا سرِ عام اعتراف کرنے کے لئے سجدۂ تعظیمی کا حکم صادر فرمایا، جسے تمام ملائکہ نے بلا تامل تسلیم کرلیا۔لیکن ابلیس عظمتِ آدم کے سامنے سربسجود ہونے کے لئے تیار نہ ہوا۔ بلکہ اس نے اپنے انکار کا یہ جواز پیش کیا کہ میں آدم سے افضل ہوں۔سورۂ اعراف اورسورۂ حجر کے دونوں مقامات پر بہ صراحت سے مذکور ہے، کہا ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام سے اپنا موازنہ کرتے ہوئے ان کی فضیلت سے انکار کردیا جس پر وہ غضب الٰہی کا مستحق قرار پایا۔اس کا استدلال یہ تھا کہ ایک بشر جس کی تشکیل مٹی کے گارے سے ہوئی ہے مجھ سے کیسے افضل ہوسکتا ہے۔ بارگاہ الوہیت میں یہی دلیل اس کے ملعون ہونے کا باعث بنی۔حالانکہ بشریتِ آدم اوراس کی تشکیل کا ذکر کم وبیش اسی انداز میں اللہ تعالیٰ نے پہلے خود ہی فرما دیا تھا:

وَ إِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلَائِکَةِ إِنِّی خَالِقٌ بَشَرًا مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُون. (الحجر: ۲۸)

ترجمہ: اور یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں گارے کی کھنکناتی ہوئی مٹی سے ایک بشر کو پیدا کرنے والا ہوں۔

لیکن اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی کی تخلیق کا ذکر اس انداز میں کرنا محض اظہار مقصود کے لئے تھا۔ اس میں تنقیص نہ تھی جب کہ ابلیس بشریت آدم کا ذکر صرف انکار فضیلت آدم کی دلیل کے طور پر کر رہا تھا، اس کا مقصد بجائے اعتراف عظمت کے حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ اپنا موازنہ تھا۔ یہ پہلو تنقیصِ نبوت کی طرف راجع تھا، اور اس کی یہی سوچ حکم الٰہی سے انحراف کی بنیاد بنی۔ جس پر اسے ابد الآباد تک کے لئے رحمت الٰہیہ سے دور، قربِ ایزدی سے محروم اور بارگاہ ربوبیت سے ملعون کر دیا گیا، اور قرآنی ارشاد کے مطابق وہ شیطان رجیم کا مصداقِ اتم قرار پا کر ہمیشہ کے لئے لعنت کا مستحق قرار پایا۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے ''الشیطان'' اور ''الرجیم'' کے القاب سے یاد کیا۔ کیونکہ لفظ شیطان اپنے ایک معنی کے اعتبار سے دوری پر دلالت کرتا ہے، اس لئے ابلیس کو اس نام سے موسوم کیا گیا کہ وہ تنقیصِ نبوت اور حکم الٰہی سے تمرد و انحراف کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی بارگاہِ عافیت سے دور کر دیا گیا ہے۔ اور یہ لفظ اپنے دوسرے معنی کے اعتبار سے حسد و عداوت کی آگ میں جلنے پر بھی دلالت کرتا ہے۔ اس لئے شیطان کہا گیا ہے کیونکہ وہ عظمت و فضیلتِ آدم اور منصبِ نبوت کی رفعت و سطوت دیکھ کر حسد و عداوت کی آگ میں جل اٹھا۔ یہاں تک کہ باری تعالیٰ کے حکم سے بھی کھلی بغاوت پر تل گیا، چنانچہ یہ دونوں الفاظ ابلیس کے لئے قرآن حکیم میں متفرق طور پر بھی اور اکھٹے بھی استعمال ہوئے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَجِيمٍ. (التکویر: ۲۵)

ترجمہ: اور نہ یہ (قرآن) کسی مردود شیطان کی (بنائی ہوئی) کوئی بات ہے۔

دوسرا اطلاق

دوسرا اطلاق نوعِ انسانی اور جنات کے ان تمام افراد پر ہوتا ہے جو اپنے فکر و عمل کے اعتبار سے شیطنت کے مظاہر ہیں۔ شیطنت اپنے وسیع مفہوم کے لحاظ سے حسد و

عداوت، بغض وعناد، فتنہ وشر اور وسوسہ اندازی کی تمام صورتوں کو محیط ہے۔ اس لئے وہ تمام افراد جو ایسے خصائل ذمیمہ سے متصف ہو کر مخلوق خدا کو مصائب وآلام، فتنہ وشر اور وسوسہ وتفرقہ کی آگ میں جھونکتے پھرتے ہوں، ان کے شر سے پناہ مانگی جائے۔ قرآنِ حکیم جنات اور انسانوں دونوں طبقات میں سے ایسے افراد کو شیطان کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا. (الأنعام:۱۱۲)

ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے نبی کے لئے انسانوں اور جنوں میں سے شیطانوں کو دشمن بنا دیا جو ایک دوسرے کے دل میں ملمع کی ہوئی (چکنی چپڑی) باتیں (وسوسہ کے طور پر) دھوکہ دینے کے لئے ڈالتے رہتے ہیں۔

اسی طرح قرآن کفر وطاغوت کے ان علمبرداروں کو بھی شیطان کہتا ہے جو ہمہ وقت اہلِ ایمان کے اغواء واضلال میں مصروف رہتے ہیں:

وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ. (البقرة:۱۴)

ترجمہ: اور جب (وہ منافق) اہل ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم (بھی) ایمان لے آئے ہیں، اور جب اپنے شیطانوں سے تنہائی میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم یقیناً تمہارے ساتھ ہیں، ہم (مسلمانوں کا تو) محض مذاق اڑاتے ہیں۔

دوسرے اطلاق کے اعتبار سے شیطان متعدد افراد کا لقب ہے۔ جو ہر وقت انسانوں کو حق وصواب اور امن وآشتی سے محروم کرنے پر تلے رہتے ہیں۔ قرآنِ حکیم ان کے اس منصوبے کا ذکر اس طرح کرتا ہے:

وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ. (الأنعام:۱۲۱)

ترجمہ: اور بے شک شیاطین اپنے دوستوں کے دلوں میں (وسوسے) ڈالتے رہتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں۔

ارکانِ استعاذہ

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ تعوذ کے پانچ ارکان ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱.....الاستعاذہ: اس سے مراد وہ الفاظ ہیں جن کے ذریعے بارگاہ ربوبیت میں تعوذ کیا جاتا ہے۔

۲.....المستعیذ: اس سے مراد وہ شخص ہے جو استعاذہ کرتا ہے یعنی بارگاہ ربوبیت میں پناہ کا طلب گار ہوتا ہے وہ اعوذ کا فاعل ہے۔

۳.....المستعاذ بہ: اس سے مراد اللہ تعالیٰ ہے، جس کی پناہ طلب کی جاتی ہے، ان کلمات میں لفظ اللہ اعوذ کا مفعول بہ ہے۔

۴.....المستعاذ منہ: اس سے مراد شیطان رجیم ہے جس سے پناہ طلب کی جاتی ہے۔

۵.....اجل الاستعاذہ: اس سے مراد استعاذہ کی حکمت اور غرض وغایت ہے، جس کی خاطر خدا کی پناہ طلب کی جاتی ہے۔ یعنی شیطان کا وہ خاص شر جس سے محفوظ و مامون ہونے کے لئے تعوذ پڑھا جاتا ہے۔ (1)

---

(1) التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الثاني في المباحث العقلية، ج ۱ ص ۷۰

گیارہویں بحث: تعوذ میں کل چار چیزیں ہیں

۱......مستعیذ ۲......مستعاذ بہ ۳......مستعاذ منہ ۴......مستعاذ لہ

"اعوذ" میں مستعیذ کا بیان ہے، "باللّٰہ" میں مستعاذ بہ کا بیان ہے۔ "الشیطان" میں مستعاذ منہ کا بیان ہے۔

مستعاذ لہ کے ذکر نہ کرنے کی کیا وجہ ہے؟

مستعاذ لہ کے ذکر نہ کرنے کی وجہ شیطان کی عداوت میں مبالغہ کا اظہار مقصود ہے، نیز شیطان کی دشمنی اولادِ آدم کے ساتھ عداوت کاملہ ہے جبکہ باقی اعداء کی عداوت عداوتِ ناقصہ ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ استعاذہ کے فوائد میں سے ہے کہ لغو اور بیہودہ باتوں سے جو منہ میں ناپاکی پیدا ہو جاتی ہے استعاذہ کے ذریعے وہ دور ہو جاتی ہے، اور منہ کلام اللہ کی تلاوت کے قابل ہو جاتا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنی ہے اور اس کی عظیم الشان قدرت کا اعتراف کرنا ہے:

ومن لطائف الاستعاذة أنها طهارة للفم مما كان يتعاطاه من اللغو والرفث، وتطييب له وتهيؤ لتلاوة كلام اللّٰه وهي استعانة باللّٰه واعتراف له بالقدرة. ❶

شیطان کے علاوہ باقی دشمنوں میں مضرت کے ساتھ منفعت کا بھی پہلو ہے جبکہ شیطان مجسمہ مضرت ہے، اس لئے قرآن میں "عدو" کے ساتھ لفظ "مبین" بھی آیا ہے، شیطان کے علاوہ انسان کا کوئی ایسا دشمن نہیں جس میں کوئی منفعت کا پہلو نہ ہو، تو مستعاذ منہ اور مستعاذ لہ ایک ہی ذات کو قرار دیا تاکہ معلوم ہو کہ شیطان سراپا دشمن ہے۔ نیز شیطان سے پناہ کا مطلب ذات سے پناہ نہیں ہے بلکہ اس کی ایذاء سے بچنا ہے، لہٰذا شیطان ہی

---

❶ تفسیر ابن کثیر: الكلام على تفسير الاستعاذة، ج ۱ ص ۲۹

مستعاذ اور مستعاذ منہ دونوں ہے۔

بارہویں بحث: وہ نو آیات جن میں انبیاء واولیاء نے شیطان کے شر سے پناہ مانگی ہے

علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ ھ) نے وہ آیاتِ کریمہ نقل کیں ہیں جن میں حضرات انبیاء واولیاء نے شیطان مردود سے پناہ مانگی ہے۔ پھر اس کے بعد دس (۱۰) احادیث مبارکہ نقل کیں ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو وہ دعائیں سکھلائی ہیں جن کے پڑھنے سے انسان شیطان کے مکروفریب سے بچ سکتا ہے۔

۱.....حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا:

قَالَ رَبِّ اِنِّیٓ اَعُوۡذُبِکَ اَنۡ اَسۡئَلَکَ مَا لَیۡسَ لِیۡ بِہٖ عِلۡم". (ھود: ۴۷)

ترجمہ: نوح نے کہا: میرے پروردگار میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ آئندہ آپ سے وہ چیز مانگوں جس کا مجھے علم نہیں۔

۲.....حضرت یوسف علیہ السلام کو جب زلیخا ورغلانے لگی تو آپ نے فرمایا:

قَالَ مَعَاذَ اللّٰہِ اِنَّہٗ رَبِّیۡٓ اَحۡسَنَ مَثۡوَایَ. (یوسف: ۲۳)

ترجمہ: یوسف نے کہا: اللہ کی پناہ! وہ میرا آقا ہے اس نے مجھے اچھی طرح رکھا ہے۔

۳.....نیز آپ نے فرمایا:

قَالَ مَعَاذَ اللّٰہِ اَنۡ نَّاۡخُذَ اِلَّا مَنۡ وَّجَدۡنَا مَتَاعَنَا عِنۡدَہٗۤ اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوۡنَ.

(یوسف: ۷۹)

ترجمہ: یوسف نے کہا: اس (ناانصافی) میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ جس شخص کے پاس سے ہماری چیز ملی ہے اس کو چھوڑ کر کسی اور کو پکڑ لیں۔

۴.....حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب قوم کو گائے ذبح کرنے کا حکم دیا تو قوم نے کہا:

قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ. (البقرة: ٦٧)

ترجمہ: وہ کہنے لگے کیا آپ ہمارا مذاق بناتے ہیں؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: میں اس بات سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں (ایسے) نادانوں میں شامل ہوں۔

۵.....نیز آپ نے فرمایا:

وَاِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ. (الدخان: ۲۰)

ترجمہ: اور میں اس بات سے اپنے پروردگار اور تمہارے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں کہ تم مجھے سنگسار کرو۔

۶.....حضرت مریم کی والدہ نے فرمایا:

وَاِنِّیْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. (آل عمران: ۳٦)

ترجمہ: اور میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے حفاظت کے لئے آپ کی پناہ میں دیتی ہوں۔

۷.....حضرت مریم نے جبرئیل علیہ السلام کو جب انسانی صورت میں تنہائی میں دیکھا تو فرمایا:

قَالَتْ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا. (مریم: ۱۸)

ترجمہ: مریم نے کہا: میں تم سے خدائے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں۔ اگر تم میں خدا کا خوف ہے (تو یہاں سے ہٹ جاؤ)۔

۸.....جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَقُلْ رَّبِّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ

یَّحْضُرُوْنِ. (المؤمنون: ۹۷، ۹۸)

ترجمہ: اور دعا کرو کہ میرے پروردگار! میں شیطان کے لگائے ہوئے چرکوں سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔ اور اے میرے پروردگار! میں ان کے اپنے قریب آنے سے بھی آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔

۹.....اسی طرح سورۂ اعراف میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا:

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ وَاِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغ'' فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ سَمِیْع'' عَلِیْم''. (۱۹۹، ۲۰۰)

ترجمہ: (اے پیغمبر!) درگذر کا رویہ اپناؤ، اور (لوگوں کو) نیکی کا حکم دو، اور جاہلوں کی طرف دھیان نہ دو۔ اور اگر کبھی شیطان کی طرف سے تمہیں کوئی کچوکا لگ جائے تو اللہ کی پناہ مانگ لو۔ یقیناً وہ ہر بات سننے والا، ہر چیز جاننے والا ہے۔ [1]

تیرہویں بحث: بوقتِ قراءت تعوذ پڑھنے کی حکمت

۱.....علامہ ابن جزری رحمہ اللہ (متوفی ۸۳۳ھ) فرماتے ہیں کہ بے ہودہ اور فحش گفتگو کے صدور سے منہ میں جو ناپاکی پیدا ہو جاتی ہے وہ تعوذ پڑھنے کی وجہ سے دور ہو جاتی ہے اور منہ پاک صاف ہو جاتا ہے، اور اب وہ کلام اللہ کی تلاوت کرنے کے قابل ہو جاتا ہے، وہ وساوس جو شیطان کی وجہ سے انسان پر طاری ہوتے ہیں اس سے حفاظت ہو جاتی ہے، تعوذ پڑھنے سے اللہ رب العزت کی عظیم الشان قدرت کا اعتراف ہوتا ہے اور اس کھلے دشمن کے مقابلے میں اپنی کمزوری و عاجزی کا اعتراف کرنا ہے، شیطان کی مدافعت و رکاوٹ پر سوائے خالقِ باری تعالیٰ کے اور کوئی طاقت نہیں رکھتا، پس شیطان طبعاً شریر ہے، نہ رشوت کو قبول کرتا ہے نہ حسن وسلوک و بھلائی سے اس کی دشمنی دفع ہو سکتی ہے، نہ خوش خلقی و خندہ پیشانی اس پر اثر انداز

[1] التفسیر الکبیر: الباب الثانی، ج ۱ ص ۷۰

ہوتی ہے بلکہ اس کے شرور اور برائی سے بچانے والی ذات صرف اللہ تبارک وتعالی کی ذات ہے اس لئے تعوذ کو پڑھا جاتا ہے تاکہ اس کے وساوس وخطرات سے حفاظت ہوجائے:

ثم أن المعنى الذى شرعت الاستعاذة له يقتضى أن تكون قبل القراء ة لأنها طهارة الفم مما كان يتعاطاه من اللغو والرفث وتطييب له. وتهيؤ لتلاوة كلام الله تعالى فهى التجاء إلى الله تعالىٰ واعتصام بجنابه من خلل يطرأ عليه أو خطأ يحصل منه فى القراء ة وغيرها وإقرار له بالقدرة. واعتراف للعبد بالضعف والعجز عن هذا العدو الباطن الذى لا يقدر على دفعه ومنعه إلا الله الذى خلقه، فهو لا يقبل مصانعة ولا يدارى بإحسان ولا يقبل رشوة ولا يؤثر فيه جميل بخلاف العدو الظاهر من جنس الإنسان. ❶

۲.....امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ بے شک بندے کی زبان جھوٹ، غیبت، چغل خوری کی وجہ سے نجس ہوجاتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے تعوذ کا حکم دیا تاکہ بندے کی زبان پاک ہوجائے، تاکہ وہ لسانِ طاہر کے ذریعے اس کلام باری تعالی کو پڑھے جو پاکیزہ ذات نے اتارا ہے:

الحكمة فيه أن العبد قد ينجس لسانه بالكذب والغيبة والنميمة فأمر الله تعالى العبد بالتعوذ ليصير لسانه طاهرا فيقرأ بلسان طاهر كلاما أنزل من رب طيب طاهر. ❷

۳.....علامہ محمد امین بن عبداللہ ہرری فرماتے ہیں کہ جو شخص تلاوت کا ارادہ کرتا ہے وہ درحقیقت ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ مناجات کرتا ہے، پس اب ضروری ہے کہ زبان کو پاک کیا جائے اس لئے کہ فضول کلام، بہتان، گالم گلوچ کی وجہ سے وہ نجس ہوگئی ہے تو اب

---

❶ النشر فى القراء ات العشر: باب اختلافهم فى الاستعاذة، ج ۱ ص ۵۶

❷ التفسير الكبير: الباب السابع، ج ۱ ص ۹۵

اس کی پاکی کے لئے تعوذ پڑھنے کا حکم دیا ہے:

من أراد قراءة القرآن إنما يريد الدخول فی المناجاة مع الحبيب فيحتاج إلى طهارة اللسان لأنه قد تنجس بفضول الكلام والبهتان فيطهره بالتعوذ. ❶

چودہویں بحث: تعوذ کے متعلق چند اہم سوالات وجوابات

سوال: ''أَعُوْذُ'' میں صیغہ واحد متکلم کیوں استعمال کیا جبکہ عموماً دعا کے موقع پر جمع کے صیغے استعمال ہوتے ہیں؟

جواب: شیطان کے مقابلے میں جماعت فرد کی طرح ہے، کیونکہ شیطان غیر مرئی ہے اس کے مقابلے میں جماعت فرد کی حیثیت رکھتی ہے، شیطان کے مقابلے میں ہر فرد کو اپنے اپنے بچاؤ کا حکم دیا گیا ہے، جب شیطان دکھائی نہیں دیتا ہے تو اس کے ساتھ مقابلہ جماعت کی صورت میں کیا جائے:

إِنَّهُ يَرَاكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ. (الأعراف:٢٧)

لہٰذا ہر شخص کو شیطان سے بچاؤ کے لئے انفرادی طور پر تعوذ کا حکم دیا گیا اور اس میں کوئی مستثنیٰ نہیں، چاہے انبیاء ہوں یا اولیاء یا صالحین، سب اس میں شامل ہیں کہ شیطان سے اپنا بچاؤ کریں۔

سوال: جب شیطان عدو مبین ہے تو دفاعی تدبیر کے لئے کیا صرف تعوذ کافی ہے؟

جواب: تعوذ شیطانی اضرار سے بچاؤ کے لئے مؤثر بالخاصہ ہے۔ اس جملے میں اللہ رب العزت نے یہ تاثیر رکھی ہے کہ شیطانی حملوں سے نجات مل جاتی ہے، اس کی معقول توجیہ یہ ہے کہ مستعیذ بندہ ہے، مستعاذ بہ اللہ ہے، مستعاذ منہ شیطان ہے، شیطان جانتا ہے

---

❶ حدائق الروح والريحان: ج ١ ص ٨١

کہ اللہ تعالیٰ کی ذات قوی ہے، وہ عالم الغیب ہے، وہ علیم ہے، شیطان کے تمام مکر وفریب کو جانتا ہے، وہ بصیر ہے بندہ کی حالت سے واقف ہے، وہ سمیع ہے بندہ کی پکار بھی اس نے سن لی، اور وہ قادر مطلق ہے بندہ کی مدد کرنے پر قادر ہے، اور خود ذات باری تعالیٰ نے تعوذ پڑھنے کی تدبیر بھی سکھلائی ہے، لہٰذا وہ اپنے بندے کی مدد بھی کرے گا۔

مثال: جیسے ایک آٹھ سالہ بچہ چار سالہ بچے کو مارتا ہے تو چار سالہ بچہ جب اپنے والدین کو پکارتا ہے تو وہ مارنے والا بھاگ جاتا ہے کیوں کہ وہ جانتا ہے میں اگرچہ چار سالہ بچے سے قوی تھا لیکن اس کے والدین مجھ سے کہیں زیادہ مجھ پر قوی ہیں، اور وہ اپنے بچے کی مدد بھی کریں گے اور ان کے دل میں اپنے بچے کی محبت بھی ہے، تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہر چیز سے زیادہ قوی ہے اور ذاتِ باری تعالیٰ والدین سے کہیں زیادہ اپنے بندوں سے محبت کرنے والے ہیں۔

سوال: تعوذ میں دنیا کی تمام مضرتوں اور نقصان دہ اشیاء میں صرف شیطان کا انتخاب کیوں؟

جواب: مضرت کے چار درجات ہیں:

مضرت ثوبی: کپڑے کو نقصان پہنچ جائے۔ جیسے پھٹ جائے، جل جائے۔

مضرت جسمی: بدن انسانی زخمی ہو جائے یا اس کو چوٹ لگ جائے۔

مضرت روحی: یعنی روح کو نقصان پہنچے اور وہ جسم سے الگ ہو جائے۔

مضرت روح الروحی: یعنی وہ جس سے ایمان متاثر ہو۔

تمام مضرتوں میں بڑھ کر مضرت ایمانی ہے اور اس کا دشمن شیطان ہے، دنیا میں رہنے والے اعداء مال کے دشمن ہیں جبکہ شیطان ایمان کا دشمن ہے۔ نیز شیطان کی عداوت اس کا وصفِ ذاتی ہے اور وصف ذاتی ناقابل تغیر ہوتا ہے، شیطان سے انسانی عداوت کا

انفکاک اس طرح مشکل ہے جیسے حرارت کا انفکاک آگ سے مشکل ہے، اس لئے قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا. (فاطر: ٦)

سوال: شیطان اور دیگر اعداء میں کیا فرق ہے؟

جواب: شیطان ایسا دشمن ہے جو رشوت کو قبول نہیں کرتا اور اس سے بچاؤ کے لئے صرف انسانی مدد کافی نہیں۔ شیطان غیر مرئی دشمن ہے جس سے مقابلہ کرنا مشکل ہے، نہ وہ چاپلوسی کو قبول کرتا ہے، اور نہ اس کی مدح کرنا اس کی ایذاء رسانی سے بچا سکتی ہے، نہ خوش خلقی کو وہ قبول کرتا ہے، نہ بد اخلاقی اس پر اثر انداز ہوتی ہے، اور شیطان انسان کی سب سے قیمتی متاع ایمان کا دشمن ہے جس کا فائدہ اخروی اور دائمی ہے جبکہ دیگر اعداء صرف مال ومتاع کے دشمن ہیں جن کا نقصان صرف دنیا تک محدود ہے، بقیہ اعداء سے بچاؤ کے لئے عقلی تدابیر کافی ہیں جبکہ شیطان سے بچاؤ کے لئے وحی الٰہی اور علومِ نبوت کی روشنی ضروری ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ شیطان جن سے استعاذہ کا حکم ہے اس لئے کہ یہ نہ رشوت کو قبول کرتا ہے اور نہ اچھی تعریف اس پر اثر انداز ہوتی ہے کیونکہ یہ اصل طبع کے اعتبار سے شریر ہے، شیطان کے شر سے کوئی نہیں بچ سکتا مگر اس ذات باری تعالیٰ کی قدرت سے جس نے اس کو پیدا کیا ہے:

وأمر بالاستعاذة به من شيطان الجن لأنه لا يقبل رشوة ولا يؤثر فيه جميل لأنه شرير بالطبع ولا يكفه عنك إلا الذى خلقه. ❶

امام غزالی رحمہ اللہ (متوفی ۵۰۵ھ) فرماتے ہیں کہ شیطان ایسا دشمن ہے جو نہ خوشامد کو قبول کرتا ہے اور نہ رشوت کو:

---

❶ تفسیر ابن كثير: الكلام على تفسير الاستعاذة، ج ۱

هو عدو لايقبل التملق ولا الرشوة.

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (متوفی ۷۵۱ھ) فرماتے ہیں کہ انسانی اضلال کے لئے شیطان کے پاس دو تدابیر ہیں۔

۱......شبہات ۲......شہوات

ایمان میں شبہات کوڈالتا ہے جبکہ اعمال میں شہوات کوداخل کرتا ہے۔

چار قسم کی مخلوقات اعمال کے مکلّف ہیں

علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ چار قسم کی مخلوقات مکلّف ہیں۔۱.....انسان ۲.....جنات ۳.....ملائکہ ۴.....شیاطین۔

اعلم أن طوائف المكلفين أربعة: الملائكة والإنس والجن والشياطين. ❶

پندرہویں بحث: تعوذ سے مستنبط دس اہم لطائف

علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ ''أَعُوْذُ'' میں اشارہ ہے انسان کے محتاج ہونے کی طرف، اگر انسان محتاج نہ ہوتا تو تعوذ پڑھنے کا کیا فائدہ؟ نیز اس میں اپنے نفس کے بارے میں فقر اور احتیاج کی طرف اشارہ ہے۔ ''باللّٰه'' میں اشارہ ہے کہ اللہ کی ذات مستغنی ہے، انسان اللہ کا محتاج ہے۔ تعوذ میں اپنے نفس کے عجز کا اور قدرت باری تعالیٰ کا اعتراف ہے اور یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ کے قرب کا کوئی اور وسیلہ نہیں سوائے اس کے کہ اپنے نفس کے بارے میں عجز وانکساری اور ذات باری تعالیٰ کی قدرت کا اعتراف کیا جائے۔ اقدام علی الطاعات کے لئے ضروری ہے کہ شیطان سے فرار حاصل کیا جائے اور یہ تعوذ سے حاصل ہوگا۔ زبان پر جب غیر اللہ کے تذکرے ہوں تو اس میں ایک قسم کی گندگی آجاتی ہے اب اس کی پاکی کے لئے ضروری ہے کہ تعوذ

---

❶ التفسير الكبير: الباب الثاني، ج ۱ ص ۸۵

پڑھا جائے تا کہ طہارت حاصل ہو۔انسان کے دو دشمن ہیں ایک ظاہری اور دوسرا باطنی،اور دونوں دشمنوں کے ساتھ مقابلے کا شریعت نے حکم دیا ہے۔"أَعُوْذُ بِاللّٰهِ" میں لفظ "اللّٰه" کو ذکر کیا اس لئے کہ گناہوں سے روکنے میں لفظ "اللّٰـــه" سب سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ ذات باری تعالیٰ کا تصور کرتے ہی انسان گناہوں سے رک جاتا ہے۔شیطان نام ہے رجیم اس کی صفت ہے،صرف نام پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ اس کی صفت کو بھی ذکر کیا۔لفظ شیطان پر جو الف لام ہے وہ الف لام جنس کا ہے،تعوذ میں گویا اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ شیطان مردود سے دور رہو تا کہ تجھے رحمٰن ورحیم کا قرب حاصل ہو:

(أعوذ) إشارة إلى الحاجة التامة، فإنه لولا الاحتياج لما كان في الاستعاذة فائدة، (بالله) إشارة إلى الغنى التام للحق سبحانه وتعالى. (أعوذ بالله) اعتراف بعجز النفس وبقدرة الرب، وهذا يدل على أنه لا وسيلة إلى القرب من حضرة الله إلا بالعجز والانكسار. أن الإقدام على الطاعات لا يتيسر إلا بعد الفرار من الشيطان، وذلك هو الاستعاذة بالله. اللسان لما جرى بذكر غير الله حصل فيه نوع من اللوث، فلا بدّ من استعمال الطهور، فلما قال: أَعُوذُ بالله حصل الطهور. لك عدوان أحدهما ظاهر والآخر باطن، وأنت مأمور بمحاربتهما. (أعوذ بالله) ولم يذكر اسماً آخر، بل ذكر قوله (الله) لأن هذا الاسم أبلغ في كونه زاجراً عن المعاصي من سائر الأسماء والصفات.

الشيطان اسم، والرجيم صفة، ثم إنه تعالى لم يقتصر على الاسم بل ذكر الصفة. أدخل الألف واللام في الشيطان ليكون تعريفاً للجنس كأنه تعالى يقول: إنه شيطان رجيم، وأنا رحمن رحيم، فابعد عن الشيطان الرجيم لتصل إلى الرحمن الرحيم.❶

❶التفسير الكبير: الباب الثالث، ج ۱ ص ۹۴

سولہویں بحث: تعوذ پڑھنے کی سات اہم حکمتیں اور فوائد

استعاذہ کا معنی ومفہوم اور اس کے مختلف اطلاقات سمجھ لینے کے بعد اب ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ اس کی حکمت و مصلحت کیا ہے؟ آخر مسلمانوں کو ''شیطان رجیم'' سے خواہ وہ ابلیس ہو، شیاطین انس وجن ہوں یا خصائل ذمیمہ کی صورت میں جنس شیطنت ہو، پناہ مانگنا کیوں ضروری ہے، اس کے مقاصد ونتائج کیا ہیں؟ اس حکم کی متعدد حکمتیں ہیں جن میں سے چند ایک کا ذکر یہاں کیا جارہا ہے۔

حکم استعاذہ کی پہلی حکمت یہ ہے کہ جب ابلیس نے بارگاہ ربوبیت میں تمرد وانحراف کی راہ اختیار کی اور اس کے نتیجے میں اسے مردود وملعون بنا کر بھگا دیا گیا تو اس نے بنی نوع انسان اور بالخصوص مسلمانوں کو راہ حق سے گمراہ کرنے کا حلف اٹھایا اور اس عزم کا اظہار اسی موقع پر برملا کردیا جس کا ذکر قرآن حکیم میں اس طرح موجود ہے:

قَالَ فَبِعِزَّتِکَ لَاُغْوِیَنَّھُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَکَ مِنْھُمُ الْمُخْلَصِیْنَ.

(صٓ: ۸۲، ۸۳)

(شیطان) بولا: تیری عزت کی قسم! ضرور میں ان سب کو گمراہ کردوں گا، سوائے تیرے ان برگزیدہ بندوں کے جو (میرے اور نفس کے فریبوں سے) خلاصی پاچکے ہیں۔

قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ لَاَمْلَئَنَّ جَھَنَّمَ مِنْکَ وَمِمَّنْ تَبِعَکَ مِنْھُمْ اَجْمَعِیْنَ. (صٓ: ۸۴، ۸۵)

فرمایا: تو سچ یہ ہے اور میں سچ ہی فرماتا ہوں، بے شک میں (بھی) یقیناً جہنم بھر دوں گا تجھ سے اور ان سب سے جو ان میں سے تیری پیروی کریں گے۔

حکم استعاذہ کی دوسری حکمت یہ ہے کہ اس دعا کے ذریعے انسان اپنے گردونواح میں بسنے والے بے شمار شیطانی خصلت کے حامل افراد کے شر وفساد اور حسد وعداوت سے

محفوظ رہے۔ کیونکہ ابلیس کے علاوہ بھی کئی افراد از قبیلِ جن وانس ایسے ہیں جو منفی اور تخریبی مقاصد کے لئے دوسرے لوگوں کے جائز حقوق ومفادات کو نقصان پہنچانے پر تلے رہتے ہیں۔

حکم استعاذہ کی تیسری حکمت یہ ہے کہ انسان خود کو بری خصلتوں اور خسیس خواہشات سے پاک رکھے۔ دراصل اللہ تعالی نے انسان کو اپنی صفاتی مظہریت کا اہل بنانے کے لئے اس کے باطن کو تمام ناپسندیدہ اوصاف سے منزہ کرنا چاہا ہے۔ رذائل اخلاق کی آلودگیوں سے نجات حاصل کئے بغیر انسان ''تخلقوا بأخلاق اللّٰه'' (خدا کے اوصاف کے رنگ میں رنگے جاؤ) کا مصداق نہیں ہوسکتا۔ ''عاذ یعوذ'' میں التجاء کرنے اور وابستہ ہونے دونوں کا معنی پایا جاتا ہے۔ اس لئے حکمت استعاذہ بھی یہی ہے کہ انسان بارگاہ ایزدی میں رذائل سے پاک ہونے کی التجاء کرے اور فضائل سے متصف ہونے کے لئے اس کے دامن رحمت سے متصل ہو جائے۔

حکم استعاذہ چوتھی حکمت انسان کے باطنی کمالات کے حصول سے متعلق ہے۔ ''شیطان'' دوری پر اور ''رجیم'' ملامت وشقاوت پر دلالت کرتا ہے۔ گویا استعاذہ کے ذریعے انسان کو ''خدا سے دوری'' اور ''شقاوت'' سے توبہ کی تلقین کی گئی ہے۔ یہ دونوں چیزیں باہم لازم وملزوم ہیں۔ کیونکہ خدا سے دوری شقاوت کا سبب ہے اور شقاوت خدا سے دوری کا۔ خدا سے دوری قرب الٰہی کے منافی ہے اور شقاوت سعادت کے۔ کیونکہ تمام تر روحانی کمال قرب الٰہی اور سعادت پر منحصر ہے۔ اس لئے انسان کو یہ تعلیم کی گئی ہے کہ وہ خدا سے بُعد اور شقاوت دونوں سے پناہ مانگے کہ جب اسے دوری سے نجات ملے گی تو قرب اَز خود میسر آجائے گا اور شقاوت سے نجات ملے گی تو سعادت اَز خود نصیب ہو جائے گی۔

استعاذہ کی پانچویں حکمت یہ ہے کہ انسان کو اپنے عجز و بے بسی کا علم ہو جائے اور وہ

یہ سمجھ لے کہ میں دینی و دنیوی منافع کے حصول اور بچاؤ پر خود قادر نہیں ہوں۔ جب تک اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان شامل حال نہ ہو اس وقت تک میں کامیاب وکامران نہیں ہوسکتا۔ یہی وہ احساس اور علم وشعور ہے جو انسان کو صحیح عظمت سے ہمکنار کرتا ہے۔ اگر اس کا فقدان ہو اور انسان خود کو قادر مطلق اور غنی و بے نیاز سمجھ لے تو اس سے غرور وتکبر اور نخوت وفرعونیت جنم لیتی ہے، جو انسان کی تمام اعلیٰ صلاحیتوں کو غارت کر کے اسے دنیا میں ذلیل ورسوا کر دیتی ہے۔ آداب وشرائط عظمت کا یہی سنگ بنیاد ہے کہ انسان اپنی تمام قوتوں اور صلاحیتوں کے باوجود خود کو عاجز سمجھے اور انہیں بروئے کار لاتے ہوئے بھی صحیح نتائج کے لحاظ سے رب العالمین کی رحمت اور عطاء وشفقت کا طلب گار رہے۔

چھٹی حکمت جب انسان میں خشوع وخضوع کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جو ذہن میں اس احساس کے جاگزیں ہو جانے کے بعد دل میں تواضع، انکساری اور تذلل وتضرع کی نعمت سے بہرہ ور کر دیتی ہے۔ یہی حالت فی الحقیقت جوہر عبادت ہے۔

ساتویں حکمت استعاذہ کا عملی پہلو یہ ہے کہ انسان اپنے عجز وانکساری کے اعتراف اور خشوع وخضوع کے حصول کے بعد بارگاہ ایزدی کی طرف کمالِ یقین کے ساتھ متوجہ ہو اور اس سے استمداد کرے اور پھر اس کے لطف واحسان اور جود وسخاء پر پورا توکل رکھے۔ اسے ہر فتنہ وشر اور خوف وغم سے پناہ بھی ملے گی اور دیگر انعامات سے بھی نوازا جائے گا۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ (متوفی ۵۶۱ھ) نے تعوذ کے پانچ فوائد نقل کئے ہیں۔

۱......تعوذ پڑھنے سے دین پر ثابت قدمی نصیب ہوتی ہے۔

۲......شیطان کے فتنے وفساد سے انسان محفوظ رہتا ہے۔

۳......ایک محفوظ قلعے میں انسان کو پناہ ملتی ہے۔

۴......تعوذ کے پڑھنے سے انبیاء، صدیقین، شہداء اور نیکوکاروں کی مصاحبت

حاصل ہوتی ہے۔

۵......ارض وسماء کے مالک کی مدد حاصل ہوتی ہے:

وليستفيد العبد بالاستعاذة خمسة أشياء: أحدها:الثبات على الدين والبقاء. الثاني: السلامة من شر اللعين والعناء. الثالث:الدخول فی الحصن الحصين. الرابع:الوصول إلى اللقاء الأمين مع النبيين والصديقين والشهداء والصالحين. الخامس: نيل معونة رب الأرض والسماء. [1]

سترہویں بحث: جنات اور شیاطین کے وجود سے متعلق

علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) نے جنات اور شیاطین کے وجود کے بارے میں پانچ آیات اور سات احادیث نقل کی ہیں:

اعلم أن القرآن والأخبار يدلان على وجود الجن والشياطين:أما القرآن فآيات.

جان لیں کہ بے شک قرآن اور احادیث دونوں جنات اور شیاطین کے وجود پر دلالت کرتے ہیں، پس قرآنِ کریم کی چند آیات یہ ہیں:

۱ ..... وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ. (الأحقاف: ۲۹)

ترجمہ: اور (اے پیغمبر!) یاد کرو جب ہم نے جنات میں سے ایک گروہ کو تمہاری طرف متوجہ کیا کہ وہ قرآن سنیں، چنانچہ جب وہ وہاں پہنچے تو انہوں نے (ایک دوسرے سے) کہا کہ خاموش ہو جاؤ، پھر جب وہ پڑھا جا چکا تو وہ اپنی قوم کے پاس انہیں خبردار کرتے ہوئے واپس پہنچے۔

---

[1] الغنية لطالبی طريق الحق عز وجل: ج ۱ ص ۱۹۸، الناشر: دار الكتب العلمية

۲..... وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ. (البقرة:۱۰۲)

ترجمہ: اور یہ (بنی اسرائیل) ان (منتروں) کے پیچھے لگ گئے جو سلیمان کی سلطنت کے زمانے میں شیاطین پڑھا کرتے تھے۔

۳..... وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ. (سبا: ۱۲)

ترجمہ: اور جنات میں سے کچھ وہ تھے جو اپنے پروردگار کے حکم سے ان کے آگے کام کرتے تھے۔

۴..... وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّ غَوَّاصٍ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِى الْاَصْفَادِ. (ص:۳۷،۳۸)

ترجمہ: اور شریر جنات بھی ان کے قابو میں دے دیئے تھے، جن میں ہر طرح کے معمار اور غوطہ خور شامل تھے، اور کچھ وہ جنات جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔

۵..... يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ. (الرحمن: ۳۳)

ترجمہ: اے انسانوں اور جنات کے گروہ! اگر تم میں یہ بل بوتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی حدود سے پار نکل سکو تو پار نکل جاؤ، تم زبردست طاقت کے بغیر پار نہیں ہوسکو گے۔

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تواتر سے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنات کی طرف گئے اور ان کے سامنے قرآن کی تلاوت کی اور انہیں اسلام کی دعوت دی:

وبلغ مبلغ التواتر من خروج النبي صلى الله عليه وسلم ليلة الجن وقراء ته عليهم ودعوته إياهم إلى الإسلام.

امام رازی رحمہ اللہ نے اس کے بعد سات احادیث نقل کی ہیں، دیکھئے تفصیلا: [1]

---

[1] التفسير الكبير: الباب الثاني، ج ۱ ص ۸۴

اٹھارویں بحث: جنات، شیاطین اور ملائکہ کی حقیقت

شیاطین مذکر بھی ہوتے ہیں اور مونث بھی، ان کی نسل بھی جاری ہوتی ہے البتہ نفخہ اولی تک ان پر موت نہیں آئے گی۔ جنات مذکر بھی ہوتے ہیں اور مونث بھی ان میں توالد اور تناسل کا سلسلہ بھی جاری ہوتا ہے اوران پر موت بھی واقع ہوتی ہے۔ ملائکہ نہ مذکر ہوتے ہیں اور نہ ہی مونث، نہ ان کی نسل جاری ہوتی ہے نہ ان پر موت واقع ہوتی ہے۔ ملائکہ نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ شیاطین اور جنات کے لئے ایک حقیقت اور وجود ہے، جنات کے وجود کا انکار نہیں کیا مگر فلاسفہ اور اطباء کی ایک چھوٹی سی جاہل جماعت نے:

الشياطين ذكور وإناث يتوالدون ولايموتون إلى النفخة الأولى والجن ذكور واناث يتوالدون ويموتون والملائكة ليسوا بذكور ولااناث لايموتون ولايتوالدون ولاياكلون ولايشربون فثبت بهذا أن للشيطان والجن حقيقة ووجودا ولم ينكروجود الجن إلا شرذمة قليلة من جهال الفلاسفة والأطباء ونحوهم. ❶

انیسویں بحث: تعوذ میں بلاغت کے عمدہ نکات

علامہ محمد امین بن عبداللہ ہرری نے بلاغت کے تین عمدہ نکات نقل کئے ہیں:

"**اعوذ بالله**" میں صیغہ انشاء یعنی امر کے صیغے سے فعل مضارع کی طرف عدول کیا ہے۔ اصل عبارت یہ تھی "**اعذني يا رب**" اے اللہ! میں آپ کی پناہ میں آتا ہوں۔ صیغہ انشاء یعنی امر و نہی میں استقبال کا مفہوم ہوتا ہے جب کہ یہاں مقصود حال کا مفہوم ہے،

---

❶ حدائق الروح والريحان: ج ۱ ص ۹۱

اور فعل مضارع معنی حال میں حقیقت ہوتا ہے اور استقبال میں مجاز۔

۲..... یہاں متکلم سے غائب کی طرف التفات ہے، ''اعوذ'' واحد متکلم ہے اور لفظ اللہ اسم ظاہر ہے جو غائب کے حکم میں ہوتا ہے، نیز لفظ اللہ کا ذکر برکت اور تلذذ کی غرض سے ہے۔

۳..... ''الشیطن'' موصوف کے لئے ''الرجیم'' صفتِ کاشفہ لائی موصوف کو مؤکد کرنے کے لئے، اور مخاطبین کو اس سے نفرت دلانے کے لئے۔ شیطان تو اس قابل ہے کہ اسے پتھروں سے سنگسار کیا جائے نہ کہ محبت کا۔

(حدائق الروح والريحان: فصل في مباحث الاستعاذة، ج ۱ ص ۱۸)

بیسویں بحث: تعوذ کی ترکیب

أعوذ فعل مضارع انا ضمیر مستتر اس کا فاعل، ''باللّٰه'' اور ''من الشيطان'' جار مجرور متعلق ہیں أعوذ فعل کے ساتھ، ''أعوذ'' فعل اپنے فاعل اور دونوں متعلقات سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ ❶

تسمیہ کا تاریخی پسِ منظر

شریعتِ اسلامیہ میں ہمیشہ سے یہی تعلیم دی جاتی رہی ہے کہ ہر جائز اور مشروع کام کا آغاز اللہ تبارک وتعالی کے نام سے کیا جائے:

۱..... جب نوح علیہ السلام نے طوفان سے بچاؤ کے لئے اذنِ الٰہی کے مطابق کشتی تیار کر لی اور اپنے ساتھیوں کو اس میں سوار کر لیا تو کشتی چلانے سے قبل فرمایا:

''وَ قَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰهَا اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ''. (هود: ۴۱)

---

❶ حدائق الروح والريحان: فصل فی مباحث الاستعاذة، ج ۱ ص ۱۵

اور نوح نے کہا تم لوگ اس میں سوار ہو جاؤ اللہ ہی کے نام سے اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا ہے، بے شک میرا رب بڑا ہی بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

۲.....اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ صبا کو جو تبلیغی خط لکھا اس کا آغاز بھی انہی مبارک کلمات سے کیا گیا تھا:

اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. (النمل: ۳۰)

ترجمہ: بے شک وہ (خط) سلیمان علیہ السلام کی جانب سے (آیا) ہے، اور وہ اللہ کے نام سے شروع (کیا گیا) ہے جو بے حد مہربان بڑا رحم کرنے والا ہے۔

۳.....عہد عیسوی میں بھی ان مبارک کلمات کی برکات وتاثیرات کا پتہ چلتا ہے۔ امام رازی رحمہ اللہ نے "تفسیر کبیر" میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ عیسی علیہ السلام کا ایک قبر پر گزر ہوا، آپ علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ صاحبِ قبر عذاب میں مبتلا ہے، جب دوسری مرتبہ گزر ہوا تو دیکھا کہ رحمت کے فرشتے نور سے بھرے ہوئے طاقچے اس پر پیش کر رہے ہیں، اور وہ بڑی راحت میں ہے، آپ کو بہت تعجب ہوا نماز پڑھی اور کشف حال کے لئے دعا کی:

فأوحى الله تعالى إليه يا عيسى كان هذا العبد عاصيًا ومذ مات كان محبوسا في عذابي وكان قد ترك امرأة حبلى فولدت ولدا وربته حتى كبر فسلمته إلى الكتاب فلقنه المعلّم بسم الله الرحمن الرحيم فاستحيت من عبدي أن أعذبه بناري في بطن الأرض وولده يذكر اسمي على وجه الأرض. ❶

پس اللہ تعالی نے وحی کی کہ اے عیسی! یہ بندہ اپنی موت کے دن سے میرے عذاب

---

❶ التفسير الكبير: الكتاب الثاني، الباب الحادي عشر، ج ۱ ص ۱۵۵

میں گرفتار تھا۔ وقتِ مرگ اس کی بیوی حاملہ تھی، جس سے بعد میں ایک بچہ پیدا ہوا۔ اس کی ماں نے اسے پالا اور معلّم دین کے سپرد کر دیا، اس معلّم نے جب اس بچے کو ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھائی تو ہم کو شرم آ گئی کہ اس کا باپ قبر میں عذاب میں مبتلا رہے اور اس کا بیٹا زمین پر ہمارے نام کا ذکر کرے، پس ہم نے اس کو بخش دیا۔

۴.....اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہر کام سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا حکم صادر فرمایا۔ چنانچہ یہ حکم بعض معاملات میں ''واجب'' کا درجہ رکھتا ہے، بعض میں ''سنت'' کا اور بعض میں ''مستحب'' کا۔ قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا:

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ. (الأنعام: ۱۱۸)

سو تم اس (ذبیحہ) سے کھایا کرو جس پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیا گیا ہو۔

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ. (الأنعام: ۱۱۹)

اور تمہیں کیا ہے کہ تم اس (ذبیحہ) سے نہیں کھاتے جس پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیا گیا ہے (تم ان حلال جانوروں کو بلا وجہ حرام ٹھہراتے ہو)۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كُلُّ كَلَامٍ لَا يُبْدَأُ فِيْهِ بِالْحَمْدِ لِلّٰهِ فَهُوَ أَجْزَمُ. ❶

جو کلام اللہ تعالیٰ کی تعریف سے شروع نہ کیا جائے وہ ناقص رہتا ہے۔ یعنی اپنے کمال کو نہیں پہنچ سکتا۔

اس حدیث کا مفہوم اس طرح سمجھیں آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا وضوء لمن لم يذكر اسم اللّٰه عليه. ❷

---

❶ سنن أبي داود: كتاب الأدب، باب الهدي في الكلام، ج۴ ص ۲۶۱، رقم الحديث: ۴۸۴۰

❷ سنن أبي داود: كتاب الطهارة، باب في تسمية علي الوضوء، ج ۱ ص ۲۵، رقم الحديث: ۱۰۱

اس شخص کا وضو نہیں جس نے اس پر بسم اللہ نہ پڑھی۔

اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ بسم اللہ کے نہ پڑھنے سے وضو کی فرضیت ہی ناقص رہ جاتی ہے بلکہ فرض تو ادا ہو جاتا ہے لیکن سنن و مستحبات کی شمولیت سے جو کمال نصیب ہوتا ہے انسان اس سے محروم رہ جاتا ہے۔ اسی طرح ہر وہ فعل جو بغیر بسم اللہ کے شروع کیا جائے، ممکن ہے دنیوی لحاظ سے مطلوبہ نتائج کے حصول میں تو ناکام نہ ہو لیکن اپنے اجر وثواب کے اعتبار سے عنداللہ کامل نہ ہوگا۔ اسی روحانی کمال اور نقص کی طرف مذکورہ بالا حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔

آپ غور فرمائیں کہ کلام الٰہی جو سراسر خیر و برکت ہے، جب اس کے پڑھنے سے بھی پہلے بسم اللہ کا پڑھنا ضروری ہے تو دیگر امور حیات سے قبل تسمیہ کا پڑھا جانا کس قدر ضروری ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی عملی مداومت بھی اسی اصول پر تھی۔

۵..... یہاں تک کہ باری تعالیٰ نے خود اپنے کلام مبارک کے نزول کے آغاز وافتتاح کے لئے جو کلمات منتخب فرمائے وہ بھی ''تسمیہ'' کی نوعیت کے تھے۔ غار حرا میں گونجنے والی سب سے پہلی قرآنی صدا یہ تھی:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ. (العلق: ۱)

(اے پیغمبر!) اپنے رب کے نام سے (آغاز کرتے ہوئے) پڑھئے جس نے (ہر چیز کو) پیدا فرمایا۔

پہلی بحث: استعاذہ اور تسمیہ کے درمیان مناسبت

۱.....استعاذہ میں عقائد باطلہ اور اعمال سیئہ سے پرہیز تھی، بسم اللہ میں عقائد صحیحہ اور اعمال صالحہ کی طرف رجوع ہے۔

۲.....استعاذہ میں ما سویٰ اللہ سے لاتعلقی اور علیحدگی کا اعلان تھا، بسم اللہ میں توجہ الی اللہ کا باقاعدہ اقدام ہے۔

۳.....استعاذہ میں ہر قسم کے شر سے حفاظت طلب کی گئی تھی، بسم اللہ میں انعامات وعنایات کا سوال کیا جا رہا ہے۔

۴.....استعاذہ گمراہی سے بچاتا ہے، بسم اللہ ہدایت کا حصول ہے۔

۵.....استعاذہ عزمِ سفر تھا، بسم اللہ حصولِ منزل ہے۔

۶.....استعاذہ مریض کے لئے مجوزہ پرہیز ہے، بسم اللہ اس کا مجوزہ علاج ہے۔

۷.....استعاذہ رذائل اور خصائص ذمیمہ سے نجات حاصل کرنا ہے، بسم اللہ میں خود کو اوصاف واخلاق الٰہیہ سے متصف کرنا ہے۔

۸.....استعاذہ بُغض وعناد سے براءت کا نام ہے، بسم اللہ پیکر رحمت وراحت قرار پانے کا نام ہے۔

۹.....استعاذہ خدا کی دوری سے پناہ مانگنے کا نام تھا۔ بسم اللہ اس کے قرب ووصال کی طلب کا نام ہے۔

۱۰.....استعاذہ اپنی عاجزی کا اعتراف تھا، بسم اللہ خدا کی قدرت کا اعتراف ہے۔

۱۱.....استعاذہ کا آغاز نفس امارہ کے شعور اور اس کی مذمت سے ہوا تھا، بسم اللہ کا آغاز نفس لوامہ کے شعور اور ان کی تحسین سے ہوتا ہے۔

۱۲.....استعاذہ کا ثمرہ ونتیجہ نفس مطمئنہ تھا، بسم اللہ کا ثمرہ نفس راضیہ ومرضیہ ہے جو فی الحقیقت نفسِ کاملہ قرار پایا ہے۔

۱۳.....استعاذہ میں شخصیت کی اصلاح تھی، بسم اللہ میں اس کا منتہائے کمال ہے۔

تسمیہ کو تعوذ سے متاخر کرنے کی حکمت

علامہ محمد امین بن عبد اللہ ہرری فرماتے ہیں کہ تسمیہ کو تعوذ سے متاخر اس لئے کیا تاکہ اس میں اشارہ ہو اس بات کی طرف کی تحلیہ موخر ہوتا ہے تخلیہ سے۔ پہلے کسی چیز کی صفائی ستھرائی ہوتی ہے پھر بعد میں اس کی تزئین اور اس پر نقش ونگار ہوتا ہے:

الإشعار بأن باب التحلية مؤخر عن باب التخلية. ❶

دوسری بحث: تسمیہ کے ذریعے جملہ امور کے افتتاح کی حکمت

۱......علامہ جار اللہ زمخشری رحمہ اللہ (متوفی ۵۳۸ھ) فرماتے ہیں:

لأنهم كانوا يبدء ون بأسماء آلهتهم فيقولون باسم اللات باسم العزى فوجب أن يقصد الموحد معنى اختصاص اسم اللّٰه عز وجل بالابتداء وذلك بتقديمه وتأخير الفعل كما في قوله: إياك نعبد حيث صرح بتقديم الإسم إرادة للاختصاص ❷.

ترجمہ: مشرکین عرب اپنے کاموں کی ابتداء اپنے معبودوں کے نام سے کرتے تھے، پس وہ کہتے: لات کے نام سے، عزیٰ کے نام سے اس کام کو شروع کرتا ہوں۔ لہذا موحدین پر واجب ہے جب وہ اپنے کسی کام کا قصد کریں تو اللہ رب العزت کے نام سے شروع کریں، اور یہ حاصل ہوگا لفظ اللہ کو مقدم کرنے اور فعل کو موخر کرنے سے، پس اس

---

❶ الكشاف: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳

❷ حدائق الروح والريحان: مباحث البسملة، ج ۱ ص ۲۲

صورت میں تخصیص کا معنی حاصل ہوگا، جیسے ''إیاک نعبد'' میں عامل کو موخر کرنے اور معمول کو مقدم کرنے سے حصر کا معنی پیدا ہوتا ہے۔

۲......علامہ ابوبکر جصاص رحمہ اللہ (متوفی ۳۷۰ھ) فرماتے ہیں:

وفیه إظهار مخالفة المشركين الذين يفتتحون أمورهم بذكر الأصنام أو غيرها من المخلوقين الذين كانوا يعبدونهم. ❶

ترجمہ: تسمیہ پڑھنے میں مشرکین کی مخالفت کا اظہار کرنا ہے، مشرکین اپنے کاموں کی افتتاح بتوں اور مخلوقات کے ناموں سے کرتے جن کی یہ عبادت کرتے تھے۔

۳......علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی رحمہ اللہ (متوفی ۷۱۰ھ) فرماتے ہیں:

وكانوا يبدأون بأسماء آلهتهم فيقولون باسم اللات وباسم العزى، فوجب أن يقصد الموحد معنى اختصاص اسم الله عز وجل بالابتداء وذا بتقديمه. ❷

ترجمہ: مشرکین اپنے کاموں کی ابتداء اپنے معبودوں کے ناموں سے کرتے تھے، پس وہ کہتے لات کے نام سے، عزیٰ کے نام سے، تو موحد پر واجب ہے کہ وہ اپنے جملہ امور کی ابتداء صرف اللہ کے نام سے کرے، اسی وجہ سے تسمیہ کو فاتحہ پر مقدم کیا۔

۴......علامہ محمد امین بن عبداللہ ہرری فرماتے ہیں:

كانت الكفار يبدأون بأسماء آلهتهم فيقولون باسم اللات والعزى، فوجب أن يقصد الموحد معنى اختصاص اسم الله عز وجل بالابتداء. ❸

ترجمہ: مشرکین اپنے کاموں کی ابتداء اپنے معبودوں کے ناموں سے کرتے تھے

---

❶ أحكام القرآن للجصاص: باب القول فی بسم الله، ج ۱ ص ۱۹

❷ تفسير مدارک: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۷

❸ حدائق الروح والريحان: مباحث البسملة، ج ۱ ص ۲۲

پس وہ کہتے لات کے نام سے، عزیٰ کے نام سے، تو موحد پر واجب ہے کہ وہ اپنے جملہ امور کی ابتداء صرف اللہ جل جلالہ کے نام سے کرے، اسی وجہ سے تسمیہ کو فاتحہ پر مقدم کیا۔

بسم اللہ لکھنے کا طریقہ

بسم اللہ کو بغیر الف کے لکھا جاتا ہے کیوں کہ بولتے اور لکھتے وقت باءِ الصاق اس کی جگہ کافی ہو جاتا ہے، اور کثرتِ استعمال کی وجہ سے الف کو حذف کر دیا جاتا ہے۔ اس کے بر عکس ارشاد باری تعالیٰ: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِی خَلَقَ. میں قلتِ استعمال کی وجہ سے لکھنے میں الف حذف نہیں کیا جاتا۔

ہر کام کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

ندب الشرع إلى ذكر البسملة فى أول كل فعل. ❶

ترجمہ: ہر کام کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا عہد نامہ

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسا حلف نامہ ہے جو انہوں نے ہر سورت سے پہلے نازل فرما کر اپنے بندوں کے ساتھ حلفاً عہد کیا ہے کہ اے میرے بندو! میں نے اس سورت میں تم لوگوں کے لئے جو کچھ بھیجا ہے وہ سچ ہے، اور یقین رکھو کہ میں نے اس سورت میں جو وعدہ کیا یا جس مہربانی اور عنایت کا ذکر کیا ہے اسے ضرور پورا کروں گا۔

امت کے لئے خاص تحفہ

"بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" اس کلامِ باری تعالیٰ کا حصہ ہے جو اس نے

---

❶ التفسير القرطبي: الكلام فى البسملة، ج ۱ ص ۹۷

ہماری کتاب قرآن مجید میں نازل فرمایا۔ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد اس امت کو ملنے والا خصوصی تحفہ ہے۔

شریعت کا خلاصہ

بعض علماء کرم فرماتے ہیں: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں پوری شریعت سمائی ہوئی ہے کیوں کہ اس میں باری تعالیٰ کی ذات کا ذکر بھی ہے اور صفات کا بھی اور یہ بات صحیح ہے۔ ❶

''بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمَنِ الرَّحِیمِ'' لکھنے کی ابتداء

امام شعبی اور امام اعمش رحمہما اللہ دونوں حضرات نے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ''باسمک اللّٰھم'' لکھا کرتے تھے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بسم اللہ لکھنے کا حکم دیا گیا تو آپ نے یہ لکھنا شروع کر دیا، پھر جب ارشاد باری تعالیٰ:

قُلِ ادْعُوا اللّٰہَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمَنَ. (الإسراء: ۱۱۰)

ترجمہ: آپ کہیئے: اللہ (کہہ کر) پکارو یا رحمان کہہ کر پکارو۔ نازل ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' لکھنا شروع کر دیا۔ پھر جب ''إِنَّـهُ مِنْ سُلَيْمَـانَ وَإِنَّـهُ بِسْـمِ الـلّٰـهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ'' نازل ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا ''بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمَنِ الرَّحِیمِ'' لکھنے کا معمول بنالیا۔

امام ابوداود نے امام شعبی، امام ابو مالک، امام قتادہ، اور امام ثابت بن عمارہ رحمہم اللہ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا ''بِسْـمِ الـلّٰـهِ الـرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ'' نہیں لکھا یہاں تک کہ سورۂ نمل نازل ہوئی۔ ❷

---

❶ تفسير القرطبي: الكلام في البسملة، ج ۱ ص ۹۱

❷ سنن أبي داود: كتاب الصلاة، باب من جهر بها، ج ۱ ص ۲۰۹، رقم الحديث: ۷۸۷/ تفسير القرطبي: الكلام في البسملة، ج ۱ ص ۹۲

تیسری بحث: تسمیہ پڑھنے کے مسنون مواقع

قرآن کریم کی کئی آیات اور صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کی زندگی میں بسم اللہ کی بڑی اہمیت ہے، اور کوئی بھی کام کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا خیر وبرکت کا باعث ہے، اللہ رب العزت کی نصرت وحمایت کا ذریعہ اور تائید وحفاظت کا سبب ہے۔ بسم اللہ پڑھنے سے شیطان ذلیل ہوجاتا ہے، جیسا کہ ایک صحابی بیان کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي تَمِيمَةَ عَنْ رَدِيفِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ عَنْ رَجُلٍ عَنْ رِدْفِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ عَلَى حِمَارٍ فَعَثَرَ فَقَالَ الَّذِي خَلْفَهُ تَعِسَ الشَّيْطَانُ. فَقَالَ لَا تَقُلْ تَعِسَ الشَّيْطَانُ فَإِنَّكَ إِذَا قُلْتَ تَعِسَ الشَّيْطَانُ تَعَاظَمَ وَقَالَ بِعِزَّتِي صَرَعْتُكَ وَإِذَا قُلْتَ بِسْمِ اللّٰهِ تَصَاغَرَ حَتَّى يَصِيرَ مِثْلَ ذُبَابٍ. ❶

میں دراز گوش پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا، وہ ذرا پھسلا تو میں نے کہا شیطان کا برا ہو، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: یہ نہ کہو کہ شیطان کا برا ہو، کیونکہ اس سے شیطان پھول جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے اپنی قوت کے ساتھ اسے گرایا ہے، سو اگر تم بسم اللہ کہو تو اس سے شیطان اپنے آپ کو نہایت چھوٹا اور حقیر سمجھتا ہے یہاں تک کہ مکھی سے بھی زیادہ چھوٹا اور زیادہ حقیر۔

۱......خط وکتابت کا آغاز بسم اللہ سے کرنا چاہئے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہرقل (شاہ روم) نے ان کے پاس قریش کے قافلے میں ایک آدمی

---

❶ مسند أحمد: مسند البصريين، ج۳۴ ص ۲۹۱، رقم الحديث: ۲۰۶۰۹

بلانے کو بھیجا اور اس وقت یہ لوگ تجارت کے لئے ملک شام گئے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ خط منگایا جو آپ نے دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ذریعے حاکم بصری کے پاس بھیجا تھا اور اس نے وہ ہرقل کے پاس بھیج دیا تھا، پھر اس کو پڑھا تو اس میں لکھا تھا ''بسم اللہ الرحمن الرحیم''

أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا سُفْيَانَ بْنَ حَرْبٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ هِرَقْلَ أَرْسَلَ إِلَيْهِ فِي رَكْبٍ مِنْ قُرَيْشٍ وَكَانُوا تُجَّارًا بِالشَّام ثُمَّ دَعَا بِكِتَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِى بَعَثَ بِهِ دِحْيَةُ إِلَى عَظِيمِ بُصْرَى ، فَدَفَعَهُ إِلَى هِرَقْلَ فَقَرَأَهُ فَإِذَا فِيهِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ. ❶

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو خط ملکہ سبا کو لکھا تھا اس کا آغاز یوں کیا:

إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ (النمل: ۳۰)

ترجمہ: یہ خط سلیمان کی طرف سے ہے، اور شروع اللہ کے نام سے ہے جو بے حد رحم والا نہایت مہربان ہے۔

سیدنا مسور بن مخرمہ اور مروان بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حدیبیہ کے مقام پر صلح نامہ لکھوانے کا ارادہ کیا تو آپ نے کاتب کو بلوایا اور اس سے فرمایا ''اکتب بسم اللہ الرحمن الرحیم'' بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھو:

عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ وَمَرْوَانَ يُصَدِّقُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا حَدِيثَ صَاحِبِهِ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَمَنَ الْحُدَيْبِيَةِ ...... فَدَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكَاتِبَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

❶ صحيح البخاري: كتاب بدء الوحى، باب كيف كان بدء الوحى إلى رسول اللّٰه صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ج ۱ ص ۸، رقم الحديث: ۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ الخ. ❶

۲......وضو کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھنا

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کرام سے وضو کا پانی طلب کیا اور فرمایا تم لوگوں میں سے کیا کسی شخص کے پاس پانی موجود ہے؟ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ مبارک پانی میں رکھا اور فرمایا ''تم اللہ کے نام کے ساتھ وضو کرو'' تو میں نے یہ منظر دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک انگلیوں کے درمیان سے پانی نکل رہا تھا یہاں تک کہ تمام لوگوں نے وضو کیا اور کوئی شخص وضو سے باقی نہ بچا:

عَنْ أَنَسٍ قَالَ طَلَبَ بَعْضُ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَضُوءًا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ مَعَ أَحَدٍ مِنْكُمْ مَاءٌ، فَوَضَعَ يَدَهُ فِي الْمَاءِ وَيَقُولُ تَوَضَّئُوا بِسْمِ اللّٰهِ. فَرَأَيْتُ الْمَاءَ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ أَصَابِعِهِ حَتَّى تَوَضَّئُوا مِنْ عِنْدِ آخِرِهِمْ. ❷

۳......دعاؤں کی ابتداء بسم اللہ سے کرنا

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اور پوچھا اے محمد! کیا آپ بیمار ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں! تو جبرئیل علیہ السلام نے یہ دعا پڑھی:

---

❶ صحيح البخاري: كتاب الشروط، باب الشروط فى الجهاد....الخ، ج۳ ص۱۹۳، رقم الحديث: ۲۷۳۱/ صحيح مسلم: كتاب الجهاد، باب صلح الحديبية فى الحديبية، ج۳ ص۱۴۱۰، رقم الحديث: ۱۷۸۳

❷ سنن النسائي: كتاب الطهارة، باب التسمية عند الوضوء، ج۱ ص۶۱، رقم الحديث: ۷۸

بِاسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ أَوْ عَيْنِ حَاسِدٍ اللّٰه يَشْفِيكَ بِاسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيكَ.

ترجمہ: اللہ کے نام کے ساتھ میں تمہارے لئے ہر اس چیز سے جو تمہیں تکلیف پہنچاتی ہے اور ہر نفس کی برائی سے یا حاسد کی نظر بد کی برائی سے شفاء طلب کرتا ہوں، اللہ تمہیں شفاء عطا فرمائے، میں اللہ کے نام کے ساتھ تمہارے لئے شفاء طلب کرتا ہوں:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رضى الله عنه أَنَّ جِبْرِيلَ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اشْتَكَيْتَ فَقَالَ نَعَمْ. قَالَ بِاسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ أَوْ عَيْنِ حَاسِدٍ اللّٰهُ يَشْفِيكَ بِاسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيكَ.[1]

۴......جس جگہ درد ہو وہاں ہاتھ رکھ کر تین مرتبہ بسم اللہ پڑھنا

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے جسم میں کسی جگہ درد ہونے کی شکایت کی جو قبولِ اسلام کے بعد پہلی دفعہ ہوئی تھی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنا ہاتھ درد کے مقام پر رکھو پھر تین مرتبہ بسم اللہ اور سات مرتبہ یہ دعا پڑھو:

أَعُوذُ بِاللّٰهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَاذِرُ.

ترجمہ: میں اللہ کی اور اس کی قدرت کی پناہ طلب کرتا ہوں اس بیماری کی برائی سے جو اس وقت مجھے لاحق ہے اور اس سے بھی جس کے آئندہ ہونے کا اندیشہ ہے:

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ الثَّقَفِيِّ أَنَّهُ شَكَا إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَعًا يَجِدُهُ فِي جَسَدِهِ مُنْذُ أَسْلَمَ. فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

[1] صحيح مسلم: كتاب السلام، باب الطب والمرض والرقى: ج۴ ص۱۷۱۸، رقم الحديث: ۲۱۸۶

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَعْ يَدَكَ عَلَى الَّذِي تَأَلَّمَ مِنْ جَسَدِكَ وَقُلْ بِاسْمِ اللّٰهِ ثَلَاثًا. وَقُلْ سَبْعَ مَرَّاتٍ أَعُوذُ بِاللّٰهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَاذِرُ. ❶

۵...... بیماری سے شفایابی کے لئے اُنگشتِ شہادت زمین پر رکھیں پھر اسے اٹھا کر یہ دعا پڑھیں

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مریض کی شفا کے لئے) یہ دعا پڑھتے تھے:

بِسْمِ اللّٰهِ تُرْبَةُ أَرْضِنَا بِرِيقَةِ بَعْضِنَا يُشْفَى سَقِيمُنَا بِإِذْنِ رَبِّنَا.

ترجمہ: اللہ کے نام کے ساتھ ہماری زمین کی مٹی اور ہم میں سے بعض کے لعاب دہن سے ہمارے رب کے حکم سے ہمارا مریض شفایاب ہو جائے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ لِلْمَرِيضِ بِسْمِ اللّٰهِ تُرْبَةُ أَرْضِنَا بِرِيقَةِ بَعْضِنَا، يُشْفَى سَقِيمُنَا بِإِذْنِ رَبِّنَا. ❷

صحیح مسلم کے الفاظ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُنگشتِ شہادت زمین پر رکھتے پھر اٹھاتے اور مذکورہ بالا دعا پڑھتے:

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا اشْتَكَى الْإِنْسَانُ الشَّيْءَ مِنْهُ أَوْ كَانَتْ بِهِ قَرْحَةٌ أَوْ جَرْحٌ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِإِصْبَعِهِ هَكَذَا وَوَضَعَ سُفْيَانُ سَبَّابَتَهُ بِالْأَرْضِ ثُمَّ رَفَعَهَا بِاسْمِ اللّٰهِ تُرْبَةُ

---

❶ صحيح مسلم: كتاب السلام، باب استحباب وضع يده على موضع الألم ...... الخ، ج۴ ص۱۷۲۸، رقم الحديث: ۲۲۰۲

❷ صحيح البخاري: كتاب الطب، باب رقية النبي صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ج۷ ص۱۳۳، رقم الحديث: ۵۷۴۵

أَرْضِنَا بِرِيقَةِ بَعْضِنَا لِيُشْفَى بِهِ سَقِيمُنَا بِإِذْنِ رَبِّنَا. ❶

٦.....کھانا کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا

حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں جب بچہ تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش میں تھا اور (کھانا کھاتے وقت) میرا ہاتھ برتن میں چاروں طرف گھوم رہا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَا غُلَامُ سَمِّ اللّٰهَ، وَكُلْ بِيَمِينِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ.

ترجمہ: اے لڑکے! بسم اللہ پڑھ کر اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔

عُمَرَ بْنَ أَبِي سَلَمَةَ يَقُولُ كُنْتُ غُلَامًا فِي حَجْرِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَتْ يَدِي تَطِيشُ فِي الصَّحْفَةِ فَقَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا غُلَامُ سَمِّ اللّٰهَ، وَكُلْ بِيَمِينِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ. ❷

٧......اگر کھانے کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھنا بھول جائیں تو یہ پڑھیں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو بسم اللہ کہے اور اگر شروع میں بسم اللہ بھول جائے تو یہ دعا پڑھے:

بِسْمِ اللّٰهِ فِي أَوَّلِهِ وَآخِرِهِ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ (کھاتا ہوں) اس کے شروع اور اس کے آخر میں۔

---

❶صحيح مسلم: كتاب السلام، باب استحباب الرقية من العين والنملة، ج۴ ص۱۷۲۴، رقم الحديث: ۲۱۹۴

❷صحيح البخاري: كتاب الأطعمة، باب التسمية على الطعام والأكل باليمين، ج۷ ص۶۸، رقم الحديث: ۵۳۷۶

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ طَعَامًا فَلْيَقُلْ بِسْمِ اللّٰهِ فَإِنْ نَسِيَ فِي أَوَّلِهِ فَلْيَقُلْ بِسْمِ اللّٰهِ فِي أَوَّلِهِ وَآخِرِهِ. ❶

۸......جانور ذبح کرتے وقت کی دُعا

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو چتکبرے سینگوں والے مینڈھوں کی قربانی کی اور انہیں اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور آپ نے یہ دعا پڑھی:

بسم اللّٰه واللّٰه أكبر.

اللہ کے نام کے ساتھ اور اللہ سب سے بڑا ہے:

عَنْ أَنَسٍ رضى الله عنه قَالَ ضَحَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَبْشَيْنِ أَمْلَحَيْنِ أَقْرَنَيْنِ، ذَبَحَهُمَا بِيَدِهِ، وَسَمَّى وَكَبَّرَ. ❷

۹......شکار کرتے وقت یا تیر پھینکتے وقت بسم اللہ پڑھنا

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ہم اس قوم میں سکونت رکھتے ہیں جوان کتوں سے شکار کرتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم اپنا سکھایا ہوا کتا چھوڑو اور اس پر اللہ کا نام لے لو تو اگر وہ کتا تمہارے لئے شکار لایا تو تم اسے کھا سکتے ہو:

عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

---

❶ سنن الترمذی: كتاب الأطعمة، باب ما جاء في التسمية على الطعام، ج۳ ص ۳۵۲، رقم الحديث: ۱۸۵۸

❷ صحيح البخاري: كتاب الأضاحي، باب التكبير عند الذبح، ج۷ ص ۱۰۲، رقم الحديث: ۵۵۶۵/ صحيح مسلم: كتاب الأضاحي، باب استحباب الضحية ...... الخ، ج۳ ص ۱۵۵۶، رقم الحديث: ۱۹۶۶

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ إِنَّا قَوْمٌ نَتَصَيَّدُ بِهَذِهِ الْكِلَابِ. فَقَالَ إِذَا أَرْسَلْتَ كِلَابَكَ الْمُعَلَّمَةَ وَذَكَرْتَ اسْمَ اللّٰهِ، فَكُلْ مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكَ. ❶

۱۰......جس ذبیحہ کے متعلق تسمیہ پڑھنے کا علم نہ ہوتو خود پڑھ لیں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ بعض لوگ ہمارے پاس گوشت لاتے ہیں ہمیں نہیں معلوم کہ انہوں نے اس پر بسم اللہ پڑھی ہے یا نہیں، (تو کیا ہم یہ گوشت کھا سکتے ہیں یا نہیں؟) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس پر بسم اللہ پڑھ لو اور کھالو، (حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ یہ لوگ ابھی اسلام میں نئے نئے داخل ہوئے تھے):

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ هُنَا أَقْوَامًا حَدِيثًا عَهْدُهُمْ بِشِرْكٍ، يَأْتُونَا بِلُحْمَانٍ لاَ نَدْرِي يَذْكُرُونَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا أَمْ لاَ. قَالَ اذْكُرُوا أَنْتُمْ اسْمَ اللّٰهِ وَكُلُوا. ❷

۱۱......گھر میں داخل ہوتے وقت بسم اللہ پڑھنے کی فضیلت

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت اور کھانا کھاتے وقت اللہ کا ذکر کرے تو شیطان (اپنے ساتھیوں سے) کہتا ہے: اب تمہارے لئے نہ ٹھکانہ ہے نہ کھانا، اور اگر وہ شخص داخل ہوتے وقت اللہ کا نام نہ لے تو شیطان (اپنے ساتھیوں سے) کہتا ہے: اب تمہارے لئے ٹھکانہ مل گیا:

---

❶ صحيح البخاري: كتاب الذبائح، باب ما جاء في التصيد، ج۷ ص۸۸، رقم الحديث: ۵۴۸۷

❷ صحيح البخاري: كتاب التوحيد، باب السؤال بأسماء اللّٰه تعالىٰ، ج۹ ص۱۱۹، رقم الحديث: ۷۳۹۸

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا دَخَلَ الرَّجُلُ بَيْتَهُ فَذَكَرَ اللّٰهَ عِنْدَ دُخُولِهِ وَعِنْدَ طَعَامِهِ قَالَ الشَّيْطَانُ لَا مَبِيتَ لَكُمْ وَلَا عَشَاءَ، وَإِذَا دَخَلَ فَلَمْ يَذْكُرِ اللّٰهَ عِنْدَ دُخُولِهِ قَالَ الشَّيْطَانُ أَدْرَكْتُمُ الْمَبِيتَ، وَإِذَا لَمْ يَذْكُرِ اللّٰهَ عِنْدَ طَعَامِهِ قَالَ أَدْرَكْتُمُ الْمَبِيتَ وَالْعَشَاءَ. ❶

۱۲......سونے سے قبل بسم اللہ پڑھنا

سونے سے قبل بسم اللہ پڑھ کر انجام دیئے جانے والے چند اعمال بیان کرتے ہوئے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم سونے لگو تو دروازوں کو اللہ کا نام لے کر بند کردو کیونکہ شیطان بند دروازوں کو نہیں کھولتا، اللہ کا نام لے کر مشکیزوں کے منہ باندھ دو، اللہ کا نام لے کر اپنے برتنوں کو ڈھانک دو، خواہ کسی چیز کو چوڑائی میں رکھ کر ہی ڈھک سکو اور (اللہ کا نام لے کر) اپنے چراغ بجھادو:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ...... فَأَغْلِقُوا الْأَبْوَابَ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَفْتَحُ بَابًا مُغْلَقًا، وَأَوْكُوا قِرَبَكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ، وَخَمِّرُوا آنِيَتَكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ وَلَوْ أَنْ تَعْرُضُوا عَلَيْهَا شَيْئًا وَأَطْفِئُوا مَصَابِيحَكُمْ. ❷

۱۳......لشکر کو روانہ کرتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت

حضرت بُریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی

---

❶صحيح مسلم: كتاب الأشربة، باب آداب الطعام والشراب وأحكامها: ج۳ ص۱۵۹۸، رقم الحديث: ۲۰۱۸

❷صحيح البخاري: كتاب الأشربة، باب تغطية الإناء، ج۷ ص۱۱۱، رقم الحديث: ۵۶۲۳

لشکر کو نصیحت کرتے تو فرماتے:

اُغْزُوا بِاسْمِ اللّٰهِ فِی سَبِیلِ اللّٰهِ. ❶

اللہ کا نام لے کر اللہ کے راستہ میں جہاد کرو۔

۱۴......سوار ہوتے وقت بسم اللہ پڑھنا

حضرت علی بن ربیعہ فرماتے ہیں کہ میرے سامنے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لئے سواری لائی گئی، جب انہوں نے رکاب میں پاؤں رکھا تو تین مرتبہ بسم اللہ کہا، پھر جب اس کی پیٹھ پر سیدھے بیٹھ گئے تو کہا الحمد للہ، پھر کہا:

سُبْحَانَ الَّذِی سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ وَإِنَّا إِلَى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ.

ترجمہ: اللہ تمام برائیوں سے پاک ہے، جس نے اس سواری کو ہمارے لئے مسخر کردیا، حالانکہ ہم اس کو قابو میں نہ لاسکتے تھے، اور بے شک ہم اپنے رب ہی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا وہ بھی ایسا ہی کرتے تھے جیسا میں نے کیا ہے:

عَنْ عَلِیِّ بْنِ رَبِیعَةَ قَالَ شَهِدْتُ عَلِيًّا أُتِیَ بِدَابَّةٍ لِيَرْكَبَهَا فَلَمَّا وَضَعَ رِجْلَهُ فِی الرِّكَابِ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ ثَلَاثًا فَلَمَّا اسْتَوَى عَلَى ظَهْرِهَا قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ثُمَّ قَالَ سُبْحَانَ الَّذِی سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ وَإِنَّا إِلَى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ.... إلخ. ❷

---

❶ صحیح مسلم: کتاب الجهاد، باب تامیر الإمام، ج۳ ص۱۳۵۷، رقم الحدیث: ۱۷۳۱

❷ سنن الترمذی: کتاب الدعوات، باب ما جاء ما یقول إذا رکب دابة، ج۵ ص۵۰۱، رقم الحدیث: ۳۴۴۶

۱۵......مباشرت سے پہلے بسم اللہ پڑھنا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس آئے تو یہ کہے:

بِسْمِ اللّٰهِ اللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا.

ترجمہ: شروع اللہ کے نام کے ساتھ، اے اللہ! ہمیں شیطان سے محفوظ رکھ اور جو (اولاد) تو ہمیں دے اسے بھی شیطان سے محفوظ رکھ۔

تو اب اگر اس کے مقدر میں اولاد ہو تو شیطان اس کو کبھی نقصان نہیں پہنچائے گا:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا أَتَى أَهْلَهُ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ اللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا. فَقُضِيَ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ لَمْ يَضُرَّهُ. ❶

چوتھی بحث: ''كُلُّ أَمْرٍ ذِيْ بَالٍ'' والی روایت پر محدثانہ بحث

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر جائز ومشروع کام کا آغاز اللہ کے نام کے ساتھ کرنے کا حکم دیا ہے، احادیث میں تین قسم کے الفاظ مروی ہیں، بعض روایات میں ''بحمد اللّٰہ'' کے الفاظ ہیں، اور بعض میں ''بسم اللّٰہ'' اور بعض میں ''بذکر اللّٰہ'' کے الفاظ مروی ہیں۔ یہ حدیث ایک ہی ہے البتہ مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔ اس میں کوئی اختلاف وتناقض نہیں ہے جس کی تطبیق کی ضرورت پڑے۔ مطلب حدیث کا یہ ہے ہر کام کا آغاز اللہ تعالیٰ کے بابرکت اور عظیم الشان نام کے ساتھ کیا جائے، چاہے وہ تسمیہ کی

---

❶ صحيح البخاري: كتاب النكاح، باب ما يقول الرجل إذا اتى أهله، ج۷ ص۲۳، رقم الحديث: ۵۱۶۵، صحيح مسلم: كتاب النكاح، باب ما يستحب أن يقوله عند الجماع، ج۲ ص۱۰۵۸، رقم الحديث: ۱۴۳۴

صورت میں ہو یا تحمید یا ذکر اللہ کی صورت میں۔ امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۵۲ھ) فرماتے ہیں کہ بہت سے مصنفین کو الفاظ کے مختلف ہونے کی وجہ سے اس بات کا وہم ہوا کہ یہ حدیث متعدد ہے، پس انہوں نے تطبیق دینے کے لئے ابتداء کی تین قسمیں گھڑ دیں، حقیقی، اضافی اور عرفی، بعض الفاظ کو ابتداء حقیقی پر اور بعض کو ابتداء اضافی پر محمول کیا جیسا کہ مشہور ہے، یہ سب تکلف پر مبنی ہے اور اس فنِ حدیث اور ان کے قواعد وتحقیقات سے غفلت اور لاپرواہی کے نتیجے میں انہوں نے یہ گمان کیا کہ یہ احادیث مختلف ہیں (اور ان میں تعارض ہے تو تطبیق کے لئے ان اقسام کا سہارا لیا) حالانکہ انہیں معلوم نہیں ہے یہ ایک ہی حدیث ہے، البتہ اختلاف الفاظ میں ہے، دیکھئے تفصیلاً: ❶

اب اس حدیث کی کچھ تحقیق عرض کی جاتی ہے کہ یہ حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ کن کتبِ حدیث میں مروی ہے اور فنی اعتبار سے اس کا حکم کیا ہے۔

ان الفاظ کے ساتھ ''كُلُّ كَلَامٍ لَا يُبْدَأُ فِيْهِ بِالْحَمْدِ لِلّٰهِ فَهُوَ أَجْزَمُ''

ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت ''سنن أبي داود'' میں موجود ہے۔ ❷

سنن ابن ماجہ میں روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے:

كُلُّ أَمْرٍ ذِىْ بَالٍ لَا يُبْدَأُ فِيْهِ بِالْحَمْدِ أَقْطَعُ. ❸

''صحيح ابن حبان'' میں ان الفاظ کے ساتھ ہے:

كُلُّ أَمْرٍ ذِيْ بَالٍ لَا يُبْدَأُ فِيْهِ بِحَمْدِ اللّٰهِ فَهُوَ أَقْطَعُ. ❹

---

❶ معارف السنن شرح سنن الترمذي: مقدمة، ج ۱ ص ۶۳، ۶۴

❷ سنن أبي داود: كتاب الأدب، باب الهدي في الكلام، ج ۴ ص ۲۶۱، رقم الحديث: ۴۸۴۰

❸ كتاب النكاح: باب خطبة النكاح، ج ۱ ص ۶۱۰، رقم الحديث: ۱۸۹۴

❹ مقدمة: باب ما جاء في الابتداء، ج ۱ ص ۱۷۳، رقم الحديث: ۱

بعینہ انہی الفاظ کے ساتھ ''عمل الیوم واللیلۃ'' میں ہے، دیکھئے: ❶

انہی الفاظ کے ساتھ ''السنن الکبری للنسائی'' میں موجود ہے، دیکھئے: ❷

انہی الفاظ کے ساتھ ''سنن الدار قطني'' میں بھی ہے، دیکھئے: ❸

اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں سوائے ''قرۃ بن عبد الرحمن بن حیوئیل'' کے ان سے امام اوزاعی رحمہ اللہ نے روایت نقل کی ہے وہ ان کی توثیق کرتے ہیں لیکن امام احمد، امام یحیی بن معین، امام ابوزرعہ، امام ابوحاتم، امام نسائی رحمہم اللہ نے ان پر جرح کی ہے، دیکھئے تفصیلاً: ❹

امام مسلم رحمہ اللہ نے ان سے شواہد میں روایت نقل کی ہے، دیکھئے: ❺

خلاصہ کلام یہ ہے کہ روایت ان الفاظ کے ساتھ حسن درجے کی ہے۔

نیز اس روایت کا متابع بھی موجود ہے، متابع سعید بن عبدالعزیز ہیں، دیکھئے تفصیلاً: ❻

نیز کبار محدثین کے ہاں یہ روایت حسن درجے کی ہے، اختصار کے ساتھ چند ایک ہی تصریحات ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ ابن صلاح رحمہ اللہ (متوفی ۶۴۳ھ) فرماتے ہیں:

---

❶ باب ما یستحب من الکلام عند الحاجة، ج ۱ ص ۳۴۵، رقم الحدیث: ۴۹۴

❷ کتاب عمل الیوم واللیلة: باب ما یستحب من الکلام عند الحاجة، ج ۹ ص ۱۸۲، رقم الحدیث: ۱۰۲۵۵

❸ کتاب الصلاۃ، ج ۱ ص ۴۲۷، رقم الحدیث: ۸۸۳

❹ تهذیب التهذیب: حرف القاف، من اسمه قرة، ج ۸ ص ۳۷۲، ۳۷۳

❺ صحیح مسلم: کتاب المساقاة، باب بیع القلادة فیها خرز وذهب، ج ۳ ص ۱۲۱۴، رقم الحدیث: ۱۵۹۱

❻ السنن الکبری للنسائی: کتاب عمل الیوم واللیلة، ما یستحب من الکلام عند الحاجة، ج ۹ ص ۱۸۴، رقم الحدیث: ۱۰۲۵۶

إن الحديث حسن دون الصحيح وفوق الضعيف محتجا بأن رجال الصحيحين سوى قرة قال فإنه ممن انفرد مسلم عن البخاري بالتخريج له. ❶

ترجمہ: یہ روایت حسن درجے کی ہے جو صحیح سے کم تر اور ضعیف سے بڑھ کر ہے، اس روایت کے رجال صحیحین کے راوی ہیں سوائے قرہ بن عبدالرحمٰن کے، امام مسلم رحمہ اللہ ان سے روایت تخریج کرنے میں منفرد ہیں۔

شارح مسلم امام نووی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۶ھ) فرماتے ہیں:

والمشهور رواية أبي هريرة وهذا الحديث حسن. ❷

یہ روایت حسن درجے کی ہے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ کے تلمیذِ رشید علامہ تاج الدین سبکی رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۱ھ) فرماتے ہیں:

وأنا أقول لم يخرج له مسلم إلا في الشواهد مقرونا بغيره وليس لها حكم الأصول وإنما خرج له الأربعة أبو داود والترمذی والنسائی وابن ماجه، ان الحديث صحيح كما ادعاه هذان الحبران ابن حبان وابن البيع. ❸

ترجمہ: ان سے روایت امام مسلم رحمہ اللہ نے دیگر روایات کے ساتھ بطور شواہد کے نقل کی ہے، اور اس کے لئے اصل کا حکم نہیں ہے، ان سے سنن اربعہ والوں نے روایت تخریج کی ہے یعنی ابوداود ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے، بے شک یہ حدیث صحیح ہے، جیسے کہ دو کبارِ اہل علم امام ابن حبان اور امام ابن البیع رحمہما اللہ نے دعوی کیا۔

نیز آگے امام سبکی رحمہ اللہ نے قرہ بن عبدالرحمٰن کی توثیق نقل کی ہے اور ان پر کی گئی

---

❶ طبقات الشافعية الكبرى: مقدمة: ج ۱ ص ۹

❷ شرح النووي على مسلم: مقدمة، فصل، ج ۱ ص ۴۳

❸ طبقات الشافعية الكبرى: مقدمة: ج ۱ ص ۱۰

جرحوں کے تفصیلاً جواب دیئے ہیں، دیکھئے: ❶

علامہ ابن الملقن رحمہ اللہ (متوفی ۸۰۴ھ) فرماتے ہیں:

وقد علمت أن الصواب حسنه. ❷

ترجمہ: درست بات یہ ہے کہ یہ روایت حسن درجے کی ہے۔

شارح بخاری حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (متوفی ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

والحديث الذي أشار إليه أخرجه أبو عوانة فی صحيحه وصححه ابن حبان أيضا وفي إسناده مقال وعلى تقدير صحته فالرواية المشهورة فيه بلفظ حمد الله وما عدا ذلک من الألفاظ التي ذكرها النووي وردت في بعض طرق الحديث بأسانيدها واهية. ❸

ترجمہ: وہ حدیث جسے ابوعوانہ نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے، اور ابن حبان نے بھی اس روایت کی تصحیح نقل کی ہے، اس روایت کی سند میں کلام ہے، اور اگر اس روایت کی صحت کو تسلیم کرلیا جائے تو جو روایت "**بحمد الله**" کے الفاظ کے ساتھ مروی ہے وہ روایت مشہور ہے، اس کے علاوہ جن الفاظ کے ساتھ روایت مروی ہے جنہیں امام نووی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے ان کے بعض طرق کی اسانید واہی (نہایت کمزور) ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے تلمیذ رشید علامہ سخاوی رحمہ اللہ (متوفی ۹۰۲ھ) فرماتے ہیں:

حديث كل أمر ذي بال لا يبدأ فيه بحمد الله فهو أقطع. أبو داود

---

❶ طبقات الشافعية الكبرى: مقدمة: ج ۱ ص ۱۰

❷ البدر المنير: كتاب النكاح، باب استجاب الخطبة، الحديث الأول، ج۷ ص ۵۳۰

❸ فتح الباري: كتاب التفسير، باب قوله تعالى قل يا اهل الكتاب تعالوا..... الخ، ج۸ ص ۲۲۰

وابن ماجه عن أبي هريرة به مرفوعا وأفردت فيه جزأ. ❶

ترجمہ: مذکورہ بالا روایت کوامام ابوداود اور امام ابن ماجہ رحمہما اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے، اور میں نے تسمیہ سے متعلق روایت پر ایک جز لکھا ہے۔

محدثین کی مذکورہ بالا تصریحات سے معلوم ہوا کہ یہ روایت حسن درجے کی ہے۔

اگر بالفرض والمحال یہ روایت ضعیف ہو تو بھی کوئی حرج نہیں ہے اس لئے کہ فضائل میں ضعیف روایت پر عمل شرائط کے ساتھ جائز ہے۔

خطیب بغدادی رحمہ اللہ (متوفی ۴۶۳ھ) نے باب باندھا ہے "**باب التشدد في أحاديث الأحكام والتجوز في فضائل الأعمال**" اس کے تحت امام احمد رحمہ اللہ (متوفی ۲۴۱ھ) فرماتے ہیں:

إذا روينا عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فى الحلال والحرام والسنن والأحكام تشددنا فى الأسانيد وإذا روينا عن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم فى فضائل الأعمال .... تساهلنا فى الأسانيد. ❷

ترجمہ: جب ہم حلال وحرام، سنن واحکام کی روایات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں تو اسانید میں سختی کرتے ہیں، اور جب ہم فضائل سے متعلق روایات نقل کرتے ہیں تو اسانید میں تساہل برتتے ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ (متوفی ٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

قال العلماء من المحدثين والفقهاء وغيرهم يجوز ويستحب العلم فى الفضائل والترغيب والترهيب بالحديث الضعيف ما لم يكن موضوعا

---

❶ المقاصد الحسنة: حرف الكاف، ص ۵۱۳، رقم الحديث: ۸۱۷

❷ الكفاية فى علم الرواية: باب التشدد فى أحاديث الأحكام، ج ۱ ص ۱۳۴

وأما الأحكام كالحلال والحرام والبيع والنكاح والطلاق وغير ذلک فلا يعمل فيها إلا بالحديث الصحيح أو الحسن. ❶

ترجمہ: محدثین، فقہاء اور دیگر اہل علم نے فرمایا کہ فضائل، ترغیب وترہیب میں ضعیف روایت پر عمل کرنا جائز ہے جب تک کہ موضوع نہ ہو، البتہ احکام جیسے حلال وحرام، بیع ونکاح اور طلاق سے متعلقہ احکام میں عمل جائز نہیں ہے مگر حدیث صحیح یا حسن پر۔

نیز امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اتفاق العلماء على العمل بالحديث الضعيف فى فضائل الأعمال دون الحلال والحرام. ❷

ترجمہ: علماء کا اتفاق ہے فضائل میں ضعیف روایت پر عمل کرنا جائز ہے نہ کہ حلال وحرام میں۔

سلطان المحدثین ملا علی قاری رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں:

لكن يعمل بالحديث الضعيف في فضائل الأعمال باتفاق العلماء. ❸

ترجمہ: علماء کا اتفاق ہے فضائل میں ضعیف روایت پر عمل کرنا جائز ہے۔

محقق ابن ہمام رحمہ اللہ (متوفی ۸۶۱ھ) فرماتے ہیں:

فإن صح وإلا فالضعيف غير الموضوع يعمل به في فضائل الأعمال. ❹

ترجمہ: اگر یہ روایت درست ہو تو فبہا ورنہ موضوع روایت کے علاوہ فضائل میں ضعیف روایت پر عمل جائز ہے۔

علامہ مرتضی حسن زبیدی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۰۵ھ) فرماتے ہیں:

---

❶ الأذكار: مقدمة: فصل فى حكم العمل بالحديث الضعيف، ص ۳٦

❷ المجموع شرح المهذب: كتاب الصلاة، باب استقبال القبلة، ج۳ ص ۲۴۸

❸ مرقاة المفاتيح: كتاب الصلاة، باب قيام شهر رمضان، ج۳ ص ۹٦۹

❹ فتح القدير: كتاب الصلاة، باب الإمامة، ج ۱ ص ۳۴۹

قد أطبق علی ذلک علماء الحديث فجزموا بأنه لا يحل رواية الحديث الموضوع فی أی معنی کان إلا مقرونا بيان وضعه بخلاف الضعيف فإنه يجوز روايته فی غير الأحكام والعقائد.❶

ترجمہ: علماء حدیث کا اس بات پر اتفاق ہے کہ موضوع روایت کا نقل کرنا جائز نہیں ہے کسی بھی صورت میں مگر یہ کہ اس کے موضوع ہونے کو بیان کیا جائے، بخلاف ضعیف حدیث ہے کہ عقائد اور احکام کے علاوہ میں ان کا روایت کرنا جائز ہے۔

بہرحال یہ میرا موضوع نہیں ہے ورنہ میں بفضل اللہ تعالیٰ کم از کم تیس حوالے اس پر ذکر کرسکتا ہوں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس روایت کے تمام روای ثقہ ہیں سوائے قرہ بن عبد الرحمٰن کے، اور ان سے بھی امام مسلم رحمہ نے شواہد میں روایت نقل کی ہے، اور امام اوزاعی اور سبکی رحمہما اللہ نے ان کی توثیق نقل کی ہے۔ نیز امام نسائی رحمہ اللہ نے ان کا متابع بھی نقل کیا ہے، اور اس روایت کو کبار محدثین نے اپنی کتب حدیث میں نقل کیا ہے، جن میں صحاح ستہ کے محدثین بھی شامل ہیں، نیز بلند پایہ محدثین نے اس رویات کی تحسین کی ہے جن میں علامہ ابن صلاح، امام نووی، علامہ تاج الدین سبکی، علامہ ابن الملقن، حافظ ابن حجر، امام سخاوی، امام عجلونی رحمہم اللہ اور دیگر کئی محدثین نے۔ اور اگر بالفرض یہ روایت ضعیف بھی ہو تو کوئی حرج نہیں، محدثین کے ہاں فضائل میں ضعیف حدیث پر عمل جائز ہے۔

نیز یہ رویات مرسل بھی مروی ہے اور اس کی سند درست ہے، امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

والمرسل هو الصواب.❷

---

❶إتحاف السادة المتقين بشرح إحياء علوم الدين: ج ۱ ص ۴۱۷

❷سنن الدار قطني: كتاب الصلاة، ج ۱ ص ۴۲۷، رقم الحديث: ۸۸۳

علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۴۲۰ھ) بھی مرسل روایت کو درست قرار دیتے ہیں:

والصحيح عنه مرسلا. ❶

اگر روایت مرسل ہو تو بھی کوئی حرج کی بات نہیں جمہور علماء کے ہاں مرسل روایت حجت ہے۔

علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ (متوفی ۸۶۱ھ) فرماتے ہیں:

والمرسل عندنا وعند جمهور العلماء حجة. ❷

ترجمہ: مرسل حدیث ہمارے اور جمہور علماء کے نزدیک حجت ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں:

لكن المرسل حجة عندنا وعند الجمهور. ❸

ترجمہ: مرسل حدیث ہمارے اور جمہور علماء کے نزدیک حجت ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ "**بحمد الله**" کے الفاظ کے ساتھ روایت حسن درجے کی ہے۔ اس پر عمل کرنا اور اس کی ترغیب دینا جائز ہے۔

یہ روایت "**بذكر الله**" کے الفاظ کے ساتھ بھی مروی ہے:

كل كلام أو أمر ذي بال لا يفتح بذكر الله فهو أبتر أو قال أقطع. ❹

كل أمر ذي بال لا يبدأ فيه بذكر الله أقطع. ❺

ان الفاظ کے ساتھ بھی اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں سوائے قرہ بن عبدالرحمٰن

---

❶ إرواء الخليل فی تخريج أحاديث منار السبيل: مقدمة، ج ۱ ص ۳۲، رقم الحديث: ۲

❷ فتح القدير: كتاب الطهارة، فصل فی نواقض الوضوء، ج ۱ ص ۴۰

❸ مرقاة المفاتيح: كتاب الطهارة، باب ما يوجب الوضوء، ج ۱ ص ۳۶۸

❹ مسند أحمد: مسند أبي هريرة، ج ۱۴ ص ۳۲۹، رقم الحديث: ۸۷۱۲

❺ سنن الدار قطني: كتاب الصلاة، ج ۱ ص ۴۲۸، رقم الحديث: ۸۸۴

کے اور اس پر تفصیلاً بحث ماقبل میں ہو چکی ہے۔

یہ روایت ''بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم'' کے الفاظ کے ساتھ بھی مروی ہے:

كل أمر ذي بال لا يبدأ فيه ببسم اللّٰه الرحمن الرحيم فهو أبتر.

اس روایت کا اصل ماخذ حافظ عبد القادر الرہاوی رحمہ اللہ کی ''اربعین'' ہے لیکن باوجود تلاش کے یہ اصل کتاب دستیاب نہیں ہو سکی۔

علامہ عبدالرؤف مناوی رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۳۱ھ) نے اس حدیث کے تحت نقل کیا ہے:

وكذا الخطيب في تاريخه عن أبي هريرة. ❶

یہ روایت خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے تاریخ میں نقل کی ہے۔

یہ امام مناوی رحمہ اللہ کا تسامح ہے یہ روایت خطیب نے تاریخ میں نہیں بلکہ اپنی کتاب ''الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع'' میں نقل کی ہے، دیکھئے تفصیلاً: ❷

نیز اس روایت کو سند کے ساتھ علامہ تاج الدین سبکی رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۱ھ) نے بھی نقل کیا ہے، دیکھئے: ❸

لیکن ان دونوں سندوں میں راوی ''احمد بن محمد بن عمران ابوالحسن بن الجندی'' موجود ہے، اور یہ راوی ضعیف ہے۔

خطیب بغدادی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ روایت میں ضعیف ہیں، اور مذہب کے اعتبار سے بھی ان پر طعن موجود ہے، نیز امام ازہری رحمہ اللہ نے فرمایا: **ليس بشيء.** ❹

یہی جرح امام ذہبی رحمہ اللہ (متوفی ۷۴۸ھ) نے بھی نقل کی ہے، لیکن آخر میں یہ

---

❶ فيض القدير: حرف الكاف، ج۵ ص۱۳، رقم الحديث: ۶۲۸۴

❷ ما يبتدئ به المستملي من القول ينبغي أن يقرأ...... إلخ، ج۲ ص۶۹، رقم الحديث: ۱۲۱۰

❸ طبقات الشافعية الكبرى: مقدمة، ج۱ ص۱۲

❹ تاريخ بغداد: ترجمة: أحمد بن محمد بن عمران، ج۵ ص۲۸۲، رقم الترجمة: ۲۷۸۰

بھی نقل کیا:

قلت: روى عنه خلق. ❶

میں کہتا ہوں ان سے بہت سے لوگوں نے روایت کیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (متوفی ۸۵۲ھ) نے بھی خطیب کی مذکورہ جرح نقل کرنے کے ساتھ یہ بھی نقل کیا ہے:

وقال العتيقي كان يرمى بالتشيع وأورد بان الجوزي في الموضوعات. ❷

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ (متوفی ۵۹۷ھ) نے ان سے مروی روایت کو موضوعات میں نقل کیا ہے، اور ان کے متعلق خطیب بغدادی، امام ازہری اور امام عتیقی رحمہم اللہ کی جرح نقل کی ہے، دیکھئے تفصیلاً: ❸

علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۴۲۰ھ) کی تحقیق یہ ہے مذکورہ بالا الفاظ کے ساتھ یہ روایت ''**ضعيف جدا**'' ہے، دیکھئے تفصیلاً: ❹

علامہ احمد بن محمد بن الصدیق غماری رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۸۰ھ) کی تحقیق کے مطابق ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت موضوع ہے، دیکھئے تفصیلاً: ❺

ان الفاظ کے ساتھ ''**كل أمر ذى بال لا يبدأ فيه بحمد الله والصلاة علي فهو أقطع أبتر، ممحوق من كل بركة**''

---

❶ميزان الاعتدال: ترجمة: أحمد بن محمد بن عمران، ج ١ ص ١٤٧، رقم الترجمة: ٥٧٥

❷لسان الميزان: ترجمة: أحمد بن محمد بن عمران، ج ١ ص ٢٨٨، رقم الترجمة: ٨٥٢

❸الموضوعات: كتاب الفضائل والمثالب، ج ١ ص ٣٦٨، ٣٦٩

❹إرواء الغليل: مقدمة: ج ١ ص ٢٩، ٣٠، رقم الحديث: ١

❺المداوى لعلل الجامع الصغير وشرحى المناوى: حرف الكاف، ج ٥ ص ٢٩، رقم الحديث: ٦٢٨٤

یہ روایت موضوع ہے۔اس کی مکمل سند امام سبکی رحمہ اللہ نے نقل کی ہے، اس میں ایک راوی اسماعیل بن ابی زیاد شامل ہے، امام دار قطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''متروک یضع الحدیث'' دیکھئے تفصیلاً: ❶

علامہ سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت ثابت نہیں ہے، دیکھئے: ❷

علامہ مناوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اسماعیل بن ابی زیاد بہت ضعیف راوی ہے ان کی روایت اور زیادت کا اعتبار نہیں ہے:

وهو ضعيف جدا لا يعتبر بروايته ولا بزيادته.

امام خلیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

شيخ ضعيف.

اس میں ایک راوی حسن بن ابی القاسم اصبہانی ہے، امام مناوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

بأسانيد كلها مشحونة بالضعفاء والمجاهيل. ❸

یہ مجہول ہے، نیز ان سے مروی روایت ان اسانید کے ساتھ ہے جو ضعفاء اور مجاہیل راویوں سے بھری ہوی ہے۔

علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے بھی اس روایت کو موضوع کہا ہے، دیکھئے: ❹

پانچویں بحث: تسمیہ کی فضیلت سے متعلق روایات کی نشاندہی

اہلِ علم حضرات تسمیہ کے فضائل سے متعلق تفصیلاً روایات کے لئے ان تفاسیر کی طرف مراجعت فرمائیں۔

---

❶ميزان الاعتدال: ترجمة: إسماعيل بن أبي زياد، ج ۱ ص ۲۳۱، رقم الحديث: ۸۸۴

❷طبقات الشافعية الكبرى: مقدمة: ج ۱ ص ۱۹

❸فيض القدير: حرف الكاف، ج۵ ص ۱۴، رقم الحديث: ۶۲۸۵

❹سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة: ج ۲ ص ۳۰۳، رقم: ۹۰۲

۱......حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) نے تسمیہ کی فضیلت کے بارے میں گیارہ (۱۱) روایات نقل کی ہیں، نیز روایات میں اگر سنداً کچھ کلام ہے تو اس کی بھی نشاندہی بھی کی ہے۔ ❶

۲......علامہ ابن عادل حنبلی رحمہ اللہ (متوفی ۸۸۰ھ) نے "**فصل فی فضل البسملة**" کا عنوان ڈال کر تسمیہ کی فضیلت سے متعلق مختصر مگر عمدہ بحث کی ہے۔ ❷

۳......علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (متوفی ۹۱۱ھ) نے تسمیہ کی فضیلت سے متعلق سترہ (۱۷) روایات کو متعدد طرق سے نقل کیا ہے، کتب حدیث سے بسم اللہ کے متعلق احادیث وآثار کا ایک عمدہ ذخیرہ جمع کیا ہے، لیکن صحت کا التزام نہیں کیا ہے: ❸

۴......علامہ محمد بن علی بن محمد الشوکانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۵۰ھ) نے "**وقد ورد في فضلها أحاديث**" کا عنوان ڈال کر آٹھ (۸) روایات کو نقل کیا ہے، پھر آخر میں فرمایا:

وقد شرعت التسمية فی مواطن كثيرة، قد بينها الشارع منها عند الوضوء، وعند الذبيحة، وعند الأكل، وعند الجماع وغير ذلک. ❹

شریعت میں بہت سارے مواقع پر تسمیہ پڑھنا مشروع ہے، شارع نے ان مقامات کو بیان کیا ہے، ان میں سے چند ایک یہ ہیں: وضو کی ابتداء میں، ذبح کے وقت، کھانے کے شروع میں، جماع کرتے وقت اور اس کے علاوہ دیگر مواقع میں۔

۵......علامہ محمد بن عبد اللہ ہرری نے تسمیہ کی فضیلت کے بارے میں آٹھ (۸) احادیث نقل کی ہیں، دیکھئے: ❺

---

❶ تفسیر ابن کثیر: فصل فی فضلها، ج ۱ ص ۳۳ تا ۳۶

❷ اللباب فی علوم الكتاب: ج ۱ ص ۱۵۵، ۱۵۶

❸ الدر المنثور فی تفسير الماثور: قوله تعالى: بسم الله الرحمن الرحيم، ج ۱ ص ۲۱ تا ۳۰

❹ فتح القدير: ج ۱ ص ۱۸، ۱۹

❺ حدائق الروح والريحان: البحث الثانی فی فضلها، ج ۱ ص ۲۶، ۲۷

چھٹی بحث: کیا تسمیہ اس امت کے خواص میں سے ہے؟

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں:

اختلف العلماء فيها هل هي من خواص هذه الأمة أم لا فقال العلامة أبو بكر التونسي إجماع علماء كل ملة على أن الله تعالى افتتح كل كتاب بها. ❶

ترجمہ: علماء کے اس بارے میں اختلاف ہے کہ تسمیہ پڑھنا اس امت کے خواص میں سے ہے یا پہلی امتوں میں بھی اس کے پڑھنے کا رواج تھا؟ علامہ ابوبکر تونسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امت کے علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ہر کتاب کا افتتاح تسمیہ سے کیا ہے۔

تسمیہ کی ایک امتیازی حیثیت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن حکیم کی ایک سو چودہ سورتوں میں سے سورۂ توبہ کے علاوہ باقی تمام سورتوں کی ابتدائی آیت مبارکہ ہے، ترجمان قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كان النبي صلى الله عليه وسلم لا يعرف فصل السورة حتى تنزل عليه بسم الله الرحمن الرحيم. ❷

آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآنی سورتوں کے درمیان علیحدگی اور جدائی کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نازل ہونے سے پہچانتے تھے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآنی آیات طیبات کا نزول ہوتا رہتا تھا، جب بسم اللہ نازل ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو جاتا کہ پہلی سورت مکمل ہو چکی ہے اور اب نئی سورت کا نزول شروع ہو گیا ہے۔

---

❶ روح المعاني: سورة الفاتحة، آیت نمبر ۱ کے تحت، ج ۱ ص ۴۱

❷ سنن أبي داود: كتاب الصلاة، باب من جهر بها، ج ۱ ص ۲۰۹، رقم الحديث: ۷۸۸

اس سے آپ بسم اللہ کی عظمت اور شان کا اندازہ فرمائیں کہ قرآن حکیم کی کوئی آیت ایک مرتبہ نازل ہوئی، کوئی آیت دو دفعہ نازل ہوئی، کوئی تین دفعہ نازل ہوئی، مگر بسم اللہ کی عظمت و بزرگی کا یہ عالم ہے کہ یہ آیت مقدسہ اللہ رب العالمین کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی پر ایک سو چودہ مرتبہ نازل فرمائی گئی۔

واضح رہے کہ سورۂ توبہ کے شروع میں بسم اللہ نہیں ہے مگر سورۂ نمل میں دو دفعہ ہے، ایک مرتبہ شروع سورت میں اور دوسری بار اسی سورت کی آیت نمبر ۳۰ میں۔ لہٰذا اس کی تعداد قرآن کریم کی سورتوں کی تعداد کے برابر ہے۔

ساتویں بحث: تسمیہ سورہ فاتحہ کا جز ہے یا نہیں؟

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک ہے کہ تسمیہ قرآن کریم کی ایک آیت تامہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے دو سورتوں کے درمیان فصل کے لئے اتارا ہے، لیکن یہ سورہ فاتحہ کا جز نہیں ہے، جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔

مفسرین احناف کی تصریحات ملاحظہ فرمائیں

۱...... علامہ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد النسفی رحمہ اللہ (متوفی ۷۱۰ھ) فرماتے ہیں:

قراء المدينة والبصرة والشام وفقهاؤها على أن التسمية ليست بآية من الفاتحة ولا من غيرها من السور، وإنما كتبت للفصل والتبرك للابتداء بها، وهو مذهب أبي حنيفة ومن تابعه رحمهم الله. ❶

ترجمہ: مدینہ، بصرہ اور شام کے قراء وفقہاء کا مذہب یہ ہے کہ تسمیہ سورۂ فاتحہ کا جز نہیں ہے اور نہ ہی اس کے علاوہ سورتوں میں سے کسی کا جز ہے، تسمیہ کو سورتوں کی ابتداء میں فاصلے اور برکت کے لئے لکھا جاتا ہے، یہی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے متبعین کا مذہب ہے۔

---

❶ مدارك التنزيل: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۵

۲......علامہ محمد بن مصلح الدین المعروف شیخ زادہ رحمہ اللہ (متوفی ۹۵۱ھ) فرماتے ہیں:

إنـما الخلاف في البسملة التي في أوائل السور فعند قدماء الحنفية أنها ليسـت مـن الـقـرآن وأن تقييد التواتر في تعريف القرآن بقولهم بلا شبهة احتراز عنها ولما لاح للمتاخرين منهم بالنظر إلى الأدلة أنها من القرآن قالوا الصحيح من المذهب أنها آية واحدة من القرآن أنزلت للفصل والتبرك. ❶

ترجمہ: فقہاء کے درمیان اختلاف اس تسمیہ کے بارے میں جو سورتوں کے شروع میں ہے، متقدمین احناف اس بات کے قائل ہیں کہ یہ قرآنِ کریم کا جز نہیں ہے، اور انہوں نے قرآن کریم کی تعریف میں تواتر کے ساتھ "بـلا شبهة" کی قید لگا کر اس تسمیہ سے احتراز کیا ہے، اور جب متأخرین علماء احناف نے دلائل میں غور وفکر کیا تو ان کے سامنے یہ بات واضح ہوگئی کہ تسمیہ قرآن کریم کا جز ہے، تو انہوں نے کہا کہ صحیح مذہب یہ ہے کہ تسمیہ قرآن کریم کی ایک آیت ہے اور یہ سورتوں کے درمیان فصل اور برکت کے لئے اتاری گئی ہے۔

۳......علامہ قاضی ابوالسعو د محمد بن محمد حنفی رحمہ اللہ (متوفی ۹۸۲ھ) فرماتے ہیں:

الـمشهـور من مذهب قدماء الحنفية، وعليه قرّاءُ المدينة والبصرة والشـام وفـقهاؤها. إنها آية مفردة من القرآن أنزلت للفصل والتبرك بها وهو الصحيحُ. ❷

ترجمہ: متقدمین علمائے احناف، مدینہ، بصرہ اور شام کے قراء اور فقہاء کا مشہور مذہب یہ ہے کہ تسمیہ قرآن کریم کی مستقل ایک آیت ہے اور یہ سورتوں کے درمیان فصل اور برکت کے لئے اتاری گئی ہے اور یہی بات درست ہے۔

---

❶حاشية محى الدين شيخ زادة على تفسير القاضي البيضاوي: ج ۱ ص ۲۸

❷تفسير أبي السعود: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۸

۴......علامہ قاضی ثناءاللہ پانی پتی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) فرماتے ہیں:

ذهب قراء المدينة والبصرة وأبو حنيفة وغيره من فقهاء الكوفة إلى أنها ليست من الفاتحة ولا من غيرها من السور والافتتاح بها للتيمن فقيل وليست من القرآن والحق أنها من القرآن انزلت للفصل. ❶

ترجمہ: مدینہ اور بصرہ کے قراء امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور دیگر فقہاء کوفہ اس بات کی طرف گئے ہیں کہ تسمیہ نہ سورۂ فاتحہ کا جز ہے اور نہ اس کے علاوہ دیگر سورتوں کا جز ہے، سورتوں کے آغاز میں جو تسمیہ ہے یہ برکت کے حصول کے لئے ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ تسمیہ صرف قرآن کریم کا جز نہیں ہے، لیکن درست بات یہ ہے کہ تسمیہ سورتوں کے درمیان فصل کے لئے اتارا گیا ہے۔

۵......علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۴ھ) فرماتے ہیں:

لأن الصحيح من مذهبنا أنها آية مستقلة وهي من القرآن وإن لم تكن من الفاتحة. ❷

ترجمہ: ہمارا درست مذہب یہ ہے کہ تسمیہ قرآن کریم کی مستقل ایک آیت ہے اور قرآن کا جز ہے اگرچہ سورہ فاتحہ کا جز نہیں ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ تسمیہ سورہ فاتحہ کا جز ہے اور ہر ہر سورت کا بھی جز ہے۔

مفسرین شوافع کی تصریحات ملاحظہ کریں

علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں:

وقال قراء مكة والكوفة وأكثر فقهاء الحجاز إنها آية من الفاتحة، وهو قول ابن المبارك والثوری.

---

❶ التفسير المظهري: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۴

❷ أحكام القرآن: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۵

ترجمہ: مکہ اور کوفہ کے قراء اور اکثر حجاز کے فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ تسمیہ سورۂ فاتحہ کا جز ہے اور یہی حضرت عبداللہ بن مبارک اور امام سفیان ثوری رحمہما اللہ کا قول ہے۔

پھر اس کے بعد امام علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے تفصیلاً اپنے مذہب کی ترجیح کے لئے سولہ (۱۶) دلائل نقل کئے ہیں، اہلِ علم حضرات اصل تفسیر کی طرف مراجعت کریں۔ ❶

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) نے تفصیلاً پہلے امام رازی رحمہ اللہ کے تمام ادلہ کے ایک ایک کر کے جوابات دیئے پھر مذہب احناف کی ترجیح کے لئے قوی ادلہ نقل کئے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے اس مقام پر طویل گفتگو کی ہے اور سولہ (۱۶) دلائل اس بات کے اثبات پر نقل کئے ہیں کہ تسمیہ سورۂ فاتحہ کا جز ہے، جیسا کہ ان کے کلام میں اس بات کی صراحت موجود ہے، پس میں اللہ تعالی کی توفیق سے ان کا رد کرتا ہوں، اور یہ کوئی فخر کی بات نہیں ہے (محض اللہ تعالی کا فضل واحسان ہے) اور میں اپنے مذہب کی نصرت کرتے ہوئے اللہ تعالی کی توفیق وتائید اور نصرت سے یہ بات کہتا ہوں:

وقد أطال الفخر فی هذا المقام المقال وأورد ست عشرة حجة لإثبات أنها آية من الفاتحة كما هو نص كلامه فها أنا بتوفيق الله تعالى راده ولا فخر وناصر مذهبي بتأييد الله تعالى ومنه التأييد والنصر فأقول. ❷

اس کے بعد دس صفحات میں اسی موضوع پر سیر حاصل بحث کی اور امام رازی رحمہ اللہ کے تمام ادلہ کے جوابات دیئے پھر احناف کے دلائل نقل کئے، باذوق حضرات اصل تفسیر کی طرف مراجعت فرمائیں۔

امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ تسمیہ نہ سورہ فاتحہ کا جز ہے اور نہ ہی قرآن کریم کی کسی اور سورت کا جز ہے۔

---

❶ التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ۱ ص ۱۷۳

❷ روح المعاني: الاختلاف فی البسملة، ج ۱ ص ۵۴ تا ۶۵

مالکی مفسرین کی تصریحات ملاحظہ فرمائیں

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

ليست بآية من الفاتحة و لا غيرها، وهو قول مالك.

ترجمہ: تسمیہ نہ سورہ فاتحہ کا جز ہے اور نہ اس کے علاوہ کسی اور سورت کا، اور یہی امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے۔

تمام اقوال میں صحیح قول امام مالک رحمہ اللہ کا ہے کیوں کہ کسی چیز کا قرآن ہونا خبر واحد سے ثابت نہیں ہوسکتا، اس کے لئے ایسے قطعی تواتر کا ہونا ضروری ہے جس میں اختلاف کی گنجائش نہ ہو:

الصحيح من هذه الأقوال قول مالك، لأن القرآن لا يثبت بأخبار الآحاد وإنما طريقة التواتر القطعي الذي لا يختلف فيه. ❶

علامہ ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ (متوفی ۵۴۳ھ) امام مالک کا مذہب نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اتفق الناس على أنها آية من كتاب الله تعالى في سورة النمل، واختلفوا في كونها في أول كل سورة، فقال مالك وأبو حنيفة: ليست في أوائل السور بآية، وإنما هي استفتاح ليعلم بها مبتدؤها.

ترجمہ: اس بات پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے کہ سورۂ نمل کی آیت میں جو بسم اللہ ہے یہ قرآن کریم کا جز ہے، اختلاف اس تسمیہ کے بارے میں ہے جو ہر صورت کے شروع میں ہے، امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ سورتوں کے شروع میں جو تسمیہ ہے یہ قرآن کی آیت نہیں ہے، یہ آغاز کلام کے لئے ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ سورت کی ابتداء

---

❶ تفسير القرطبي: البسملة، الخامسة، ج ۱ ص ۱۲۹

یہاں سے ہورہی ہے۔

آگے فرماتے ہیں:

ویکفیک أنها لیست بقرآن للاختلاف فیها، والقرآن لا یختلف فیه، فإن إنکار القرآن کفر. ❶

ترجمہ: تسمیہ قرآن میں سے نہ ہونے کے لئے اتنی بات کافی ہے کہ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے، اگر یہ سورہ فاتحہ کا جز ہوتا تو ائمہ فقہاء کا اس میں اختلاف نہ ہوتا، کیوں کہ قرآن میں اختلاف نہیں ہوسکتا، یقینی بات ہے کہ قرآن کریم کا انکار کرنا کفر ہے۔

علامہ محمد علی صابونی نے تمام فقہاء کے مذاہب پھر ان کے دلائل تفصیلاً نقل کرنے کے بعد آخر میں فرماتے ہیں کہ احناف کا مسلک راجح ہے کیونکہ اس میں اعتدال ہے، افراط وتفریط نہیں ہے، جبکہ شوافع کا مذہب ہے تسمیہ سورہ فاتحہ کا جز ہے اور ہر ہر سورت کا بھی جز ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب تسمیہ نہ سورہ فاتحہ کا جز ہے نہ قرآن کی کسی اور سورت کا جز ہے اور نہ ہی قرآن کریم کی آیت ہے، جب کہ احناف کا مذہب ہے تسمیہ قرآن کریم کی ایک مستقل آیت تامہ ہے:

وبعد استعراض الأدلة وما استدل به کل فریق من أئمة المذهب نقول لعل ما ذهب إلیه الحنفیة هو الأرجح من الأقوال فهو المذهب الوسط بین القولین المتعارضین فالشافعیة یقولون أنها من آیة من الفاتحة ومن أوائل کل سورة فی القرآن والمالکیة یقولون لیست بآیة لا من الفاتحة ولا من القرآن. ❷

---

❶ أحکام القرآن: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ٦

❷ روائع البیان فی تفسیر آیات الأحکام من القرآن: سورة الفاتحة، الترجیح، ج ۱ ص ۳۷

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

اتفقت الأمة على جواز كتبها في أول كل كتاب من كتب العلم والرسائل. ❶

ترجمہ: اس بات پر امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ ہر دستاویز کے شروع میں ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' لکھنا جائز ہے، خواہ وہ کوئی دینی کتاب ہو یا خطوط ورسائل ہوں۔

آٹھویں بحث: تسمیہ کو نماز میں جھرًا پڑھا جائے گا یا سرًّا؟

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

فذهب الشافعي رحمه الله إلى أنه يجهر بها مع الفاتحة والسورة، وهو مذهب طوائف من الصحابة والتابعين وأئمة المسلمين ...... وذهب آخرون إلى أنه لا يجهر بالبسملة في الصلاة، وهذا هو الثابت عن الخلفاء الأربعة وعبد اللّٰه بن مغفل، وطوائف من سلف التابعين والخلف، وهو مذهب أبي حنيفة، والثوري، وأحمد بن حنبل.

ترجمہ: بعض صحابہ، تابعین، ائمہ مسلمین اور امام شافعی رحمہ اللہ کا یہ مذہب ہے کہ تسمیہ کو سورہ فاتحہ کے ساتھ جھرًا پڑھا جائے، جبکہ خلفاء راشدین، عبداللہ بن مغفل، امام ابوحنیفہ، امام سفیان ثوری، امام احمد بن حنبل اور سلف میں سے تابعین رحمہم اللہ کی ایک جماعت اس بات کے قائل ہیں کہ تسمیہ کو نماز میں سرًّا پڑھا جائے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فقہاء کے دلائل کو تفصیلاً لکھا ہے۔ اہلِ علم حضرات اصل تفسیر کی طرف مراجعت کریں، دیکھئے: ❷

---

❶ تفسير القرطبي: البسملة، السادسة، ج ۱ ص ۱۳۳

❷ تفسير ابن كثير: البسملة، ج ۱ ص ۱۱۱ تا ۱۱۳

علامہ محمد امین بن عبد اللہ ہرری نے فقہاء کے اختلافات کو پھر ان کے دلائل کو نہایت بسط کے ساتھ لکھا ہے، دیکھئے تفصیلاً: ❶

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ (متوفی ١٣٩٤ھ) نے احناف کے مذہب کو راجح قرار دیتے ہوئے اختصاراً عمدہ بحث کی ہے، دیکھئے: ❷

نویں بحث: تسمیہ کے فقہی مسائل

١...... ہر اچھا کام شروع کرنے سے پہلے تسمیہ پڑھنا مستحب ہے۔

٢...... وضو سے پہلے تسمیہ پڑھنا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مستحب ہے۔

٣...... نماز میں ثناء کے بعد تعوذ کے ساتھ تسمیہ پڑھنا بھی سنت ہے۔

٤...... قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے دو سورتوں کے درمیان تسمیہ کا پڑھنا مستحب ہے۔

٥...... حلال جانور کو ذبح کرتے وقت تسمیہ پڑھنا فرض ہے۔

٦...... سورہ توبہ کے علاوہ قرآن مجید کی ہر سورت کی تلاوت تسمیہ سے شروع کی جائے۔ اگر تلاوت کی ابتداء ہی سورہ توبہ سے کی جارہی ہو تو اس کے شروع میں بھی تسمیہ پڑھی جائے گی۔

٧...... اگر شکاری تسمیہ پڑھ کر تیر وغیرہ چلائے، یا شکاری کتے اور باز وغیرہ کو شکار پر چھوڑتے ہوئے ''بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم'' پڑھ لے تو یہ شکار حلال ہے، اگرچہ بعد میں اس کو اس جانور کے ذبح کرنے کا موقع نہ ملے۔

٨...... ناجائز اور حرام کاموں کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے نام (تسمیہ وغیرہ) سے شروع

---

❶ حدائق الروح والريحان: ج ١ ص ٢٩، ٣٠

❷ أحكام القران: أحكام البسملة، ج ١ ص ٦

نہیں کرنا چاہئے ورنہ کفر کا اندیشہ ہے۔

۹......خطبہ سے پہلے اور کھانا کھانے سے پہلے بھی تسمیہ پڑھنا مستحب ہے۔❶

دسویں بحث: حرف باء چودہ معانی میں استعمال ہوتا ہے

علامہ ابن ہشام رحمہ اللہ (متوفی ۷۶۱ھ) نے لفظ باء کے چودہ معانی نقل کئے ہیں:

الاول: الالصاق، الثانی: التعدية، الثالث: الاستعان، الرابع: السببية، الخامس: المصاحبة، السادس: الظرفية، السابع: البدل، الثامن: المقابلة، التاسع: المجاوزة، العاشر: الاستعلاء، الحادی عشر: التبعيض، الثانی عشر: القسم، الثالث عشر: الغاية، الرابع عشر: التوكيد.

علامہ ابن ہشام رحمہ اللہ نے ان تمام معانی کو مع امثلہ کے ذکر کیا ہے۔ اس کے متعلق مالہا وما علیہا تمام مباحث کو تفصیلاً لکھا، اہلِ علم حضرات مراجعت فرمائیں۔❷

حرفِ باء کی افادیت

کلمات تسمیہ کا پہلا حرف باء ہے، جس کا معنیٰ ''سے'' کیا گیا ہے یہ فعل محذوف سے متعلق ہے، محذوف سے مراد وہ فعل اور فاعل ہے جس کا ذکر یہاں لفظاً نہیں بلکہ معناً موجود ہے۔ یعنی ''میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے'' گویا حرفِ باء فعل محذوف کو اللہ کے نام سے ملانے کے لئے استعمال ہوا ہے۔ حرف باء کی اپنے استعمال وافادیت کے لحاظ سے

---

❶أحكام القرآن للجصاص: البسملة، ج ۱ ص ۱۲ / الفقه الإسلامي وأدلته، قراءة القرآن وحفظه، أداب التلاوة، ج۲ ص ۱۱۰۱، ۱۱۰۲ / الفتاوى الهندية: كتاب الكراهية، الباب الرابع، ج۵ ص ۳۱۵، ۳۱۶/ أحكام القرآن للعثماني: سورة الفاتحة، أحكام البسملة، ج ۱ ص ۴/ حدائق الروح والريحان: مباحث البسملة، ج ۱ ص ۲۵ تا ۲۸

❷مغنى اللبيب عن كتب الأعاريب: الباب الأول، حرف الباء، ج ۱ ص ۲۷۳ تا ۲۸۷

متعدد اقسام ہیں، جنہیں علماءِ نحو نے شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے، لیکن یہاں یہ حرف ان میں سے تین اقسام پر مشتمل ہوسکتا ہے:

۱..... بائے مصاحبت ۔۲..... بائے استعانت ۔۳..... بائے تیمن وتبرک

۱..... بائے مصاحبت

الصاق ومصاحبت کا معنی اکٹھا ہونا، متصل ہونا اور رفاقت ومعیت اختیار کرنا ہے، اس صورت میں جب کہ باءِ مصاحبت کے لئے تصور کی جائے تو تسمیہ کا مفہوم یہ ہوگا کہ میں اللہ رب العزت کے نام کو اپنا ساتھی بناتے ہوئے، اس کے دامنِ رحمت سے وابستہ اور منسلک ہوتے ہوئے اور محض اسی کی رفاقت ومعیت پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنے کام کا آغاز کرتا ہوں۔امام رازی رحمہ اللہ اس مقام پر فرماتے ہیں:

هذا الباء باء الإلصاق فهو يلصق العبد بالرب فهو كما المقصود. ❶

یہ 'باء' بائے الصاق ہے چنانچہ یہ بندے کو رب سے ملاتی ہے اور یہی انسانی مقصود کا کمال ہے۔

بسم اللہ کے ذریعے دل ودماغ میں یہ احساس جاگزیں کیا جارہا ہے کہ اللہ تعالی پر بھروسہ کروگے تو اس کی معیت تمہیں حاصل ہوگی، جس کی معیت وحفاظت کے باعث تمہیں نہ کوئی نقصان پہنچ سکے گا اور نہ ہی تمہاری کاوشیں بے نتیجہ ہوں گی۔اسی تصور کو قرآن یوں بیان کرتا ہے:

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ''. (الحدید: ۴)

ترجمہ: اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو اور اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔

اسی طرح شبِ ہجرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو غارِ ثور میں تنہائی کے احساس سے

---

❶ تفسیر کبیر: ج ۱ ص ۹۹

کچھ خدشہ سا محسوس ہوا کہ شاید کفار مکہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعاقب میں تھے انہیں نقصان نہ پہنچادیں۔اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بزبان وحی ارشادفرمایا:

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلَیْہِ. (التوبۃ: ۴۰)

ترجمہ: غمزدہ نہ ہو بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے، پس اللہ نے ان پر اپنی تسکین نازل فرمادی۔

۲..... بائے استعانت

استعانت سے مراد مدد طلب کرنا ہے، اس معنی کے لحاظ سے مفہوم تسمیہ یہ ہوگا کہ اللہ رب العزت کے نام سے مدد طلب کرتے ہوئے شروع کرتا ہوں، حضرت نوح علیہ السلام نے قیامت خیز طوفان سے اپنے پیروکاروں کو بچانے کے لئے حکم الٰہی سے ایک کشتی بنائی اور انہیں اس میں سوار ہوجانے کو کہا۔قرآن حکیم اس کا تذکرہ اس طرح کرتا ہے:

وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰهَا اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. (ھود: ۴۱)

ترجمہ: اور نوح نے کہا: تم لوگ اس میں سوار ہو جاؤ اللہ ہی کے نام سے اُس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا ہے، بے شک میرا رب بڑا ہی بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

گویا اس آیت مبارکہ کے ذریعے جملہ مبہمات میں خدائے رحمٰن رحیم کے نام سے استعانت کی تعلیم دی جارہی ہے تاکہ انسان پر یہ حقیقت آشکارا ہو کہ اللہ تعالیٰ کی مدد واعانت کے بغیر نہ تو کسی خیر کو حاصل کیا جاسکتا ہے اور نہ کسی شر سے محفوظ رہا جاسکتا ہے۔

قرآنِ کریم میں حرف باء کا استعمال کئی مقامات پر اسی مقصد کے لئے ہوا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ.

(البقرة:۱۵۳)

ترجمہ: اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعے (مجھ سے) مدد چاہا کرو، یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ (ہوتا) ہے۔

یہاں صبر اور نماز دونوں کو ذریعۂ استعانت کے طور پر بیان کیا گیا ہے کہ استعانت تو لامحالہ باری تعالی سے ہوگی، لیکن اس کے کامل استحقاق کے لئے صبر و نماز کو اپنالو تا کہ ان کے واسطے سے اللہ تعالی کا لطف و کرم اور عنایت و اعانت زیادہ سے زیادہ نصیب ہو سکے۔ اسی تصور کو ایک اور مقام پر یوں واضح کیا گیا ہے:

قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا. (الأعراف:۱۲۸)

ترجمہ: موسی علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: تم اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو۔

۳..... بائے تبرک

تبرک کا معنی برکت حاصل کرنا ہے، لہذا بائے تبرک کے حوالے سے تسمیہ کا معنی یہ ہوگا کہ ''اللہ کے نام سے برکت حاصل کرتے ہوئے شروع کرتا ہوں'' خدا کے نام سے شروع کرنا اس اعتبار سے باعث برکت ہے کہ اس کام کے پایۂ تکمیل تک پہنچنے کے امکانات زیادہ روشن ہو جاتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اسباب و وسائل کا مہیا کرنا بھی تو اسی کا کام ہے، اس لئے جب اس ذات کے مقدس نام سے برکت طلب کی جائے تو وہ ذات اس کام کا انجام تک پہنچنا آسان کر دیتی ہے اس لئے حدیثِ مبارکہ کی روشنی میں جو کام بسم اللہ پڑھے بغیر شروع کیا جائے وہ دُم بریدہ اور ناقص رہ جاتا ہے۔ جس امر کا افتتاح خدا کے ذکر کے بغیر ہوگا، انجام خیر تک نہیں پہنچے گا۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ کی رائے

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں:

فالباء إما للاستعانة أو المصاحبة أو الإلصاق أو الاستعلاء أو زائدة أو قسمية والأربعة الأخيرة ليست بشيء و اختلف في الأرجح من الأولين فالذي يشعر به كلام البيضاوی أرجحية الأول... ما يدل عليه كلام الزمخشری أرجحية الثاني... وعندی: أن الاستعانة أولی بل يكاد أن تكون متعينة إذ فيها من الأدب والاستكانة وإظهار العبودية ما ليس في دعوی المصاحبة. ❶

ترجمہ: لفظ باء استعانت کے لئے ہے یا مصاحبت یا الصاق یا استعلاء یا زائدہ یا قسم کے لئے ہے، آخری چار معانی مراد لینا یہاں درست نہیں ہے، اب اختلاف اس میں کہ راجح معنی کون سا ہے، امام بیضاوی رحمہ اللہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے پہلے والے یعنی استعانت کے معنی کو ترجیح دی ہے۔ جب کہ امام زمخشری رحمہ اللہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرا معنی یعنی مصاحبت والے کو ترجیح دی ہے۔ جب کہ میرے نزدیک راجح استعانت والا معنی ہے، بلکہ قریب ہے کہ یہی معنی متعین ہو اس لئے کہ اس میں ادب، عاجزی اور عبودیت کا اظہار زیادہ ہے، جو مصاحبت والا معنی مراد لینے کی صورت میں نہیں ہے۔

---

❶ روح المعانی فی تفسير القرآن العظيم: سورة الفاتحة، البحث الثالث فی معناها، ج ۱ ص ۶۴،۶۵

گیارہویں بحث: حرف باء کے ذریعے قرآنِ کریم شروع کرنے کی حکمت

علامہ محمد امین بن عبداللہ ہرری نے اس کی متعدد حکمتیں نقل کی ہیں:

أحدها: أن في الألف ترفعا وتكبرا وفي الباء انكسارا وتواضعا. ثانيها: أن الباء مكسورة أبدا وانكسار في الصورة. ثالثها: أنه لما عرضت عليها النقط ما قبلت إلا واحدة ليكون حالها كحال محب لا يقبل إلا محبوبا واحدا. رابعها: أن الألف حرف علة بخلاف الباء. خامسها: أن الباء حرف شفوي ولذلک كان أول انفتاح نسم الذرة الإنسانية في عهد اللّٰه بربكم بالباء في جواب بلى فلما كان الباء أول حرف نطق به الانسان. ❶

١...... الف میں ترفع اور تکبر ہے جبکہ لفظ باء میں عاجزی اور تواضع ہے۔

٢...... حرف باء ہمیشہ مکسور ہوتا ہے اس میں صورتاً انکساری کا معنی ہے۔

٣...... حرف باء صرف ایک نقطے کو قبول کرتا ہے جیسے محبّ ایک محبوب کو قبول کرتا ہے۔

٤...... الف حرف علت ہے بخلاف باء کے۔

٥...... باء حرف شفوی میں سے ہے، سب سے پہلا لفظ جو انسانی زبان سے جاری ہوا وہ باء ہے کیونکہ "عَهْدِ اَلَسْتُ" کے جواب میں لفظ "بَلٰی" کہا، تو اس میں سب سے پہلا حرف باء ہے۔

علامہ محمد موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

❶ حدائق الروح والريحان: سورة الفاتحة، البحث الخامس، ج ١ ص ٣١، ٣٢

منها أنها أول حرف نطق به بنو آدم في عالم المثال في الأزل حيث قالوا بلى في جواب قوله تعالى الست بربكم وأول حرف بلى هو الباء. منها ما صرح به غير واحد من المفسرين الكبار أن أول حرف يتكلم به الطفل غالبا حرف الباء وذلك من نتائج ما قالوا في الأزل بلى في جواب سؤاله تعالى الست بربكم. منها أنها أول القرآن. منها أنها أول كل امر ذي بال، حديث يبدأ بالبسملة وأول البسملة الباء. ❶

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کا آغاز لفظ باء سے کیا، اس میں کئی حکمتیں ہیں: ١.....ازل میں عالم مثال میں سب سے پہلے انسانوں نے جس حرف پر تکلم کیا وہ لفظ باء ہے، جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے بندوں سے وعدہ لیا ''أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ'' کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو سب نے جواب میں لفظ ''بلى'' کہا اور اس میں سب سے پہلا حرف باء ہے۔ ٢.....اکثر کبار محدثین نے اس بات کی تصریح کی ہے بچہ سب سے پہلے عموماً جس لفظ پر تکلم کرتا ہے وہ ''باء'' ہے اور یہ اس وجہ سے کہ اس نے ازل میں عہد ''أَلَسْتُ'' کے جواب میں لفظ ''بَلَى'' کہا ہے (اور عالم ازل میں چونکہ سب سے پہلے تکلم ''باء'' پر کیا تھا اس لئے عالم دنیا میں بھی عموماً انسان سب سے پہلے اس پر تکلم کرتا ہے)۔ ٣.....قرآن کریم کا آغاز تسمیہ سے ہوتا ہے اور اس میں پہلا حرف لفظ ''باء'' ہے۔ ٤.....حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مہتم بالشان کام کا آغاز بسم اللہ سے کرو، اور بسم اللہ کی ابتداء میں سب سے پہلا حرف ''باء'' ہے۔

بسم اللہ کے باء کو طویل کر کے لکھنے کی وجہ

سوال: رسم الخط کا قاعدہ یہ ہے کہ جس اسم کے شروع میں ہمزہ وصل ہو تو وہ اسم

---

❶ فتح الله بخصائص اسم الله: الباب الثاني والسبعون، ج٢ ص ١٧١

درمیان کلام میں ہوگا یا اول کلام میں، اگر اول کلام میں ہوتو ہمزہ وصل کتابت اور تلفظ دونوں میں باقی رہے گا، اور اگر درمیان میں ہوتو ہمزہ وصل کتابت میں باقی رہتا ہے لیکن تلفظ میں گر جاتا ہے۔ جیسے ’’اقرأ باسم ربک‘‘ میں، لہٰذا ’’بسم اللّٰہ‘‘ میں درمیان کلام میں ہونے کی وجہ سے گر جاتا، البتہ کتابت میں باقی رہتا، حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ تلفظ اور کتابت دونوں میں گرا ہوا ہے؟

۱......جواب: ’’بسم اللّٰہ‘‘ کثرتِ استعمال کی وجہ سے خفت کا تقاضا کرتا ہے اور کبھی خفت حاصل ہوتی ہے حذف کرنے سے، لہٰذا یہاں بھی ہمزہ کو کتابت میں حذف کر دیا تاکہ آسانی ہو، اور بالکل نسیاً منسیا نہیں کیا بلکہ حذف پر قرینہ موجود ہے۔ یعنی حرف باء کو ذرا طویل کر کے لکھا تاکہ حذفِ ہمزہ پر دلالت کرے۔

۲......جواب: علامہ قتیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حرف باء کو طویل کر کے لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کا آغاز ایک طویل وعریض لفظ سے ہو، اسی وجہ سے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے کاتبوں کو حکم دیا کہ حرف باء کو طویل کر کے لکھو اور سین کے دندانے خوب ظاہر کرو اور میم کو گولائی میں لکھو، کتاب اللہ کی تعظیم کی وجہ سے:

طولوا الباء من بسم اللّٰه وما طولوها في سائر المواضع، وذكروا في الفرق وجهين: الأول: أنه لما حذفت ألف الوصل بعد الباء طولوا هذه الباء ليدل طولها على الألف المحذوفة التي بعدها، قال القتيبي، إنما طولوا الباء لأنهم أرادوا أن لا يستفتحوا كتاب اللّٰه إلا بحرف معظم، وكان عمر بن عبد العزيز يقول لكتابه طولوا الباء، وأظهروا السين. ودوروا الميم تعظيما لكتاب اللّٰه. ❶

❶التفسير الكبير: الكتاب الثانی، الباب الثانی، ج ۱ ص ۱۰۳

حرفِ باءکوکسرہ دینے کی وجہ

باءجارہ کوکسرہ دینے میں تین اقوال ہیں: ایک یہ کہ اس کالفظ بھی اس کے عمل کے مطابق ہو جائے۔ دوسرا یہ کہ چوں کہ باءصرف اسماء پر داخل ہوتی ہے اور کسرہ اسماء کی خصوصیات میں سے ہےاس لئے اسے بھی کسرہ دیا گیا۔اس کی تیسری وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اس میں اور ایسے حروف میں فرق واضح ہو جائے جو کبھی کبھی بطوراسم استعمال ہوتے ہیں۔❶

بسم اللہ کے حرف باء میں تمام مضامین کا خلاصہ ہے

علامہ خطیب شربینی رحمہ اللہ (متوفی ۹۷۷ھ) فرماتے ہیں:

وجميع كل الكتب مجموعة في الفاتحة ومعاني الفاتحة مجموعة في البسملة ومعانيها مجموعة في بائها.❷

ترجمہ: تمام کتابوں کے مضامین کا خلاصہ سورۂ فاتحہ میں ہے،اورسورۂ فاتحہ کے معانی ومضامین کا خلاصہ تسمیہ میں ہے،اورتسمیہ کے معانی ومطالب کا خلاصہ لفظ باء میں ہے۔

علامہ علی بن احمد العزیزی رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۷۰ھ) فرماتے ہیں:

ومعاني كل الكتب مجموعة في القرآن ومعاني القرآن مجموعة في الفاتحة ومعاني الفاتحة مجموعة في البسملة ومعاني البسملة مجموعة في بائها.❸

ترجمہ: تمام کتابوں کے معانی ومضامین کا خلاصہ قرآن کریم میں ہے، اورقرآن کریم کے مضامین کا خلاصہ سورۂ فاتحہ میں ہے،اورسورۂ فاتحہ کے مضامین کا خلاصہ بسم اللہ

❶تفسير القرطبي: الكلام في البسملة، ج ۱ ص ۱۰۰

❷السراج المنير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص۷

❸السراج المنير شرح الجامع الصغير في أحاديث البشير النذير: ج ۱ ص ۳

میں ہے، اور بسم اللہ کے معانی کا خلاصہ لفظ ''باء'' میں ہے۔

بارہویں بحث: جار مجرور کے لئے متعلق مقدم نکالیں گے یا مؤخر؟

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں:

وعندي هنا يقدر مقدمًا، وبه قال الأكثرون وإن تقديره مؤخرا مؤخر عن ساحة التحقيق. ❶

ترجمہ: اکثر اہل علم اور میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ جار مجرور کے لئے متعلّق مقدم نکالیں گے۔ اور جن حضرات نے یہ فرمایا کہ مؤخر نکالیں گے ان کا قول تحقیق سے ہٹ کر ہے۔

تسمیہ میں عامل کے حذف کرنے کی وجہ

شریعت نے تمام جائز کاموں میں بسم اللہ پڑھنے کی ترغیب دی ہے اب انسانی افعال غیر محصور ہیں، اگر ہر ہر فعل کو ذکر کیا جاتا تو کلام میں بہت طوالت آ جاتی، اس لئے قرینہ کے مطابق اس کا عامل محذوف نکالا جائے گا، مثلاً بوقتِ تلاوت ''اقــــرأ'' پانی پیتے وقت ''اشرب'' کھانا کھاتے وقت ''أكل'' وغیرہ، تو حذفِ عامل کی وجہ کلام کو طوالت سے بچانا ہے، ورنہ بسم اللہ اتنا طویل ہوجاتا کہ اس کا پڑھنا ہی دشوار ہوجاتا اس لئے عامل کو حذف کیا گیا ہے۔

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) نے ایک قاعدہ کلیہ بیان کیا ہے کہ ہر کام کرنے والے شخص کو چاہئے کہ جس کام کو تسمیہ سے شروع کرے اسی کام پر دلالت کرنے والے لفظ سے ایک فعل مشتق مان کر تسمیہ کو اس کے متعلق کر دے:

كذلك يضمر كل فاعل ما يجعل التسمية مبدأ له. ❷

---

❶ روح المعانی: سورة الفاتحة، البحث الثالث، ج ۱ ص ۶۸

❷ التفسير البيضاوی: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۴

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد النسفی رحمہ اللہ (متوفی ۷۱۰ھ) فرماتے ہیں:

كل فاعل يبدأ في فعله بسم الله كان مضمرا ما جعل التسمية مبدأ له. ❶

تسمیہ سے پہلے حذفِ فعل کے فوائد

سوال: بسم اللہ سے پہلے کسی فعل کا ذکر کیوں نہیں کیا جاتا، یعنی ''أبـدأ'' بسم اللہ کیوں نہیں کہا جاتا؟

جواب: بسم اللہ کے عامل (فعل) کو چند فوائد کی بنا پر حذف کیا گیا ہے۔۱..... یہ ایسا مقام ہے جہاں اللہ تبارک وتعالی کے ذکر کے سوا اور کوئی چیز مقدم نہیں ہونی چاہئے۔ اگر پہلے فعل ذکر کیا جاتا تو بہرحال وہ فاعل کے ساتھ پہلے آتا، تو ایسی صورت میں اصل مقصود کے خلاف ہوتا۔

فعل کے حذف ہونے کی صورت میں لفظاً ومعناً مشابہت ہوگئی، یعنی معنوی اور حقیقی طور پر اللہ رب العزت کی ذات ہر چیز پر مقدم ہے، اسی طرح لفظاً ابتداء بھی اسی کے نام سے ہونی چاہئے۔ جیسا کہ ہم نماز میں کہتے ہیں ''الله أكبر'' يعني من كل شيء (اللہ ہر چیز سے بڑا ہے) لیکن ہم اس مقدر لفظ ''من كل شيء'' کو زبان پر نہیں لاتے تاکہ لفظ قلبی مقصود کے مطابق ہو جائے اور وہ یہ ہے کہ دل میں اللہ رب العزت کے سوا اور کوئی نہ ہو۔ جب نمازی کا دل خالص اللہ ہی کی یاد سے بھرپور ہے تو پھر اسی طرح زبان پر بھی اسی کا نام آنا چاہئے۔

۲.....فعل کے حذف ہونے کی صورت میں ہر قسم کی حرکات، اعمال واقوال کو بسم للہ کے ساتھ شروع کرنا درست ہوگا۔ کسی ایک فعل کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جاسکتی اس بنا پر حذفِ فعل، ذکرِ فعل سے زیادہ عمومیت رکھتا ہے۔ کیونکہ آپ جو بھی فعل ذکر کریں گے

---

❶ مدارک التنزیل: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۶

محذوف بہرحال اس سے زیادہ وسعت رکھے گا۔

۳.....فعل کے حذف میں زیادہ بلاغت ہے۔اس کلمہ بسم اللہ کا بولنے والا گویا یہ دعویٰ کررہا ہے کہ وہ مشاہدہ کی بناپر فعل کے تلفظ سے بے نیاز ہے۔اس لئے کہ مشاہدہ اور زبانِ حال بتلا رہی ہے کہ یہ کام اور باقی تمام افعال اللہ تعالیٰ کے نام سے ہی وابستہ ہیں۔اس لئے زبانِ حال کی طرف توجہ دلانا مقال کی طرف توجہ دلانے سے زیادہ بلیغ اور واضح ہے۔ ❶

تیرہویں بحث:لفظِ اسم کے متعلق تحقیق

لفظِ اسم کا معنی اور ماخذِ اشتقاق

لفظ''اسم''نام کے معنی میں استعمال ہوتا ہے،اس کی تعریف عام طور پر یوں کی گئی ہے:

الاسم ما یعرف به ذات الشیئ. ❷

اسم وہ لفظ یا علامت ہے جس سے کوئی چیز پہچانی جائے۔

اس کے لغوی اشتقاق کے بارے میں علماء کے دو اقوال ہیں، پہلے قول کے مطابق یہ''**سَمَا یَسْمُوْ**''سے مشتق ہے اور دوسرے کے مطابق''**وَسَمَ یَسِمُ**''سے۔

ا.....''**سِمْوٌ**''یہ لفظِ اسم کا پہلا مادۂ اشتقاق ہے جس کا معنی بلندی ہے،اسی سے''**السِّمْوُ**''ہے جو بلند ہونے اور ظاہر ہونے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے،آسمان کو بھی اس کی بلندی کے باعث''**سماء**''کہتے ہیں۔نام کو محض اس لئے''**اسم**''کہتے ہیں کہ اس کے ذریعے کسی شخص کا ذکر کیا جاتا ہے اور اس کی ذات کو ظہور ملتا ہے۔اگر کسی کا نام نہ لیا جائے تو وہ شخصیت مخفی رہتی ہے،اس کے ظاہر ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ گمنامی اور اخفاء کی کیفیت سے نکل کر ذکر اور ظہور کی بلندی تک پہنچ جائے۔کیونکہ نامعلوم کا معلوم ہوجانا یقیناً

---

❶ بدائع الفوائد

❷ المفردات في غريب القرآن: كتاب السين، سما، ۴۲۸

ظہوراور بلندی ہی کی ایک صورت ہے۔امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلسِّمْوُ وهو الذي به رفع ذكر المسمى فيعرف به. ❶

''سمو''اس سے مراد وہ نام ہے جس کے ذریعے مسمی کا ذکر بلند اور نمایاں ہوتا ہے اور وہ پہچانا جاتا ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ لفظِ اسم کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فاسم الشيئ ما علاه حتى ظهر ذلک الشئ به. ❷

پس کسی چیز کا اسم وہ (نام) ہے جو اس چیز کو بلند کرے یہاں تک کہ وہ چیز ظاہر ہو جائے۔

اسم کے اشتقاق کے سلسلے میں یہ نقطۂ نظر علماء بصرہ کا تھا۔

۲.....''وِسْمٌ''علماء کوفہ کے نزدیک اسم کا مادہ اشتقاق''وَسَم''ہے۔

''وَسَمَ، يَسِمُ، سِمَةً''کا معنی علامت اور پہچان ہے، جب کہ امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

الوسم: التأثير، والسِّمة: الأثر. ❸

وسم تاثیر کو اور سمہ اثر کو کہتے ہیں۔

قرآن میں''وسم''بمعنی علامت کی تائید یوں ملتی ہے:

سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ. (الفتح: ۲۹)

ان کی علامت ان کے چہروں پر نمایاں ہے جو سجدوں کا اثر ہے۔

قرآن پاک میں مزید فرمایا گیا:

---

❶المفردات في غريب القرآن: كتاب السين، سما، ۴۲۸

❷التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الكتاب الثاني، الباب الثالث، ج ۱ ص ۱۰۵

❸المفردات: كتاب الواو، وسم، ص ۸۷۱

تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ. (البقرة:۲۷۳)

تم انہیں ان کی صورت سے پہچان لوگے۔

علامت اور تاثیر کے دونوں معنوں میں تطبیق یہ ہے کہ کسی چیز کی تاثیر ہی دراصل اس چیز کی صحیح پہچان اور علامت ہوا کرتی ہے، اس لئے یہ دونوں معنی ایک ہی مدعا کو پورا کر رہے ہیں۔ مذکورہ بالا بحث کی روشنی میں یہ بالکل واضح ہو چکا ہے کہ لفظِ اسم کا پہلا معنی بھی کسی چیز کے ظاہر ہونے پر دلالت کرتا ہے اور دوسرا بھی۔

بصریین اور کوفیین کے درمیان اختلاف اور ان کے دلائل

بصریین کا مذہب ہے کہ لفظ اسم اصل میں ''سمو'' تھا جبکہ کوفیین کے ہاں اصل میں ''وسم'' تھا بصریین دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ اس کی جمع ''أسماء'' اور جمع الجمع ''آسامی'' آتی ہے اور اس کی تصغیر ''سُمَیٌّ'' آتی ہے، اور فعلِ مجہول کا صیغہ ''سمیت'' آتا ہے اگر یہ اصل میں ''وسم'' ہوتا تو اس کی جمع ''أوسام'' اور جمع الجمع ''أواسم'' اور تصغیر ''وسیم'' آتی جبکہ اس طرح نہیں۔

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں:

والاسم عند أصحابنا البصريين من الأسماء التي حذفت أعجازها لكثرة الاستعمال، وبنيت أوائلها على السكون، وأدخل عليها مبتدأ بها همزة الوصل، لأن من دأبهم أن يبتدءوا بالمتحرك ويقفوا على الساكن. ويشهد له تصريفه على أسماء وأسامي وسمى وسميت ومن السمة عند الكوفيين، وأصله وسم حذفت الواو وعوضت عنها همزة الوصل ليقل إعلاله. [1]

ترجمہ: لفظ اسم بصریین کے نزدیک ان اسماء میں سے ہے جن کے آخری حرف کو کثرت استعمال کی وجہ سے حذف کر دیا گیا اور ابتدائی حرف کو ساکن رکھا گیا، پھر ابتداء

---

[1] التفسیر البیضاوی: البسملة، ج ۱ ص ۲۵

کرنے کے واسطے شروع میں ہمزہ وصل کا اضافہ کیا گیا کیونکہ اہل عرب کا طریقہ یہی ہے کہ وہ حرف متحرک سے ابتداء کرتے ہیں اور حرف ساکن پر ٹھہرتے ہیں، اور بصریین کے مسلک کے لئے شاہد اسم کی وہ گردان ہے جو ''أسماء، أسامي، سمي، سميت'' کے وزن پر آتی ہے۔ اور کوفیین کے نزدیک اسم ''سمة'' سے مشتق ہے، اور اصل میں ''وسم'' تھا، واؤ کو حذف کر کے ہمزہ وصل کو اس کے عوض میں لائے تا کہ اعلال کم ہو۔

امام بغوی رحمہ اللہ کے نزدیک راجح مذہب

امام بغوی رحمہ اللہ (متوفی ۵۱۶ھ) فرماتے ہیں:

قال المبرد من البصريين: هو مشتق من السمو وهو العلو، فكأنه علا على معناه وظهر عليه وصار معناه تحته، وقال ثعلب من الكوفيين: هو من الوسم وهي العلامة وكأنه علامة لمعناه والأول أصح. [1]

ترجمہ: بصریین میں سے امام مبرد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسم مشتق ہے ''سمو'' سے اور اس کا معنی بلندی ہے، گویا کہ یہ اپنے معنی پر بلند اور غالب ہے اور معنی اس کے ماتحت ہے، کوفیین میں سے امام ثعلب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسم مشتق ہے ''وسم'' سے اور اس کا معنی علامت ہے گویا یہ اپنے معنی کے لئے علامت ہے، لیکن اول مذہب زیادہ صحیح ہو اور راجح ہو۔

یہاں لفظِ اسم کے زائد لانے میں حکمت

یہاں لفظ اسم زائد لانے کا مقصد متعین کرنے میں اختلاف ہے۔ امام قطرب رحمہ اللہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے ذکر کی جلالتِ شان اور تعظیم کے پیشِ نظر اسے لایا گیا۔ امام اخفش رحمہ اللہ کہتے ہیں: اگر اصل لفظ باللہ لایا جاتا تو اس سے قسم کا معنی پایا جاتا، اس سے بچنے کے لئے لفظ اسم کا اضافہ کر دیا گیا تا کہ اس سے قسم کے بجائے برکت کا مفہوم پیدا ہو۔

[1] معالم التنزيل: سورة الفاتحة، ج ١ ص ٦١

چودہویں بحث: اسم اور مسمی کا تعلق

اس موضوع پر زمانہ قدیم میں حشویہ، کرامیہ اور اشاعرہ کا نقطہ نظر یہ تھا کہ اسم اور مسمی ایک دوسرے کا عین ہیں ان میں کوئی فرق و امتیاز نہیں، لیکن یہ موقف اس لئے درست نہ تھا کیونکہ مسمی کسی ذات یا صفت کو کہتے ہیں اور اسم اس کے مظہر یعنی ظاہر کرنے والے کو۔ اس لئے ان کو ایک ہی چیز تصور کرنا غلط ہے، مذہب مختار بھی یہی ہے کہ اسم مسمی کا غیر ہے۔ اس فرق کو یوں آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے کہ ''آگ'' کا لفظ اسم ہے اور آگ بذاتِ خود مسمی، آگ کی اپنی ایک مستقل ماہیت اور تاثیر ہے جس کی بناء پر وہ جلاتی ہے، یہ جلانے کا کام آگ (یعنی مسمی) کا ہے، آگ کے لفظ (یعنی اسم) کا نہیں لیکن آگ کی نشاندہی بھی صحیح طور پر اس لفظ (یعنی اسم) کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ گویا یہ لازم و ملزوم تو ہیں مگر ایک دوسرے سے واضح طور پر ممتاز بھی ہیں۔ لہذا کسی بھی صورت میں آگ کے لفظ کو بذات خود آگ تصور نہیں کیا جا سکتا۔ یہی تعلق اور فرق ہر اسم اور اس کے مسمی کے درمیان ہوتا ہے کہ اسم اپنے مسمی پر دلالت کرتا ہے اور یقیناً اس کے بغیر مسمی کی نشاندہی بھی نہیں ہو سکتی، لیکن اسم کو مسمی یا مسمی کو اسم قرار نہیں دیا جا سکتا۔

علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں:

قالت الحشوية والكرامية والأشعرية: الاسم نفس المسمى وغير التسمية وقالت المعتزلة: الاسم غير المسمى ونفس التسمية، والمختار عندنا أن الاسم غير المسمى وغير التسمية. ❶

ترجمہ: حشویہ، کرامیہ، اشعریہ کا مذہب ہے: اسم اپنے مسمی کا عین ہوتا ہے جبکہ تسمیہ کا غیر ہوتا ہے۔ معتزلہ کے نزدیک اسم اپنے مسمی کا غیر ہوتا ہے جبکہ تسمیہ کا عین ہوتا ہے، امام

❶ التفسیر الکبیر: الکتاب الثانی، الباب الثالث، ج ۱ ص ۱۰۵

رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارا مختار مذہب یہ ہے کہ اسم اپنے مسمی اور تسمیہ کا غیر ہوتا ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) نے اس موضوع پر مختصر مگر نہایت جامع بحث کی ہے دیکھئے: ❶

لفظِ اللہ کی حیثیت

لفظ اللہ مولیٰ سبحانہ وتعالیٰ کے تمام اسماء مبارکہ میں سب سے عظیم تر ہے۔بعض علماء نے اسی کو اللہ تعالیٰ کا اسمِ اعظم قرار دیا ہے، ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ یہ نام ذاتِ باری تعالیٰ کے علاوہ کسی کا نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ نہ اس سے تثنیہ آتا ہے نہ جمع۔یہی ارشار باری تعالیٰ:

هَلۡ تَعۡلَمُ لَهُ سَمِيًّا. (مریم:۶۵) کے دو معانی میں سے ایک ہے۔مطلب یہ کہ کیا آپ کے علم میں ایسی کوئی ہستی ہے جس کا نام ذات باری تعالیٰ کی طرح ''اللہ'' ہو۔ چنانچہ اللہ اس ذات کا نام ہے جو موجود برحق ہے۔الوہیت کی جملہ صفات اس کی ذات میں جمع ہیں اسی کو ربوبیت کے تمام مفاہیم ومعانی کی نسبت سجتی ہے اور وہ اکیلا ہی جو ہے جس کا وجود حقیقی ہے۔اس کے سوا کوئی معبود نہیں اس کی ذات پاک ہے۔

اللہ کا ایک معنی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ ذات جو عبادت کے لائق ہے۔بعض کہتے ہیں: اس کا معنی یہ ہے کہ وہ واجب الوجود ہستی جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی اور ان سب سے مراد ایک ہی ہے۔ ❷

تسمیہ میں لفظ اللہ کو پہلے اور رحمٰن ورحیم کو بعد میں ذکر کرنے کی کیا حکمت ہے

علامہ ابن جریر طبری رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۰ھ) فرماتے ہیں:

---

❶تفسیر ابن كثير: البسملة، ج ۱ ص ۱۱۵

❷تفسير القرطبي: الكلام في البسملة، ج ۱ ص ۱۰۲

لأن من شأن العرب إذا أرادوا الخبر عن مُخبَر عنه، أن يقدِّموا اسمه، ثم يتبعوه صفاته ونعوته.❶

ترجمہ: عرب کے ہاں اس بات کا رواج ہے کہ جب وہ کسی بات کی خبر دیتے ہیں تو اسم کو پہلے ذکر کرتے ہیں، پھر اس کے بعد صفات کو ذکر کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے بھی پہلے اپنے نام کو ذکر فرمایا پھر اپنی صفات کو ذکر فرمایا۔

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں:

اللّٰه إشارة إلى القهر والقدرة والعلو، ثم ذكر عقيبه الرحمن الرحيم، وذلك يدل على أن رحمته أكثر وأكمل من قهره.❷

ترجمہ: لفظ ''اللہ'' میں اشارہ ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت، علوّ شان اور قہر وغضب کی طرف، پھر لفظ ''**الرحمن الرحيم**'' کو اس کے بعد لایا تاکہ یہ دلالت کرے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے قہر وغضب سے زیادہ اور کامل ہے۔

پندرہویں بحث: لفظِ اللہ کے متعلق تحقیق

لفظِ اللہ کی ترکیب اور اس کی معنوی حکمت

لفظِ اللہ کا باری تعالیٰ کے اسم ذات کی حیثیت سے مستعمل ہونا کئی حکمتوں کی بناء پر ہے، ان میں سے ایک اس کی ترکیب لفظی میں پنہاں ہے، اگر اس لفظ سے کوئی حرف حذف بھی کر دیا جائے تب بھی بقیہ حروف ذاتِ باری تعالیٰ کی نشاندہی کے لئے اپنا معنی برقرار رکھتے ہیں، مثلاً اللہ کا پہلا حرف (الف) حذف کر لیں تو ''للہ'' باقی رہ جائے گا جس کا معنی ہے ''اللہ کے لئے'' اگر دوسرا حرف (لام) حذف کر لیں اور پہلا (الف) بحال رکھیں تو

---

❶ جامع البيان في تأويل آي القرآن: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۳۲

❷ التفسير الكبير: الكتاب الثاني، الباب الحادى عشر، ج ۱ ص ۱۵۳

''الٰہ'' باقی رہ جائے گا جس کا معنی ہے ''اس کے لئے'' اور اگر پہلے تینوں حروف حذف کر لئے جائیں تو ''ہٗ'' باقی رہ جائے گا جو پھر اسی کی ذات کی نشاندہی کرتا ہے۔ ''ہٗ'' (وہ) کے معنی میں بطور ضمیر استعمال ہوتا ہے اور صوفیاء بالعموم اس کا ذکر کرواتے ہیں گویا ''اللہ'' ایک ایسا لفظ ہے جو من حیث الکل بھی اور اپنے ہر حرف اور جز کے اعتبار سے بھی ذات حق پر معنوی دلالت کرتا ہے۔ اس نام کی ترکیبِ لفظ کے حسن کا یہ عالم ہے کہ اس کا کوئی حرف یا حصہ بھی بے معنی نظر نہیں آتا، گویا یہ لفظ بھی ذات باری تعالیٰ کی طرح ہر ہر اعتبار سے کامل ہے، کسی اسم کا اپنی مسمی پر اس سے زیادہ سے دلالت کا اور کیا تصور ہو سکتا ہے۔

پہلا قول: لفظِ اللہ کی اصل اور اس کا مادہ اشتقاق

جمہور علماء کے نزدیک لفظِ اللہ اسم علم غیر مشتق ہے، جب کہ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ لفظ اسم مشتق ہے، اس لحاظ سے اس کے متعدد مادے بیان کئے گئے ہیں، ان میں سے ہر ایک مشتق منہ معنوی طور پر ذات باری تعالیٰ کی مختلف شانوں اور حیثیتوں پر روشنی ڈالتا ہے، عام طور پر اہل علم یہ تصور کرتے ہیں کہ اس لفظ کی اصل ''الٰہ'' ہے جس کا معنی ''معبود'' ہے، جو ''ال'' کے اضافے سے معرف ہو کر ''اللہ'' قرار پا گیا۔ لام تعریف کے بارے میں عربی زبان کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر کسی اسم کو معرف باللام کر دیا جائے (یعنی اس کے آغاز میں ''ال'' کا اضافہ کر دیا جائے) تو وہ اسم اپنے استعمال اور اطلاق میں خاص ہو جاتا ہے۔

چنانچہ اس حکیم و خبیر نے اپنی ذات کی دلالت کے لئے ایسے لفظ کو منتخب فرمایا جو بیک وقت اس کے لئے الوہیت کا اثبات اور اس کے ماسوی کے لئے الوہیت کی نفی کر رہا ہے۔ یہاں نفی و اثبات کا اجتماع اس پہلو کو بھی اجاگر کر دیتا ہے کہ اسلام صرف حق کے اثبات کا ہی نہیں بلکہ ہر باطل کی نفی کا بھی نام ہے۔ لفظ اللہ کی اصل کے بارے میں امام

راغب اصفہانی رحمہ اللہ (متوفی ۵۰۲ھ) فرماتے ہیں:

ترجمہ: **أصله إلٰه فحذفت همزته وأدخل عليها الألف واللام فخص بالباري تعالى.** ❶

اس کی اصل الٰہ ہے، جس کے ہمزہ کو حذف کردیا گیا اور اس پر ''ال'' داخل کرکے اسے ذات باری کے لئے خاص کردیا گیا ہے۔

پہلا مادہ اشتقاق: أَلَهَ (عبادت کرنا)

اس لفظ کے کئی مادے بیان کئے گئے ہیں، چنانچہ اس کے لغوی اشتقاق کے سلسلے میں علماء کا ایک قول یہ ہے کہ یہ ''أَلَـهَ يَـأْلَهُ'' سے مشتق ہے، اس کا معنی عبادت کرنا ہے، اس طرح الٰہ کا معنی معبود (جس کی عبادت کی جائے) قرار پایا۔ زمانہ قدیم میں سورج کی پرستش کرنے والوں نے سورج کا نام ''الہہ'' رکھا ہوا تھا، اس کی وجہ تسمیہ بھی یہی تھی کہ وہ اسے معبود تصور کرتے تھے۔

دوسرا مادہ اشتقاق: أَلِهَ (متحیر ہونا)

لفظ اللہ کے اشتقاق میں دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ''أَلِهَ'' سے ماخوذ ہے، اس کا معنی تحیر و درماندگی ہے۔ رب ذوالجلال کے لئے اس لفظ کا اسم قرار پاجانا اس کی عظمت اور علو مرتبت کی صحیح نشاندہی ہے، کیونکہ انسان ذات باری تعالی کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جو کچھ جان سکتا ہے وہ عقل کے تحیر اور فہم و ادراک کی درماندگی کے سوا کچھ نہیں، وہ جس قدر بھی اس ذات مطلق کی ہستی میں غور کرے گا، اس کی حیرت و استعجاب میں اضافہ ہوتا جائے گا، یہاں تک کہ اس پر یہ حقیقت منکشف ہوجائے گی کہ معرفت الٰہی کی ابتدا بھی عجز و حیرت تھی اور انتہاء بھی عجز و حیرت ہے۔

---

❶ المفردات في غريب القرآن: كتاب الألف، أله، ص ۸۲

تیسرا مادہ اشتقاق: أَلَهَ (سکون پانا)

اس بارے میں تیسرا قول یہ ہے کہ اللہ لفظِ ''أَلَـهَ'' سے مشتق ہے، جس کا معنی سکون پانا ہے۔ کہا جاتا ہے ''ألهتُ إلى فلان أي سكنتُ إليه'' (کہ میں نے فلاں سے سکون پایا) ذاتِ باری تعالیٰ کو اللہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ بیتاب دلوں کو اسی سے تسکین ملتی ہے، قرآن حکیم میں ہے:

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ. (الرعد: ۲۸)

ترجمہ: جان لو کہ اللہ ہی کے ذکر سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

چوتھا مادۂ اشتقاق: اَلْوَلْهُ (عقل کا گم ہونا)

دوسرے اور چوتھے مادوں میں معنوی یکسانیت ہے، دوسرا مادہ اشتقاق ''أَلِهَ'' تھا، جس کا معنی تحیر و درماندگی بیان کیا گیا ہے اور ''وَلْـــهٌ'' میں بھی یہی مفہوم پایا جاتا ہے، ان دونوں مادوں کے اعتبار سے لفظ ''إلـــه'' اور اللہ کا معنی قرار پایا کہ وہ ذات جس کی جستجو میں عقل و خرد گم ہو جائیں۔

پانچواں مادۂ اشتقاق: لَاهٌ (بلندی وارتفاع)

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''إلٰه'' اور ''اللّٰه'' کا مشتق منہ ''لَاهٌ'' ہے، جس کا معنی ''بلند ہونا'' ہے۔ چنانچہ اس لفظ کی معنوی دلالت یہ ہوئی کہ وہ ذات جو ہر عجز اور کمزوری سے بلند ہو، جو ہر نقص اور حرمان سے بلند ہو، جو ہر عیب و خطا سے بلند ہو، جو ہر ضرورت واحتیاج سے بلند ہو، جو ہر مناسبت و مماثلت سے بلند ہو، جو ہر ایک کے کفر و شرک سے بلند ہو، جو انسانوں کے ظلم و معصیت سے بلند ہو، جو انسانی وہم و گمان سے بلند ہو، جو ممکنات و محدثات سے بلند ہو، جو ہر مخلوق کی قوتِ اِدراک سے بلند ہو۔

چھٹا مادۂ اشتقاق: لَاهَ يَلُوْهُ (مخفی ہونا)

اس اعتبار سے الٰہ اور اللہ کا اطلاق اس ذات اقدس پر ہوتا ہے جو ہر آنکھ سے پنہاں ہے، قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے:

هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ وَ هُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْم". (الحدید: ۳)

ترجمہ: وہی اول ہے وہی آخر، وہی عیاں ہے، وہی نہاں اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

گویا وہی ذات عیاں بھی ہے اور نہاں بھی، ظہور واحتجاب (اجاگر ہونا اور مخفی ہونا) دونوں شانوں کا بیک وقت ایک ہی ذات میں موجود ہونا اس طرح ممکن ہے کہ وہ جلوہ حسن اپنی صفات کے اعتبار سے عیاں ہو مگر ذات کے اعتبار سے نہاں، گویا کائنات میں ہر سو اس کی صفات وکمالات ربوبیت کا جلوہ ظہور پذیر ہو، اس کی بے پنار حمتیں اور نشانیاں اظہر من الشّمس ہوں جو قدم قدم پر انسان کو اس کے ہونے کا یقین دلا رہی ہوں، لیکن جب انسان اس کی ذات کا بے حجاب دیدار کرنا چاہے تو وہ مستور ومحجوب رہے، یعنی اس کی صفات ظاہر ہوں اور ذات باطن جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ. (الأنعام: ۱۰۳)

ترجمہ: نگاہیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ سب نگاہوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

ساتواں مادۂ اشتقاق: إِلَهَهُ (جھکنا، راغب ہونا اور رجوع کرنا)

یہ مشتق ہے "أَلِهَ الْفَصِيْلُ" سے، فصیل کہتے ہیں اونٹ کے بچے کو، یہ اُس وقت بولا جاتا ہے جبکہ اونٹ کا بچہ اپنی ماں کا بہت زیادہ مشتاق ہو اور اس سے جا کر چمٹ جائے۔

اس اعتبار سے الٰہ کا معنی ہوا جس کی طرف جھکا جائے اور رجوع کیا جائے، اور اللہ کا معنی لام تعریف کے باعث یہ طے پایا کہ وہی ایک ذات ہے جس کی طرف جھکنا، راغب

ہونا اور رجوع کرنا فطری اور لابدی امر ہے گویا ''اللہ'' کے کلمات اس حقیقت کا کھلا اعلان کر رہے ہیں کہ اے انسان! تو چاہے جتنا سرکش و باغی بن جا، اپنے رب کی اطاعت وغلامی سے جتنا بھی منہ موڑ لے، سرکش و باغی شخص بھی بالآخر اسی کی طرف جھکتا ہے، اس کی ذات سے دل کا علاقہ جس قدر چاہے منقطع کر لے لیکن جب بھی تجھ پر آفت ومصیبت کی گھڑی آئے گی ساری دنیا کے اسباب و ذرائع سے تو کلیۃً مایوس ہو جائے گا اور کسی چیز پر بھی تیری کوئی امید باقی نہ رہے گی تو اس وقت تیرا دل عاجزی اور شکستگی کے ساتھ بے اختیار ذات باری تعالی کی طرف جھک جائے گا، تو اسے والہانہ رغبت اور رجوع کے ساتھ پکار اٹھے گا کہ اے اللہ! مجھے بچا لے اور میرے حال پر رحم فرما۔

آٹھواں مادۂ اشتقاق: إلٰه (پناہ دینا)

اس مادے کے اعتبار سے لفظ اللہ اس معنی پر دلالت کرتا ہے کہ وہی وہ ذات ہے جو ہر ایک کو پناہ دینے والی ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

وَهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ. (المؤمنون:۸۸)

ترجمہ: اور جو پناہ دیتا ہے اور جس کے خلاف (کوئی) پناہ نہیں دی جا سکتی۔

پناہ دینا مصیبت زدہ افراد کے لئے سب سے بڑی نعمت اور عطا ہے، انسان اپنی زندگی میں جتنی بھی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتا ہے وہ بالواسطہ یا بلا واسطہ اللہ تعالی ہی کی عطا کردہ ہیں، وہ فی الحقیقت انسان کا اپنا کسب نہیں ہیں، آنکھوں کی بصارت ہو یا کانوں کی سماعت، زبان کا ذائقہ ہو یا ہاتھ پاؤں کی حرکت، دماغ کی فکری قوت ہو یا طبعی ونفسانی لذات، الغرض حیات دنیوی کی تمام نعمتیں اگر اللہ تعالی عطا نہ کرے تو پیدائش سے لے کر تادم مرگ انسان کسی وقت بھی ان کے حصول پر قادر نہیں ہو سکتا، جب خود زندگی بھی اللہ تعالی ہی کی دین ہے تو اس کے لوازمات وانعامات اس کی عطا کیوں نہ ہوں، قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

وَمَا بِكُم مِّنْ نِعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ. (النحل:۵۳)

ترجمہ: اور تمہیں جو نعمت بھی حاصل ہے سو وہ اللہ ہی کی جانب سے ہے۔

ارشاد الٰہی ہے:

وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ. (الأنعام:۱۴)

ترجمہ: اور وہ (سب کو) کھلاتا ہے اور (خود اسے) کھلایا نہیں جاتا۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ. (النساء:۷۸)

ترجمہ: آپ فرمادیں (حقیقتاً) سب کچھ اللہ کی طرف سے (ہوتا) ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) نے لفظ اللہ کے مشتق منہ کے متعلق آٹھ (۸) اقوال نقل کیے ہیں، دیکھیے تفصیلاً: ❶

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) نے لفظ اللہ کے مشتق منہ کے بارے میں سات (۷) اقوال نقل کیے ہیں، دیکھیے: ❷

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) نے بھی لفظ اللہ کے مشتق منہ کے بارے میں سات (۷) اقوال نقل کیے ہیں، دیکھیے: ❸

دوسرا قول: لفظِ اللہ سریانی زبان کا لفظ ہے

یہ ہے کہ لفظ اللہ سریانی زبان کا لفظ ہے اصل میں "لاھـــا" تھا آخر کے حرف کو حذف کر کے شروع میں الف لام داخل کیا پھر لام کو دوسرے لام میں مدغم کیا تو اللہ ہو گیا۔

---

❶ التفسير الكبير: الكتاب الثانى، الباب التاسع، ج ۱ ص ۱۴۵ تا ۱۴۸

❷ التفسير البيضاوى: البسملة، ج ۱ ص ۲۷

❸ روح المعاني: سورة الفاتحة، اشتقاق لفظ "اللّٰه" ج ۱ ص ۷۸

تیسرا قول: لفظِ اللہ صفت کا صیغہ ہے

یہ ہے کہ لفظ اللہ صیغہ وصف ہے، قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کے نزدیک یہی قول راجح ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

والأظهر أنه وصف في أصله لكنه لما غلب عليه بحيث لا يستعمل في غيره وصار له كالعلم مثل: الثريا والصعق. ❶

ترجمہ: اظہر یہ ہے کہ لفظ ''اللہ'' درحقیقت وصف ہے لیکن جب غلبہ ذات باری کے لئے اس طور پر استعمال ہونے لگا کہ غیر کے اندر بالکل مستعمل نہیں تو علم کے مشابہہ ہو گیا جس طرح کہ لفظ ثریا اور صعق۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کے اس قول کو اختیار کرنے پر ان کی تردید کی ہے، فرماتے ہیں:

والإمام البيضاوي مع أن له اليد البيضاء في التحقيق لم يتبلج له صبح هذا القول وهو لا يحتاج إلى النظر الدقيق. ❷

ترجمہ: امام بیضاوی باوجودیکہ انہیں تحقیق میں خوب دسترس ہے لیکن یہاں ان کا قول روشن نہیں ہے، اور یہ ایسی واضح بات ہے کہ اس میں غور و فکر اور گہرائی کی طرف انسان محتاج نہیں ہے۔

چوتھا قول: لفظِ اللہ علم ہے

حضرت امام شافعی، امام محمد، امام ابو الحسن الاشعری، علامہ فخر الدین رازی، علامہ خلیل بن احمد، امام سیبویہ، علامہ مازنی، علامہ ابن کیسان، علامہ سید محمود آلوسی اور دیگر جمہور

---

❶ التفسير البيضاوي: البسملة، ج ۱ ص ۲۸

❷ روح المعاني: سورة الفاتحة، اشتقاق لفظ "الله" ج ۱ ص ۷۸

اہل علم رحمہم اللہ کے ہاں لفظ اللہ **عَلَم** ہے۔

سولھویں بحث: جمہور اہلِ علم کے ہاں لفظ اللہ عَلَم ہے

۱......علامہ ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی رحمہ اللہ (متوفی ۳۷۳ھ) فرماتے ہیں:

"اللّٰه" هو اسم موضوع ليس له اشتقاق وهو أجل من أن يذكر له اشتقاق وهو قول الكسائي قال أبو الليث رحمه اللّٰه هكذا سمعت أبا جعفر يقول روي عن محمد بن الحسن أنه قال هو اسم موضوع ليس له اشتقاق. ❶

ترجمہ: لفظ "اللہ" نام ہے جو وضع کیا گیا ہے، یہ مشتق نہیں ہے، اور یہی بات درست ہے امام کسائی رحمہ اللہ کے اس قول سے کہ یہ مشتق ہے، امام ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس طرح ہم نے امام ابو جعفر رحمہ اللہ سے سنا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ امام محمد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ لفظ "اللہ" اصل وضع کے اعتبار سے نام ہے، یہ مشتق نہیں ہے۔

۲......شیخ الاسلام علامہ ابو المظفر سمعانی رحمہ اللہ (متوفی ۴۸۹ھ) فرماتے ہیں:

اللّٰه تعالى فقد اختلفوا فيه، فقال الخليل وابن كيسان هو اسم علم خاص للّٰه تعالى لا اشتقاق له، وهو كأسماء الأعلام للعباد، مثل: زيد وعمرو ونحوه. وهو اختيار القفال الشاشي وجماعة من أهل العلم. ❷

ترجمہ: لفظ "اللہ" کے متعلق اہلِ علم کا اختلاف ہے، امام خلیل، امام ابن کیسان رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ نام ہے اور خاص اللہ تبارک وتعالیٰ کا **عَلَم** ہے یہ مشتق نہیں ہے، جیسا کہ وہ نام جو بندوں کے لئے متعین ہیں جیسے زید، عمرو وغیرہ، اور اسی قول کو امام قفال شاشی رحمہ

---

❶ بحر العلوم: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۳

❷ تفسير القرآن: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۲

اللہ اور اہلِ علم کی ایک جماعت نے اختیار کیا ہے۔

۳......محی السنۃ علامہ حسین بن مسعود المعروف بغوی رحمہ اللہ (متوفی ۵۱۶ھ) فرماتے ہیں:

قوله تعالى: "اللّٰه" قال الخليل وجماعة: هو اسم علم خاص للّٰه عز وجل لا اشتقاق له كأسماء الأعلام للعباد مثل زيد وعمرو. ❶

ترجمہ: امام خلیل رحمہ اللہ اور اہل علم کی ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ لفظ ''اللہ'' نام ہے اور ذات باری تعالی کی ذات کے لئے خاص ہے، یہ مشتق نہیں ہے جیسا کہ بندوں کے متعینہ نام مثلاً زید، عمرو وغیرہ۔

علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں:

المختار عندنا أن هذا اللفظ اسم علم للّٰه تعالى، وأنه ليس بمشتق ألبتة، وهو قول الخليل وسيبويه، وقول أكثر الأصوليين والفقهاء. ❷

ترجمہ: ہمارے نزدیک پسندیدہ بات یہ ہے کہ لفظ ''اللہ'' ذات باری تعالی کا **عَلَم** ہے، اور یقیناً یہ مشتق نہیں ہے، اکثر اصولیین، فقہاء، امام خلیل، امام سیبویہ رحمہم اللہ کے نزدیک بھی راجح قول یہی ہے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

ذهب إليه جماعة من العلماء أيضاً منهم الشافعي وأبو المعالي والخطابي والغزالي والمفضل وغيرهم، وروي عن الخليل وسيبويه: أن الألف واللام لازمة له لا يجوز حذفهما منه. قال الخطابي: والدليل على

❶معالم التنزيل: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۷۱

❷التفسير الكبير: الكتاب الثانى، الباب التاسع، ج ۱ ص ۱۴۳

أن الألف واللام من بنية هذا الاسم، ولم يدخلا للتعريف: دخول حرف النداء عليه؛ كقولك: يا اللّٰه، وحروف النداء لا تجتمع مع الألف واللام للتعريف، ألا ترى أنک لا تقول: يا الرحمن ولا يا الرحيم، كما تقول: يا اللّٰه، فدل على أنهما من بنية الاسم. واللّٰه أعلم. ❶

ترجمہ: یہ بھی علماء کی ایک جماعت کا موقف ہے جن میں امام ابوالمعالی، امام خطابی، امام غزالی، امام شافعی رحمہم اللہ شامل ہیں، امام خلیل اور امام سیبویہ رحمہما اللہ سے منقول ہے کہ لفظ ''اللہ'' کے شروع میں الف لام اسی کے ساتھ لازم ہے، اسے حذف کرنا جائز نہیں، امام خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس بات کی دلیل کہ الف اور لام لفظ ''اللہ'' کے اصلی حروف میں سے ہیں اور یہ معرفہ بنانے کے لئے نہیں لگائے گئے، اس پر حرفِ ندا کا داخل ہونا ہے جیسا کہ ہم کہتے ہیں ''یا اللہ'' حالانکہ حروف ندا الف لام کے ساتھ نہیں آسکتے۔غور کیجئے ہم کبھی ''یا الرحمٰن، یا الرحیم'' نہیں کہتے، جیسے ''یا اللہ'' کہتے ہیں، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ الف لام لفظ ''اللہ'' کے بنیادی حروف میں سے ہیں۔ واللہ اعلم

۶......علامہ علاء الدین المعروف بخازن رحمہ اللہ (متوفی ۷۴۱ھ) فرماتے ہیں:

اللّٰـه هو اسم علم خاص للّٰه تعالى تفرد به البارى سبحانه وتعالى ليس بمشتق ولا يشركه فيه أحد وهو الصحيح المختار. ❷

ترجمہ: لفظ ''اللہ'' نام ہے جو اللہ تبارک وتعالی کے ساتھ خاص ہے، ذات باری تعالی اس نام کے ساتھ متفرد ہے، یہ مشتق نہیں ہے، اور اس میں کوئی بھی آپ کے ساتھ شریک نہیں ہے، یہی صحیح اور پسندیدہ قول ہے۔

۷......حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

---

❶ التفسير القرطبي: البسملة، الحادية والعشرون، ج ۱ ص ۱۴۰

❷ تفسير الخازن: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۷

اللّٰـه عَـلَمٌ على الرب تبارک وتعالى، يقال: إنه الاسم الأعظم لأنه يوصف بجميع الصفات. ❶

ترجمہ: لفظ ''اللہ'' ذات باری تعالیٰ کا نام ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اسم اعظم ہے، اس لئے کہ یہ تمام صفات کے ساتھ متصف ہے۔

۸......خطیب شربینی رحمہ اللہ (متوفی ۹۷۷ھ) فرماتے ہیں:

اللّٰه علم على الذات الواجب الوجود، المستحق لجميع المحامد. ❷

ترجمہ: لفظ ''اللہ'' اس ذات کا جو واجب الوجود ہے اور تمام تعریفوں کا مستحق ہے اس ذات کا نام ہے۔

۹......علامہ عبدالرؤف مناوی رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۳۱ھ) فرماتے ہیں:

والـلّٰه اسم عربي لا سرياني معرب، وهو علم مختص بمبدع العالم لم يطلق على غيره فيما بين المسلمين وغيرهم. ❸

ترجمہ: لفظ ''اللہ'' عربی زبان میں نام ہے، یہ سُریانی زبان میں معرب نہیں ہے اور یہ اس ذات کا نام ہے جو ساری کائنات کو بغیر نمونے کے پیدا کرنے والا ہے، اور اس کا اطلاق غیر اللہ پر درست نہیں ہے۔

۱۰......علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) فرماتے ہیں:

ثم جعل علما لذات الواجب الوجود المستجمع للكمالات المنزه عن الرذائل. ❹

---

❶ تفسير ابن كثير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۱۲

❷ السراج المنير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۶

❸ فيض القدير شرح الجامع الصغير: مقدمة المؤلف، ج ۱ ص ۲

❹ التفسير المظهرى: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۳

ترجمہ: لفظ ''اللہ'' کو عَلَم بنایا اس ذات کا جو واجب الوجود ہے، تمام کمالات کا جامع ہے، اور تمام رذائل سے منزہ اور پاک ہے۔

۱۱......علامہ احمد بن محمد الصاوی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۴۱ھ) فرماتے ہیں:

أنه علم على ذات معينة مستجمعة لصفات الكمال. ❶

ترجمہ: لفظ ''اللہ'' نام ہے اس متعینہ ذات کا جو تمام صفات کمال کا جامع ہے۔

۱۲......علامہ محمد بن علی بن محمد الشوکانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۵۰ھ) فرماتے ہیں:

والله علم لذات الواجب الوجود لم يطلق على غيره. ❷

ترجمہ: لفظ ''اللہ'' نام ہے اس ذات کا جو واجب الوجود ہے اور اس کا اطلاق غیر اللہ پر کرنا درست نہیں۔

۱۳......علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں:

والذي عليه أكابر المعتبرين كالشافعي ومحمد بن الحسن والأشعري وغالب أصحابه والخطابي وإمام الحرمين والغزالي والفخر الرازي وأكثر الأصوليين والفقهاء، ونقل عن اختيار الخليل وسيبويه والمازني وابن كيسان أنه عربي وعلم من أصله لذاته تعالى المخصوصة. ❸

ترجمہ: اکابر معتبر علماء جیسے امام شافعی، امام محمد، امام ابوالحسن اشعری اور ان کے اکثر متبعین، امام خطابی، امام الحرمین، امام غزالی، امام رازی اور اکثر اصولیین اور فقہاء، اور اسی بات کو امام خلیل، امام سیبویہ، امام مازنی، امام ابن کیسان رحمہم اللہ نے پسند کیا ہے کہ لفظ اللہ عربی ہے اور اصل کے اعتبار سے ذات باری کا خاص نام ہے۔

---

❶ حاشية الصاوی علی تفسير الجلالين: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۹

❷ فتح القدير للشوكانی: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۸

❸ روح المعانی: سورة الفاتحة، اشتقاق لفظ ''الله''، ج ۱ ص ۷۷

۱۴......علامہ نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۰۷ھ) فرماتے ہیں:

اللّٰه علم عربی عند الأکثر خاص لذات الواجب الوجود لم یطلق علی غیره ولا یشرکه فیه أحد. ❶

ترجمہ: لفظ ''اللہ'' اکثر علماء کے نزدیک عربی زبان میں نام ہے اور اس ذات کے ساتھ خاص ہے جو واجب الوجود ہے، اور اس کا اطلاق غیر اللہ پر درست نہیں، اور نہ ہی اس میں کوئی ایک آپ کے ساتھ شریک ہے۔

۱۵......علامہ جمال الدین قاسمی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۳۲ھ) فرماتے ہیں:

اللّٰه علم علی ذاته تعالی. ❷

ترجمہ: لفظ ''اللہ'' ذات باری تعالیٰ کا نام ہے۔

سترہویں بحث: لفظ اللہ کی خصوصیات

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) نے فرمایا کہ لفظ ''اللہ'' میں دو ایسی خصوصیات پائی جاتی ہیں جو کسی اور اسم میں نہیں ہیں۔

پہلی خصوصیت

اعلم أن هذا الاسم مختص بخواص لم توجد فی سائر أسماء اللّٰه تعالی، ونحن نشیر إلیها: فالخاصة الأولی: أنک إذا حذفت الألف من قولک: ''اللّٰه'' بقي الباقي علی صورة ''للّٰه'' وهو مختص به سبحانه، کما في قوله: وَلِلّٰهِ جُنُودُ السَّمَاوَاتِ وَالارْضِ، وإن حذفت عن هذه البقیة اللام الأولی بقیت البقیة علی صورة ''لَهُ'' کما في قوله تعالی: لَهُ مَقَالِيدُ

---

❶ فتح البیان فی مقاصد القرآن: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۴۱

❷ محاسن التاویل: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۵

السّمَاوَاتِ وَالارْضِ فإن حذفت اللام الباقية كانت البقية هي قولنا: ''هُوَ'' وهو أيضًا يدل عليه سبحانه كما في قوله: قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ. والواو زائدة بدليل سقوطها فى التثنية والجمع فإنک تقول هما، هم فلا تبقى الواو فيهما، فهذه الخاصية موجودة في لفظ ''اللّٰه'' غير موجودة في سائر الأسماء. ❶

ترجمہ: لفظ اللہ سے آپ ایک ایک حرف کو حذف کرتے جائیں تو اس صورت میں بھی یہ ذات باری تعالیٰ کے ساتھ مختص ہوگا، اس کے معنی میں تبدیلی نہیں آئے گی مثلاً: ''اللّٰـهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ'' اب آپ پہلے حرف کو حذف کرو تو ''للّٰه'' باقی رہ جائے گا، یہ بھی قرآن کریم میں ذات باری تعالیٰ کے لئے استعمال ہوا ہے ''وَلِلّٰـهِ جُنُودُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ'' اور اگر ایک لام کو حذف کرو تو ''لَـهُ'' باقی رہ جائے گا، یہ بھی قرآن میں اللہ کے لئے استعمال ہوا ہے ''لَـهُ مَقَالِيدُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ'' اور اگر ایک لام کو حذف کرو تو ''هو'' رہ جائے گا، قرآن میں ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ'' باقی رہا لفظ واؤ تو وہ زائد ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ تثنیہ اور جمع کے صیغوں میں ساقط ہوجاتا ہے، اگر یہ زائد نہ ہوتا تو کبھی ساقط نہ ہوتا بلکہ باقی رہتا۔

دوسری خصوصیت

ان كلمة الشهادة وهي الكلمة التي بسببها ينتقل الكافر من الكفر إلى الإسلام لم يحصل فيها إلا هذا الاسم فلو أن الكافر قال: أشهد أن لا إله إلا الرحمن أو إلا الرحيم، أو إلا الملک، أو إلا القدوس لم يخرج من الكفر ولم يدخل في الإسلام، أما إذا قال أشهد أن لا إله إلا اللّٰه فإنه يخرج من الكفر ويدخل في الإسلام، وذلک يدل على اختصاص هذا الاسم

❶ التفسير الكبير: الكتاب الثانى، الباب التاسع، ج ۱ ص ۱۴۹

بهذه الخاصية الشريفة. ❶

ترجمہ: کلمہ شہادت میں لفظ اللہ کا ذکر کرنا ضروری ہے، کلمہ شہادت وہ کلمہ ہے جس کے ذریعے انسان کفر کے اندھیروں سے نکل کر اسلام کی روشنی میں آتا ہے، اور کلمہ شہادت کا حصول ہوگا لفظ اللہ کے ساتھ، اگر کوئی ساری زندگی "لا إلہ إلا الرحمن" یا "إلا الرحیم" یا "إلا الملک" یا "إلا القدوس" کہے تو وہ کفر سے نہیں نکلے گا اور نہ ہی اسلام میں داخل ہوگا۔

علامہ ابن عادل حنبلی رحمہ اللہ (متوفی ۸۸۰ھ) نے لفظ "اللہ" کی انہی دو خصوصیات کو نقل کیا ہے، دیکھئے تفصیلاً: ❷

علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب الفیروز آبادی رحمہ اللہ (متوفی ۸۱۷ھ) نے لفظ "اللہ" کی دس (۱۰) خصوصیات نقل کی ہیں:

أَنَّه يقوم مقامَ جملةِ أَسماءِ الحقّ تعالى وصفاته. أَنَّ جملة الأَسماءِ في المعنى راجعة إِليه. الابتداء به في جميع الأُمور بمثل قولك: بسم اللّٰه، ختم المناشير والتواقيع في قولك: حسبى اللّٰه، ختم الأُمور والأَحوال به وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رب العلمين، تعليق توحيد الحَقّ تعالى به في قول لا إِله إِلا اللّٰه، تأكيد رسالة الرّسول به في قولك: محمّد رسول اللّٰه. تزيين حَجّ الحُجّاج به في قولهم: لبّيك اللّٰهم لبّيك، افتتاح الصّلاة واختتامها به في قولك: اللّٰه أَكبر، وآخراً: ورحمة اللّٰه. به يُفتتح دعاء الدّاعين: اللّٰهم اغفر، اللّٰهمّ ارحم. لا ينتقِص معناه بنقص حروفه. ❸

---

❶ التفسير الكبير: الكتاب الثانى، الباب التاسع، ج ۱ ص ۱۴۹

❷ اللباب في علوم الكتاب: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۴۴، ۱۴۵

❸ بصائر ذوي التمييز في لطائف الكتاب العزيز: الباب الثاني، بصيرة في لفظ "اللّٰه"، ج ۲ ص ۲۰، ۲۱

۱.....لفظ ''اللہ'' تمام اسماء اور صفات کا قائم مقام ہوتا ہے۔۲.....تمام اسماء معانی میں اسی کی طرف لوٹتے ہیں۔۳.....تمام امور میں اسی نام کے ساتھ ابتداء کا حکم ہے جیسے آپ کا قول ''بسم اللّٰہ''۔۴.....تمام امور اور احوال کا اختتام اسی نام پر ہوتا ہے جیسے ''وآخر دعواھم أن الحمد للّٰہ رب العلمین ۔۵.....اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی توحید کو اسی نام کے ساتھ معلق کیا ہے ''لا إلہ إلا اللّٰہ''۔۶.....نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو اسی نام کے ساتھ مؤکد کیا گیا ہے ''محمد رسول اللّٰہ''۔۷.....حُجاجِ کرام کے حج کو تلبیہ میں اِن الفاظ کے ساتھ مزین کیا ''لبیک اللّٰھم لبیک'' (اس میں بھی لفظ ''اللہ'' موجود ہے)۸.....نماز کا آغاز اور اختتام لفظ ''اللہ'' پر ہوتا ہے، ابتداء ''اللّٰہ أکبر'' سے اور اختتام ''السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ'' سے۔۹.....دعا کرنے والے اپنی دعاؤں کا آغاز اسی نام کے ساتھ کرتے ہیں، جیسے ''اللّٰھم اغفر، اللّٰھم ارحم''۔ ۱۰.....لفظ ''اللہ'' کے حروف کو حذف کرنے سے اس کے معانی میں کمی نہیں ہوتی، (حروف کے حذف کے باوجود اس کے مصداق میں فرق نہیں آتا جیسا کہ تفصیلاً ماقبل میں گزرا)

ملاعلی قاری رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں:

وقد خص ھذا الاسم بخواص لا توجد في غيره، منها أنه تنسب سائر الأسماء إليه ولا ينسب هو إلى شيء منها، ومنها أنه لم يسم به أحد من الخلق بخلاف سائر الأسماء، ومنها أنهم جمعوا بين يا التي للنداء وبين الألف واللام ولم يفعل ذلک في غيره، ومنها تخصيصهم إياه في القسم بإدخال التاء في قولهم تاللّٰه، ومنها تفخيم لامه إذا انفتح ما قبله أو انضم سنة. ❶

---

❶مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح: مقدمة المؤلف، ج ۱ ص ۴۷

ترجمہ: اس اسم کے بعض خواص ایسے ہیں جو دیگر اسماء میں نہیں پائے جاتے: ۱..... تمام اسماء کو اس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے لیکن لفظ ''اللہ'' کو ان میں سے کسی ایک کی طرف منسوب نہیں کیا جاتا۔ ۲..... مخلوق میں سے کسی کو بھی اس نام کے ساتھ متصف کرنا جائز نہیں ہے بخلاف دیگر اسماء کے۔ ۳..... ''یااللّٰہ'' اس میں حرف ندا اور الف لام دونوں ایک ساتھ جمع ہیں (حالانکہ یہ دونوں اس نام کے علاوہ کہیں بھی اکھٹے جمع نہیں ہیں، یہ دونوں حرف تعریف ہیں، اور حرف تعریف کا اجتماع نہیں ہوتا، لیکن اس اسم کی خصوصیت کی وجہ سے یہاں اجتماع درست ہے)۔ ۴..... اس اسم پر لفظ تاء قسمیہ کا داخل کرنا درست ہے جیسے ''تاللّٰہ''۔ ۵..... لفظ ''اللہ'' کے لام کو موٹا پڑھا جائے گا جب کہ اس سے پہلے فتحہ یا ضمہ ہو۔

علامہ محمد موسی روحانی بازی رحمہ اللہ نے لفظ اللہ کے پانچ خواص نقل کئے ہیں، دیکھئے: ❶

ذات باری تعالیٰ پر لفظ خدا کا اطلاق کرنا درست ہے

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وقولهم بالفارسية خداي معناه أنه واجب الوجود لذاته لأن قولنا: خداي كلمة مركبة من لفظتين في الفارسية: إحداهما: خود، ومعناه ذات الشيء ونفسه وحقيقته والثانية قولنا: آي ومعناه جاء، فقولنا: خداي معناه أنه بنفسه جاء، وهو إشارة إلى أنه بنفسه وذاته جاء إلى الوجود لا بغيره، وعلى هذا الوجه فيصير تفسير قولهم: خداي أنه لذاته كان موجوداً. ❷

ترجمہ: لفظِ ''خدا'' فارسی زبان کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے وہ ذات جس کا وجود واجب ہو، اس لئے کہ لفظ ''خدا'' مرکب ہے فارسی میں دولفظوں سے: ۱..... خود، اس کا معنی

---

❶ فتح اللّٰہ بخصائص اسم اللّٰہ: الباب التاسع والستون، ج۲ ص۱۵۳

❷ التفسیر الکبیر: الکتاب الثانی، الباب الرابع، ج۱ ص۱۲۲

ہے ذات، نفس اور حقیقت۔۲.....آی، اس کا معنی ہے جو بذات خود ہو، اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالی کا وجود بذات خود ہے غیر کی وجہ سے نہیں ہے، پس اس وضاحت کے بعد ''خدا'' کا معنی ہے جس کا وجود بذات خود ہو اور وہ اپنے وجود میں کسی غیر کی طرف محتاج نہ ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ لفظ ''خدا'' واجب الوجود کا ترجمہ ہے۔

اٹھارہویں بحث: اکثر علماء کے ہاں لفظ ''اللہ'' اسم اعظم ہے

۱......علامہ ابوالحسن ماوردی رحمہ اللہ (متوفی ۴۵۰ھ) نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ لفظ اللہ اسم اعظم ہے، اس لئے کہ اس میں کوئی بھی آپ کے ساتھ شریک نہیں ہے:

وحُكي عن أبي حنيفة أنه الاسم الأعظم من أسمائه تعالى، لأن غيره لا يشاركه فيه. ❶

۲......امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں:

إن الاسم الأعظم هو قولنا: ''اللّٰه'' وهذا هو الأقرب عندي. ❷

ترجمہ: میرے نزدیک زیادہ درست بات یہ ہے کہ لفظ اللہ اسم اعظم ہے۔

۳......علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

قوله: اللّٰه هذا الاسم أكبر أسمائه سبحانه حتى قال بعض العلماء: إنه اسم اللّٰه الأعظم. ❸

ترجمہ: لفظ اللہ تمام اسماء میں سب سے بڑھ کر ہے، یہاں تک کہ بعض علماء نے کہا کہ یہی اسمِ اعظم ہے۔

---

❶النكت والعيون: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۵۰

❷تفسير الكبير: الكتاب الثانی، الباب الثالث، ج ۱ ص ۱۱۱

❸تفسير القرطبي: البسملة، عشرين، ج ۱ ص ۱۳۹

۴......علامہ خازن رحمہ اللہ (متوفی ۷۴۱ھ) فرماتے ہیں:

وذهب بعضهم إلى أن هذا الاسم هو الاسم الأعظم لأنه يدل على الذات وباقي الأسماء تدل على الصفات ❶.

ترجمہ: بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ لفظ ''اللہ'' ہی اسم اعظم ہے، اس لئے کہ یہ ذات پر دلالت کرتا ہے جب کہ باقی اسماء صفات پر دلالت کرتے ہیں۔

۵......حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

اللّٰه عَلَمٌ على الرب تبارك وتعالى، يقال: إنه الاسم الأعظم. ❷

ترجمہ: لفظ ''اللہ'' ذات باری کا عَلَم ہے، اور یہ بھی کہا گیا کہ یہی اسم اعظم ہے۔

۶......علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (متوفی ۹۱۱ھ) نقل کرتے ہیں:

اسم اللّٰه الأعظم هو اللّٰه ألا ترى أنه في جميع القرآن يبدأ به قبل كل اسم. ❸

ترجمہ: اسم اعظم ''اللہ'' ہی ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے اللہ تعالی پورے قرآن میں ہر اسم سے پہلے اس کو لاتے ہیں۔

۷......ملا علی قاری رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں:

ولذا قال الجمهور انه الاسم الأعظم قال القطب الرباني الشيخ عبد القادر الجيلاني: الاسم الأعظم هو اللّٰه لكن بشرط أن تقول اللّٰه وليس فى قلبك سواه. ❹

---

❶التفسير الخازن: سورة الفاتحة، ج ١ ص ١٧

❷تفسير ابن كثير: البسملة، ج ١ ص ١١٦

❸الدر المنثور فى تفسير الماثور: سورة الفاتحة، ج ١ ص ٢٣

❹مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح: مقدمة المؤلف، ج ١ ص ٧٩

ترجمہ: اسی وجہ سے جمہور علماء نے فرمایا کہ اسم اعظم (لفظ اللہ) ہے، شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسم اعظم لفظ ''اللہ'' ہی ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ جب آپ ''اللہ'' کہو تو آپ کے دل میں اللہ کے علاوہ کوئی اور نہ ہو۔

۸......علامہ علی بن احمد العزیزی رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۷۰ھ) فرماتے ہیں:

وعند المحققين أنه الاسم الأعظم. ❶

ترجمہ: محققین علماء کے نزدیک لفظ ''اللہ'' اسم اعظم ہے۔

۹......علامہ نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۰۷ھ) فرماتے ہیں:

وعند المحققين انه الاسم الأعظم. ❷

ترجمہ: محققین علماء کے نزدیک لفظ ''اللہ'' اسم اعظم ہے۔

۱۰......علامہ محمد امین بن عبد اللہ ہرری فرماتے ہیں:

وذهب بعضهم إلى أن هذا الاسم هو الاسم الأعظم لأنه يدل على الذات وباقي الأسماء تدل على الصفات. ❸

ترجمہ: بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ بے شک لفظ ''اللہ'' ہی اسم اعظم ہے اس لئے کہ یہ ذات پر دلالت کرتا ہے، جب کہ دیگر اسماء صفات پر دلالت کرتے ہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (متوفی ۹۱۱ھ) نے اس موضوع پر مستقل ایک رسالہ لکھا جس کا نام ''**الدر المنظم في الاسم الأعظم**'' ہے، اس میں انہوں نے اسم اعظم کی تعیین کے متعلق اہل علم کے بیس (۲۰) اقوال نقل کئے ہیں۔ یہ رسالہ ''الحاوی

---

❶ السراج المنير شرح الجامع الصغير في أحاديث البشير والنذير: البسملة، ج ۱ ص ۳

❷ فتح البيان فى مقاصد القرآن: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۴۱

❸ حدائق الروح والريحان: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۵۰

للفتاوی‘‘ میں موجود ہے، دیکھئے تفصیلاً: ❶

اسم اعظم سے کیا مراد ہے؟

کیا واقعی اسم اعظم کے ذریعے ہر دعا قبول ہو جاتی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسم اعظم کو جاننے کے باوجود مشکل ترین حالات میں بھی اس کے ذریعے دعا کیوں نہ مانگی؟ اولیاء کرام بھی اسم اعظم جانتے ہیں یا نہیں؟ اسم اعظم کے متعلق تمام روایات وآثار کو یکجا کیا۔ نیز اسم اعظم کے بارے میں علماء کرام، ائمہ عظام اور بزرگان دین کی کتب میں موجود تمام اقوال کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ امت محمدیہ اور سابقہ امتوں کے بزرگوں کے ساتھ اسم اعظم کے سلسلے میں پیش آنے والے بہت سے عجیب وغریب حیران کن ایمان افروز واقعات بھی درج کئے ہیں۔ ان تمام باتوں کے جاننے کے لئے شیخ التفسیر والحدیث مولانا موسی روحانی بازی رحمہ اللہ کی کتاب ’’**الكنز الأعظم في تعيين الاسم الأعظم**‘‘ کا مطالعہ کریں۔ مولانا موسی روحانی بازی رحمہ اللہ نے اسم اعظم کی تعیین کے متعلق علماء کے اکسٹھ (۶۱) اقوال کو نہایت تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ نیز آپ نے فرمایا کہ علماء کے ہاں اسم اعظم لفظ اللہ ہے۔

شیخ التفسیر والحدیث مولانا موسی روحانی بازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

من خصائص الاسم الله انه اسم الله الأعظم الذى إذا دعي به أجاب، واذا سئل به أعطى وهذا قول كثير من الأئمة حتى أنه لا ذكر عند العارفين فوق الذكر بالاسم الله ولكونه أعظم الأسماء الإلٰهية خصص به الحمد والبسملة والتهليل والتشهد دون غيره من الأسماء الحسنى. عن محمد بن الحسن قال سمعت ابا حنيفة رحمة الله عليه يقول اسم الله الأعظم هو الله واختاره الامام الطحاوي وقال الفخر الرازي هو الأقرب عندي وبه

---

❶ الحاوی للفتاوی: الدر المنظم في الاسم الأعظم، ص۴۰۵ تا ۴۰۹

قال سيد العارفين بالله الشيخ عبد القادر الجيلاني قدس سره. ❶

ترجمہ: لفظ ''اللہ'' کے خصائص میں سے ہے کہ یہ اسم اعظم ہے، اس کے ذریعے سے جو دعا کی جائے اللہ تعالیٰ قبول فرماتے ہیں، اور جو سوال کیا جائے اللہ تعالیٰ عطاء فرماتے ہیں اور یہی اکثر ائمہ کا قول ہے۔ یہاں تک کہ عارفین کے ہاں اللہ کے نام سے بڑھ کر کوئی ذکر نہیں، اسی وجہ سے حمد، تسمیہ، تہلیل اور تشہد کو اسی نام کے ساتھ خاص کیا گیا ہے نہ کہ دیگر اسماءِ حسنیٰ کے ساتھ۔ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ اسم اعظم لفظ ''اللہ'' ہے، امام طحاوی رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کا پسند کیا ہے، امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہی قول میرے نزدیک درست بات کے زیادہ قریب ہے، اور یہی رائے ہے سید العارفین شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ کی۔

حضرت نے اپنی اس کتاب میں نوے (۹۰) صفحات پر اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی۔ اسم اعظم کے متعلق مالہا وما علیہا تمام مباحث کو یکجا کیا، اہل علم حضرات اصل کتاب کی طرف مراجعت فرمائیں۔ ❷

علامہ سمین حلبی رحمہ اللہ (متوفی ۷۵۶ھ) فرماتے ہیں:

يُـحكى أن سِيبوِيه رُئِي في المنام فقيل له: ما فعلَ اللّٰهُ بک؟ فقال: خيرًا كثيرًا، لجَعْلِي اسمَه أعرفَ المعارفِ. ❸

ترجمہ: امام سیبویہ رحمہ اللہ کو کسی نے خواب میں دیکھا تو پوچھا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ تو امام سیبویہ رحمہ للہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ بہت عمدہ معاملہ کیا، اس وجہ سے کہ میں نے لفظ ''اللہ'' کو اعرف المعارف قرار دیا۔

---

❶ فتح الله بخصائص اسم الله: الباب الحادى بعد المائة، ج۲ ص ۴۶۰

❷ فتح الله بخصائص اسم الله: الباب الحادى بعد المائة، ج۲ ص ۴۶۰ تا ۵۵۰

❸ الدر المصون فى علوم الكتاب المكنون: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۷۶

انیسویں بحث: لفظ اللہ قرآن کریم میں کتنی بار آیا ہے؟

علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب الفیروزآبادی رحمہ اللہ (متوفی ۸۱۷ھ) فرماتے ہیں:

أَمّا في نصّ القرآن فمذكور في أَلفين وخمسمائة وبضع وستّين موضعًا. ❶

ترجمہ: لفظ اللہ قرآن کریم میں دو ہزار پانچ سو ساٹھ مرتبہ سے کچھ زائد استعمال ہوا ہے۔

علامہ علی بن احمد العزیزی رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۷۰ھ) فرماتے ہیں:

وقد ذكر في القرآن العزيز في الفين وثلاث مائة وستين موضعا. ❷

ترجمہ: لفظ اللہ قرآن کریم میں دو ہزار تین سو ساٹھ مرتبہ استعمال ہوا ہے۔

علامہ نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۰۷ھ) فرماتے ہیں:

وقد ذكره الله تعالى في الفين وثلاث مائة وستين موضعا من القرآن. ❸

ترجمہ: لفظ اللہ قرآن کریم میں دو ہزار تین سو ساٹھ مرتبہ استعمال ہوا ہے۔

شیخ فواد احمد عبد الباقی فرماتے ہیں کہ لفظ اللہ قرآن کریم میں دو ہزار چھ سو ستانوے (۲۶۹۷) مرتبہ استعمال ہوا ہے، نوسو اسی (۹۸۰) مقامات پر حالت رفعی میں، اور پانچ سو بانوے (۵۹۲) مقامات پر حالت نصبی میں، اور گیارہ سو پچیس (۱۱۲۵) مقامات پر حالت جری میں استعمال ہوا ہے۔ حضرت نے قرآن کریم کی ان تمام آیات کو تفصیلاً ذکر کیا ہے، دیکھئے تفصیلاً: ❹

---

❶ بصائر ذوي التمييز في لطائف الكتاب العزيز: ج ۲ ص ۲۱

❷ السراج المنير شرح الجامع الصغير في أحاديث البشير والنذير: مقدمة، ج ۱ ص ۳

❸ فتح البيان فى مقاصد القرآن: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۴۱

❹ المعجم المفهرس لألفاظ القرآن الكريم: ص ۴۰ تا ۷۵، سہیل اکیڈمی لاہور

تسمیہ میں اللہ کے تین آسماء ذکر کرنے کی کیا حکمت ہے؟

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ٦٠٦ھ) فرماتے ہیں:

الحكمة في ذكر هذه الأسماء الثلاثة أن المخاطبين في القرآن ثلاثة أصناف كما قال تعالى: فَمِنۡهُمۡ ظالم لِّنَفۡسِهِ وَمِنۡهُم مُّقۡتَصِدٌ وَمِنۡهُمۡ سَابِقُۢ بالخيرات فقال: أنا الله للسابقين، الرحمن للمقتصدين، الرحيم للظالمين. ❶

ترجمہ: قرآن کریم کے مخاطب تین قسم کے لوگ ہیں، ایک وہ جو اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے ہیں، دوسرے وہ جو میانہ روی کے ساتھ چلنے والے ہیں، تیسرے وہ ہیں جو نیکی کے کاموں میں آگے بڑھنے والے ہیں لفظ اللہ کا تعلق سابقین کے ساتھ اور رحمٰن کا تعلق مقتصدین کے ساتھ اور رحیم کا تعلق ظالمین کے ساتھ ہے۔

''الرحمن'' کے لغوی اور اصطلاحی معانی

رحمٰن: مادہ رح م سے ''فَعْلان'' کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے، عربی قواعد کی رو سے ''فَعْلان'' اور ''فُعْلان'' ایسے مصادر ہیں جن میں فعل کی انتہائی کثرت اور مبالغے کا معنی پایا جاتا ہے، جو اسماء اس وزن پر ہوں گے ان میں معنویت، انتہائی کثرت، فراوانی اور مبالغے کے ساتھ موجود ہوگی۔ یعنی ان کے مادوں کا مفہوم ان اسماء میں نہایت شدت اور زیادتی کے ساتھ پایا جائے گا، مثلاً ''فُرْقَان'' اس میں فرق و امتیاز پیدا کرنے کی صفت اپنے منتہائے کمال پر موجود ہے، یہ قرآن کا نام ہے اس لئے کہ قرآن سے بڑھ کر اور کوئی کتاب حق و باطل میں واضح فرق پیدا نہیں کرسکتی۔ ''قُرْبَان'' اس میں قرب کا معنی انتہائی افراط کے ساتھ تسلیم کیا جائے گا۔ ''نُدْمَان'' اس میں نادم اور شرمندہ ہونے کا معنی پایا جاتا ہے، لیکن اسم میں یہ صفت اس قدر شدت کے ساتھ موجود ہے کہ کوئی اور لفظ اس سے زیادہ معنی

❶ التفسير الكبير: الكتاب الثاني، الباب الحادي عشر، ج ١ ص ١٥٤

ندامت کا اظہار نہیں کرسکتا۔ اسی طرح ''غَضْبَان'' ہے اس میں بھی غیض وغضب کا معنی انتہائی شدت کے ساتھ موجود ہے، اس اسم سے بڑھ کر غضبناک ہونے کا مفہوم کوئی اور وزن ادا نہیں کرسکتا۔ چنانچہ ''الرحمن'' بھی اسی وزن پر ''رحم'' سے ماخوذ ہے، جس کا معنی صاف طور پر یہ متعین ہوا کہ ''انتہائی مہربانی کرنے والا'' گویا لفظ ''الرحمن'' کا مفہوم یہ ہوا کہ رب العالمین وہ ہے جس کی ذات میں صفت رحمت کی اتنی کثرت، فراوانی اور غایت ونہایت ہے کہ کوئی اور ہستی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

''الرحیم'' کے لغوی اور اصطلاحی معانی

''الرحمن'' کے بعد دوسرا اسم صفت ''الرحیم'' ہے، اس کا معنی بھی ''بہت رحم فرمانے والا'' ہے، یہ ''رحمت'' سے ''فَعِیْل'' کے وزن پر اسم فاعل ہے، اور اس میں بھی معنوی مبالغے کی صفت پائی جاتی ہے۔ مستزاد یہ کہ الرحیم صفت مشبہ ہے، اس میں صفت رحم کے اعتبار سے ہیشگی اور دوام واستمرار کی خوبی بھی پائی جاتی ہے، الرحیم اصطلاحی اعتبار سے الرحمٰن کے مقابلے میں عام ہے، اس کا استعمال اللہ تعالیٰ کے علاوہ کے لئے بھی جائز ہے۔ قرآن حکیم میں اس کے استعمال کی چند صورتیں ملاحظہ ہوں:

اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ. (البقرۃ:۵۴)

ترجمہ: یقیناً وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُ وْفٌ رَّحِیْمٌ. (البقرۃ:۱۴۳)

ترجمہ: بے شک اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

اُولٰٓئِکَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ. (البقرۃ:۲۱۸)

ترجمہ: یہی لوگ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں۔

بیسویں بحث: لفظ رحمٰن ورحیم دونوں مبالغے کے صیغے ہیں

لفظ ''رحمٰن ورحیم'' یہ دونوں مبالغے کے صیغے ہیں البتہ رحمٰن میں مبالغہ رحیم کی بہ نسبت زیادہ ہے۔

۱......علامہ ابوالقاسم محمود بن محمد الزمخشری رحمہ اللہ (متوفی ۵۳۸ھ) فرماتے ہیں:

الرحمن فعلان من رحم كغضبان وسكران من غضب وسكر وكذلك الرحيم فعيل منه كمريض وسقيم من مرض وسقم وفي الرحمن من المبالغة ما ليس في الرحيم ولذلك قالوا رحمن الدنيا والآخرة ورحيم الدنيا. ❶

ترجمہ: ''الرحمن ''فعلان کے وزن پر ہے اور یہ ''رحم '' سے مشتق ہے، جیسے ''غضبان'' یہ مشتق ہے ''غضب '' سے اور ''سکران ''مشتق ہے ''سکر '' سے، اسی طرح ''الرحیم ''،فعیل کے وزن ہے اور ''رحم '' سے مشتق ہے جیسے ''مریض '' یہ مشتق ہے ''مرض '' سے اور ''سقیم '' یہ مشتق ہے ''سقم '' سے۔ لفظ ''رحمن ''میں جو مبالغہ ہے وہ لفظ ''رحیم ''میں نہیں ہے، اسی وجہ سے کہا جاتا ہے ''رحمن الدنیا والآخرۃ '' کہ رحمٰن کا تعلق دنیا اور آخرت دونوں کے ساتھ ہے، جبکہ ''رحیم في الدنیا ''میں رحیم کا تعلق صرف دنیا کے ساتھ ہے۔

۲......امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

وذهب الجمهور من الناس إلى أن الرحمن مشتق من الرحمة مبني على المبالغة، ومعناه ذو الرحمة الذي لا نظير له فيها، فلذلك لا يثنى

---

❶ الكشاف عن حقائق التنزيل وعيون الأقاويل في وجوه التأويل: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۴۹

ولا يجمع كما يثنى الرحيم ويجمع. ❶

ترجمہ: جمہور حضرات اس بات کی طرف گئے ہیں کہ ''الرحمن'' مشتق ہے ''الرحمة'' سے، یہ مبالغہ کا صیغہ ہے، اسی وجہ سے اس لفظ کو نہ تثنیہ لاجاتا اور نہ جمع، جیسے کہ لفظ ''الرحيم'' کو تثنیہ اور جمع لایا جاتا ہے۔

۳......قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں:

الرحمن الرحيم اسمان بنيا للمبالغة من رحم، كالغضبان من غضب، والعليم من علم. ❷

ترجمہ: ''الرحمن، الرحيم'' یہ دونوں ''رحم'' سے مشتق ہیں اور مبالغے کے صیغے ہیں، جیسے ''غضبان'' مشتق ہے ''غضب'' سے، اور ''عليم'' مشتق ہے ''علم'' سے۔

۴......حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

الرحمن الرحيم اسمان مشتقان من الرحمة على وجه المبالغة، ورحمن أشد مبالغة من رحيم. ❸

ترجمہ: ''الرحمن، الرحيم'' دونوں مشتق ہیں ''رحم'' سے اور مبالغے کے صیغے ہیں، لفظ ''رحمن'' میں مبالغہ ''رحيم'' سے زیادہ ہے۔

۵......علامہ شوکانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۵۰ھ) فرماتے ہیں:

اسمان مشتقان من الرحمة على طريق المبالغة، ورحمن أشد مبالغة من رحيم. ❹

---

❶تفسير القرطبي: البسملة، الثانية والعشرون، ج ۱ ص ۱۴۱

❷التفسير البيضاوی: البسملة، ج ۱ ص ۲۹

❸تفسير ابن كثير: البسملة، ج ۱ ص ۱۱۸

❹فتح القدير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۸

ترجمہ: ''الرحمن، الرحیم '' یہ دونوں ''رحم '' سے مشتق ہیں، اور مبالغے کے صیغے ہیں، لفظ ''رحمن '' میں مبالغہ ''رحیم '' سے زیادہ ہے۔

۶......علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۳ھ) فرماتے ہیں:

كل من صفتي الرحمان الرحيم دالة على المبالغة فقد قال الجمهور إن الرحمان أبلغ من الرحيم بناء على أن زيادة المبنى تؤذن بزيادة المعنى. ❶

ترجمہ: ''الرحمن، الرحیم '' دونوں صیغۂ صفت ہیں جو مبالغے کے معنی پر دلالت کرتے ہیں، تحقیق جمہور علماء نے فرمایا کہ لفظ ''رحمن '' مبالغہ میں ''رحیم '' سے بڑھ کر ہے، اس وجہ سے کہ الفاظ کی زیادتی معانی کی کثرت کی خبر دیتی ہے۔

---

❶ التحرير والتنوير: الكلام على البسملة، ج ۱ ص ۱۷۱

اکیسویں بحث: لفظ رحمٰن ورحیم کے درمیان فرق

۱......قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں:

الرحمن أبلغ من الرحيم، لأن زيادة البناء تدل على زيادة المعنى كما في قَطَعَ وقَطَّعَ وكِبَار وكُبَّار، وذلك إنما يؤخذ تارة باعتبار الكمية، وأخرى باعتبار الكيفية، فعلى الأول قيل: يا رحمن الدنيا لأنه يعم المؤمن والكافر، ورحيم الآخرة لأنه يخص المؤمن، وعلى الثاني قيل: يا رحمن الدنيا والآخرة، ورحيم الدنيا، لأن النعم الأخروية كلها جسام، وأما النعم الدنيوية فجليلة وحقيرة. ➊

ترجمہ: ''رحمن'' میں بمقابلہ ''رحیم'' کے زیادہ مبالغہ ہے کیونکہ الفاظ کی زیادتی معنیٰ کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے، جیسا کہ ''قَطَعَ'' (بمعنی کاٹنا) اور ''قَطَّعَ'' (بمعنی بار بار کاٹنا)، ''کِبَارٌ'' (بمعنی بڑا) اور ''کُبَّارٌ'' (بمعنی بہت بڑا) ان مثالوں سے واضح ہے۔ اور اس زیادتی کا کبھی کمیت (تعداد) کے اعتبار سے لحاظ کیا جاتا ہے اور کبھی کیفیت کے اعتبار سے۔ تعداد کا اعتبار کرتے ہوئے کہا جاتا ہے ''یا رحمن الدنیا'' اس لئے کہ دنیا کی رحمت مؤمن وکافر دونوں کو عام ہے، اور ''رحیم الآخرة'' اس لئے کہ آخرت میں اللہ تعالی کی رحمت صرف مؤمنین کے لئے ہوگی۔ کیفیت کا اعتبار کرتے ہوئے کہا جاتا ہے ''یا رحمن الدنیا والآخرة ورحیم الدنیا'' اس لئے کہ اُخروی نعمتیں سب کی سب بڑی ہیں اور دنیاوی نعمتیں سو وہ چھوٹی بھی ہیں اور بڑی بھی۔

۲......علامہ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد النسفی رحمہ اللہ (متوفی ۷۱۰ھ) فرماتے ہیں:

جاء في الدعاء يارحمن الدنيا لأنه يعم المؤمن والكافر ورحيم

➊ التفسير البيضاوي: البسملة، ج ۱ ص ۲۹

الآخرة لأنه يخص المؤمن. ❶

ترجمہ: دعاؤں میں یہ الفاظ کہے جاتے ہیں ''یا رحمن الدنیا ورحیم الآخرۃ'' اس لئے کہ دنیا میں اللہ تعالی کی رحمت مؤمن اور کافر دونوں کو شامل ہے، اور آخرت میں اللہ تعالی کی رحمت صرف مؤمنین کے ساتھ خاص ہوگی۔

۳......علامہ حسین بن مسعود المعروف بغوی رحمہ اللہ (متوفی ۵۱۶ھ) فرماتے ہیں:

فالرحمن عام المعنى خاص اللفظ، والرحيم عام اللفظ خاص المعنى. ❷

ترجمہ: لفظ ''رحمن'' معنی کے اعتبار سے عام ہے اور لفظ کے اعتبار سے خاص ہے (معنی کے اعتبار سے عموم کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی کی رحمت دنیا میں مؤمن اور کافر سب کو عام ہے، اور لفظ کے اعتبار سے خاص ہے یعنی اس کا اطلاق غیر اللہ پر نہیں ہوتا) اور رحیم لفظ کے اعتبار سے عام ہے اور معنی کے اعتبار سے خاص ہے (یعنی لفظ کے اعتبار سے اس کا اطلاق غیر اللہ پر درست ہے، اور معنی کے اعتبار سے اللہ تعالی کی رحمت آخرت میں صرف مؤمنین کے ساتھ خاص ہوگی)۔

۴......امام ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رحمٰن کا تعلق آسمان والوں کے ساتھ ہے، جب کہ رحیم کا تعلق زمین والوں کے ساتھ ہے۔

۵.....حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رحمٰن کا مطلب یہ ہے کہ جب بھی اس سے مانگا جائے وہ دیتا ہے اور رحیم کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس سے نہ مانگا جاسے تو ناراض ہوتا ہے۔

۶.....رحمٰن کا مطلب ہے جو تکلیف ومصائب اور پریشانیوں کو دور کرتا ہے اور رحیم کہتے ہیں جو گناہوں کو معاف کرنے والا ہے۔

---

❶مدارک التنزيل: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۸

❷معالم التنزيل: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۷۲

۷.....رحمٰن کا مطلب ہے جو چھوٹی اور بڑی تمام نعمتوں کو عطا کرنے والا ہے، اور رحیم کا مطلب جو نقصان دہ چیزوں کو دور کرنے والا ہے، جیسے سورۂ مؤمن آیت نمبر ۹ اور سورۂ انعام آیت نمبر ۱۶ میں ہے:

الرحمن بأهل السماء والرحيم بأهل الارض. وقال ابن المبارک: الرحمن إذا سئل أعطى، والرحيم إذا لم يسأل غضب. الرحمن بكشف الكروب والرحيم بمغفرة الذنوب. الرحمن معطي النعم الصغيرة والكبيرة والرحيم دافع المضرات كما في المؤمن ۹ والأنعام ۱۶.

۸......مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۶۳ھ) فرماتے ہیں کہ انسان کے سامنے دو محبتیں موجود ہیں، ان دونوں کے درمیان طبعی طور پر فرق کیا جاتا ہے، اول محبت پدری، والد کی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ میرا بیٹا کمال حاصل کرے، اگرچہ اس کو کتنی ہی مشقتیں اٹھانی پڑے۔ دوم محبت مادری، ماں کی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ میرا بیٹا راحت کی زندگی گزارے اور ہر فرد کی بے آرامی سے محفوظ رہے کمال حاصل ہو یا نہ ہو۔ اب رحمٰن میں محبت پدری کی طرف اشارہ ہے، انسان دنیا میں تمام عبادتوں کی مشقت برداشت کر کے کامیابی حاصل کرے اور رحیم میں شفقت مادری کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو آخرت میں ہر قسم کی راحتیں پہنچائے گا۔

۹......شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمہ اللہ (متوفی ۱۴۰۰ھ) فرماتے ہیں کہ رحمٰن اس موصوف کو کہتے ہیں جو بالفعل رحمت کر رہا ہو اور جس کی رحمت کائنات کے ذرہ ذرہ کو شامل ہو۔ اور رحیم اس ذات کو کہتے ہیں جس کے ساتھ صفت لازمہ کے طور پر ہو اور خصوصیت ذاتیہ ہو عارضہ نہ ہو، تو مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ جو بالفعل ہر آن میں اپنی ساری مخلوق پر رحم فرما رہا ہے یہ رحم اس کی ذات کو لازم ہے اس کی صفت ذاتیہ ہے۔ [1]

---

[1] تفسیر جواہر القرآن: ج ا ص ۶

بائیسویں بحث: لفظ رحمٰن کا اطلاق غیر اللہ پر جائز نہیں

۱......علامہ ابو بکر جصاص رحمہ اللہ (متوفی ۳۷۰ھ) فرماتے ہیں:

وفيه اسمان من أسماء اللّٰه تعالى المخصوصة به لا يسمى بهما غيره وهما اللّٰه والرحمن. ❶

تسمیہ میں اللہ تعالیٰ کے دو نام ہیں جو ذات باری تعالیٰ کے ساتھ ہیں، غیر اللہ کے لئے یہ دونوں نام رکھنا جائز نہیں ہے، ان میں ایک لفظ اللہ ہے دوسرا لفظ رحمٰن ہے۔

۲......امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

أكثر العلماء على أن الرحمن مختص باللّٰه عزوجل، لا يجوز أن يسمى به غيره، ألا تراه قال: قل ادعوا اللّٰه أو ادعوا الرحمن. ❷

ترجمہ: اکثر علماء کی رائے یہی ہے کہ صفت رحمٰن اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، ان کے علاوہ کسی کو رحمٰن کہنا جائز نہیں، غور کیجئے! اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا کہ آپ کہئے کہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو۔

۳......قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں:

لأنه صار كالعلم من حيث أنه لا يوصف به غيره لأن معناه المنعم الحقيقي البالغ في الرحمة غايتها، وذلك لا يصدق على غيره. ❸

ترجمہ: اس لئے کہ رحمٰن لفظ اللہ کے مشابہ ہے اس حیثیت سے غیر اللہ کی صفت نہیں بنتا، کیونکہ رحمٰن کے معنی اس منعم حقیقی کے ہیں جو رحمت کے انتہائی مقام کو پہنچا ہوا ہو،

---

❶ أحكام القرآن للجصاص: البسملة، ج ۱ ص ۲۴

❷ تفسير القرطبي: البسملة، الخامسة والعشرون، ج ۱ ص ۱۴۳

❸ التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۹

اور یہ معنی غیر اللہ پر صادق نہیں آتا:

۴......حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

واسمه تعالى الرحمن خاص به لم يُسم به غيره كما قال تعالى: قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ. ❶

ترجمہ: اللہ تعالی کا نام رحمٰن ہے جو ذات باری تعالی کے ساتھ خاص ہے غیر اللہ کو رحمٰن کہنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا کہ آپ کہئے کہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو۔

۵......قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) فرماتے ہیں:

والحق أن الرحمن أبلغ لزيادة البناء ولذا اختص باللّٰه دون الرحيم. ❷

ترجمہ: حق بات یہ ہے کہ صفت رحمٰن حروف کی کثرت کی وجہ سے (رحیم سے) زیادہ بلیغ ہے، اسی وجہ سے رحمٰن اللہ تعالی کے ساتھ خاص ہے نہ کہ رحیم۔

تیئیسویں بحث: لفظ رحمٰن کو رحیم پر کیوں مقدم کیا؟

۱......رحمٰن میں زیادتی بحسب الکمیت ہے، رحمٰن کے افراد زیادہ ہیں، کیونکہ دنیا میں یہ مؤمن کافر سب کو شامل ہے۔ اور رحمتِ دنیا وجود کے اعتبار سے مقدم ہے رحمتِ آخرت پر، نیز وہ بمنزلہ عَلَم کے ہے، اور چونکہ علم مقدم ہوتا ہے وصف پر اس لئے رحمٰن کو رحیم پر مقدم کیا۔

۲......رحمٰن کے اندر زیادتی بحسب الکیفیت کا لحاظ کیا تو لفظ رحمٰن بڑی بڑی نعمتوں پر دلالت کرتا ہے، اور تسمیہ کے اندر اللہ کے اوصاف بیان کرنے کا موقع ہے، لہٰذا پہلے رحمٰن کا ذکر کیا تا کہ اللہ کے بڑے بڑے انعامات نمایاں ہوں، لیکن چھوٹی چھوٹی نعمتیں اس سے

---

❶تفسير ابن كثير: البسملة، ج ۱ ص ۱۱۹

❷التفسير المظهري: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۴

رہ گئیں، لہٰذا رحیم کو بطور تکملہ کے ذکر کیا، اس لئے اس کا ذکر بعد میں کیا۔

۳...... رحیم کو رؤس آیات کی محافظت کے لئے مؤخر کیا۔ رؤس آیت سے مراد آیت کے آخری حروف ہیں، آیات کے سجع کو برقرار رکھتے ہوئے رحیم کو مؤخر کیا، ان کا آخری حرف یائے ساکنہ کے بعد آ رہا ہے۔ جیسے: عالمین، دین، نستعین، وغیرہ۔

۴...... تسمیہ میں لفظ اللہ کا ذکر پہلے کیا، اس لئے کہ کوئی بھی شخص نہ مفرد کی صورت میں نہ مضاف کی صورت میں لفظ اللہ کے ساتھ متصف نہیں ہوسکتا، اس لئے لفظ اللہ کو مقدم کیا۔ رحمٰن کا اطلاق مفرد کی صورت میں تو غیر اللہ پر جائز نہیں، البتہ مضاف کی صورت میں جائز ہے جیسے عبد الرحمٰن وغیرہ۔ رحیم کا اطلاق غیر اللہ پر مفرد اور مضاف دونوں صورتوں میں ہوا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر رحیم کا اطلاق قرآن میں ہوا ہے۔

۵...... علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک رحیم کو مؤخر کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رحیم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے آپ مؤمنین پر بہت زیادہ مہربان اور نہایت رحیم ہیں (چونکہ رحمٰن اللہ کی صفت خاصہ ہے اس کو مقدم کیا اور رحیم عام ہے اس لئے اس کو مؤخر کیا):

وعندي من باب الإشارة أن تأخير الرحيم لأنه صفة محمد صلى الله عليه وسلم قال تعالىٰ: بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ. [1]

---

[1] روح المعانی: سورة الفاتحة، ج ا ص ٨٦

چوبیسویں بحث: رحمت کی ایسی جامع تعریف جس کے مراد لینے کی صورت میں کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا

علامہ جار اللہ زمخشری (متوفی ۵۳۸ھ) علامہ فخر الدین رازی (متوفی ۶۰۶ھ) قاضی بیضاوی (متوفی ۶۸۵ھ) رحمہم اللہ، ان تمام حضرات نے رحمت کی یہ تعریف کی ہے:

رقة القلب بحيث يقتضي الاحسان.

اب ان حضرات کے نزدیک ذات باری تعالیٰ کے لئے رحمت کا حقیقی معنی رقتِ قلب مراد لینا نہیں ہے بلکہ مجازی معنی یعنی احسان کرنا مراد ہے۔ اب اللہ تعالیٰ کی ذات حقیقی معنی میں گویا رحمٰن ورحیم نہیں ہے بلکہ اس تعریف کی صورت میں اللہ تعالیٰ مجازی طور پر رحمٰن ورحیم ہے، جیسے بہادر انسان کو حقیقتاً شیر نہیں کہتے بلکہ مجازاً اوصفِ شجاعت کی وجہ سے شیر کہتے ہیں۔ ان حضرات نے یہ تعریف رحمتِ مطلقہ کی تعریف نہیں کی ہے بلکہ انسانی یا حیوانی رحمت کی تعریف کی ہے، اس وجہ سے ان حضرات نے رحمت کی تعریف میں لفظِ قلب کا ذکر کیا ہے۔

رحمت کی صحیح تعریف: إيصال النفع سواء كان برقة القلب أو بالإرادة

اب رقتِ قلب سے رحمت کا صدور حیوانات اور انسانوں کے ساتھ مختص ہے جبکہ ارادہ سے رحمت کا صدور ذات باری تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے۔

سوال: صفتِ مشبہ کا صیغہ افعالِ لازمہ سے آتا ہے، متعدی افعال سے نہیں آتا جبکہ "رحم" سمع کے باب سے متعدی ہے؟

جواب: جو حضرات لفظِ رحمٰن اور رحیم کے صفت مشبہ کے صیغے ہونے کے قائل ہیں، وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ: یہاں "انتقال الی اللزوم" والی کارروائی کی گئی ہے۔

رَحِم کو فَعُلَ کے وزن پر منتقل کیا اور فَعُلَ افعال لازمہ میں سے ہے، لہٰذا اب رحمن کا صفت مشبہ کا صیغہ بننا درست ہے۔ اب رَحِمَ اور رَحُمَ کے معنی میں فرق یہ ہوگا کہ اگر فیضانِ خیر کا جذبہ قبل از ظہور ہو تو ''رَحِمَ'' کے قبیل سے ہے، اور اگر بعد از ظہور ہو تو ''رَحُمَ'' کے قبیل سے ہوگا۔

مثال: کسی معذور شخص کو دیکھ کر دل میں اس کے ساتھ تعاون کا جذبہ پیدا ہوتا ہو تو یہ رَحِمَ ہے، پھر اگر اس کی مدد کی جائے تو یہ رَحُمَ کے قبیل سے ہے۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ دونوں مبالغے کے صیغے ہیں صفت مشبہ کے صیغے نہیں ہیں:

إنهما ليسا بصفة مشبهة فالأصح أنهما من أبنية المبالغة. ❶

اللہ تعالیٰ کی حکومت میں اسماء اشخاص کے قائم مقام ہیں

علامہ ابن عربی رحمہ اللہ ''فتوحات مکیہ'' میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی حکومت میں اسماء اشخاص کے قائم مقام ہیں، اسماءِ خداوندی گویا اللہ کی حکومت کے مختلف محکموں کے نام ہیں جس طرح دنیا میں ہر محکمہ کا انچارج الگ الگ ہوتا ہے۔

اب خوراک کا تعلق اللہ تعالیٰ کی صفت رزاق کے ساتھ ہے، مجرم کو سزا دینے کا تعلق اللہ تعالیٰ کی صفت منتقم کے ساتھ ہے، تعلیم کا تعلق صفت علیم کے ساتھ ہے، بیماری سے شفاء دینے کا تعلق اللہ کی صفتِ شافی کے ساتھ ہے۔

صفات باری تعالیٰ کے متعلق عمدہ بحث

ذات باری تعالیٰ، صفات باری تعالیٰ اور اسماء باری تعالیٰ یہ تینوں الگ الگ چیزیں ہیں مگر ان تینوں کا مصداق ایک ہی ذات ہے۔ اس کو سمجھنے کے لئے ایک عام فہم مثال یوں

---

❶ روح المعاني: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۸۰

ہوسکتی ہے کہ اس دنیا میں ایک آفتاب (سورج) ہے، دوسری وہ روشنی ہے جو آفتاب کے جرم (جسم) کے ساتھ متعلق ہے، تیسری آفتاب کی وہ روشنی ہے جو زمین کی سطح پر پھیلی ہوئی ہوتی ہے۔ ہم اس کو تشبیہ تو نہیں کہہ سکتے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تشبیہ سے پاک ہے، لیکن سمجھانے کے لئے یوں کہا جاسکتا ہے کہ جرم شمس (سورج کا جسم) بمنزلہ ذات باری ہے، اور وہ روشنی جو جرم شمس کے ساتھ قائم ہے بمنزلہ صفات باری تعالیٰ ہے، اور وہ روشنی جو زمین پر پڑتی ہے بمنزلہ افعال کے ہے۔

تو اب بات یوں ہوئی کہ آفتاب بمنزلہ ذات باری تعالی ہے اور وہ روشنی بمنزلہ صفات باری تعالی ہے، یہ روشنی آفتاب کا نہ عین ہے اور نہ غیر ہے۔ اس مثال سے صفات باری تعالی کے متعلق **لاعین ولاغیر** کا مطلب بھی واضح ہوجاتا ہے، مثال مذکور میں سورج کی وہ روشنی جو زمین کی سطح پر پھیلی ہوئی ہے وہ بمنزلہ افعال خداوندی ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ پوری کائنات پر رحمتِ خداوندی پھیلی ہوئی ہے، انسان ہوں یا حیوان، نباتات ہوں یا جمادات، عالم بالا کی مخلوق ہوں یا عالم سفلی کی، یہ سب مخلوق رحمتِ خداوندی کا مظہر ہے۔ الغرض جس طرح سورج کی دھوپ کو سورج کے ساتھ تعلق ہے یونہی اس کائنات پر پھیلی ہوئی رحمت کو بھی حق تعالیٰ سے تعلق ہے اسی رحمت کی بناء پر اللہ تعالیٰ کی صفت رحمان اور رحیم ہے۔

مخلوق میں کام اسم کے بجائے مسمی سے ہوتا ہے

مخلوق میں کام اسم کے بجائے مسمی سے ہوتا ہے۔ اس لئے کوئی دنیا کے بادشاہ کا سارا دن وظیفہ پڑھتا رہے تو کام نہیں ہوگا، اس لئے کہ ممکنات میں اسماء کا ورد غیر مؤثر ہے مگر ذات باری تعالیٰ میں اسماء مؤثر ہیں۔ جیسے قرآن میں ہے: فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ.

تکوینیات اور تشریعیات میں اللہ تعالی کی رحمت کا غلبہ

تسمیہ میں اللہ تعالیٰ کا ایک اسم جلالی اور دو اسم جمالی ہیں۔ تکوینیات میں اللہ کی

رحمت کا غلبہ اس طور پر ہے کہ دنیا کی تمام نعمتوں سے دوست و دشمن سب فائدہ اٹھا رہے ہیں، دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے استفادہ صرف ایمان والوں کے ساتھ مختص نہیں ہے، بلکہ غیر مسلموں کو دنیا کی نعمتیں ایمان والوں سے کہیں زیادہ دیں، تو تکوینیات میں اللہ کی نعمتوں سے استفادہ خاص و عام سب ہی اٹھا رہے ہیں۔ اسی طرح تشریعیات میں اللہ کی رحمت کا غلبہ ہے، اگر ایک شخص سو سال کے بعد بھی مسلمان ہو تو اسلام لانے کی بدولت اس کے پچھلے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ ایک نماز سے دوسری نماز تک، ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک، ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک، جو گناہ صغیرہ درمیان میں صادر ہو جائیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے معاف فرماتے ہیں۔ گویا تکوینیات اور تشریعیات دونوں میں اللہ کی رحمت کا غلبہ ہے۔

پچیسویں بحث: اسماءِ باری تعالیٰ میں اعتبار غایات کا ہوتا ہے نہ کہ مبادی کا

سوال: رحمت کا معنی رقتِ قلب اور غضب کا معنی ''ثوران النفس'' ہے اللہ تعالیٰ تو جسم اور اس کے لوازمات سے پاک ہے۔ اب ان معانی کے نسبت اگر ذات باری تعالیٰ کی طرف ہو تو اس سے کیا مراد ہوگا؟

جواب: ذات باری تعالیٰ پر جن الفاظ کا اطلاق کرنا اگر ان کے حقیقی معنی کے اعتبار سے درست نہ ہو تو وہاں ان الفاظ کا اطلاق ذات باری تعالیٰ پر ان کی غایات اور آثار کے اعتبار سے ہوگا جو از قبیلِ تاثیر ہیں، ان اسباب و مبادی کے اعتبار سے نہیں جو از قبیلِ انفعال ہیں۔ مثلاً لفظِ رحمت اس کے معنی رقتِ قلب کے ہیں یہ مبدأ اور سبب ہے، مگر اس کا اثر انعام اور احسان ہے، مبدأ تو از قبیلِ انفعال ہے اور اثر از قبیلِ تاثیر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ رحمت کا معنی رقتِ قلب ہے جو مبدأ ہے یہ مراد نہیں بلکہ منتہی یعنی احسان کرنا مراد ہے، اسی طرح ثوران النفس مبدأ مراد نہیں بلکہ غایت یعنی انتقام لینا مراد ہے۔

ا......علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں:

فإذا سمعت الغضب في حق اللّٰه تعالى فاحمله على نهايات الأعراض لا على بدايات الأعراض. ❶

ترجمہ: جب آپ اللہ تعالی کے متعلق لفظ غضب سنو تو اسے اعراض کی انتہاء (یعنی انتقام) پر محمول کرو نہ کہ اعراض کی ابتداء (یعنی نفس کا جوش مارنا)۔

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں:

أسماء اللّٰه تعالى إنما تؤخذ باعتبار الغايات التي هي أفعال دون المبادي التي تكون انفعالات. ❷

ترجمہ: اسمائے باری تعالی کو غایات کے اعتبار سے لیا جائے گا جو افعال ہیں نہ کہ مبادی جو کہ انفعالات ہیں۔

علامہ قاضی ابوالسعود محمد بن محمد حنفی رحمہ اللہ (متوفی ۹۸۲ھ) فرماتے ہیں:

أسماء اللّٰه تعالى تؤخذ باعتبار الغايات التي هي أفعال دون المبادى التي هي انفعالات. ❸

ترجمہ: اسمائے باری تعالی کو غایات کے اعتبار سے لیا جائے گا جو افعال ہیں نہ کہ مبادی جو کہ انفعالات ہیں۔

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) فرماتے ہیں:

---

❶ التفسير الكبير: الكتاب الثاني، الباب الثامن، ج ۱ ص ۱۴۱

❷ التفسير البيضاوي: البسملة، ج ۱ ص ۲۹

❸ تفسير أبي السعود: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۸

أسماء اللّٰه تعالى إنما تؤخذ باعتبار الغايات دون المبادي فإنها انفعالات. ❶

ترجمہ: اسمائے باری تعالیٰ کو غایات کے اعتبار سے لیا جائے گا جو افعال ہیں نہ کہ مبادی جو کہ انفعالات ہیں:

چھبیسویں بحث: لفظِ رحمت قرآن کریم میں انیس (۱۹) معانی میں استعمال ہوا ہے

علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب الفیروز آبادی رحمہ اللہ (متوفی ۸۱۷ھ) فرماتے ہیں کہ لفظِ رحمت قرآن کریم میں انیس (۱۹) معانی میں استعمال ہوا ہے

۱.....نزولِ قرآن کے مشہور اور مقصود کو بتلانے کے لئے۔ ۲.....تمام رسولوں کے سردار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جہان والوں کے لئے رحمت کہا گیا۔ ۳.....نیک کام کرنے کی توفیق اور احسان کرنے کے معنی میں۔ ۴.....رسولوں کی نبوت کے معنی میں۔ ۵.....اسلام اور ایمان کے معنی میں۔ ٦.....پہچان کی نعمت۔ ۷.....گناہوں سے بچنا۔ ۸.....انسانوں اور حیوانوں کا رزق۔ ۹.....آزمائش اور امتحان سے عافیت۔ ۱۰.....آگ کے عذاب سے نجات دینا۔ ۱۱.....دشمن کے مقابلے میں مدد۔ ۱۲.....اہل ایمان کے درمیان الفت اور موافقت۔ ۱۳.....وہ کتاب (یعنی تورات) جو موسیٰ بن عمران علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ ۱۴.....ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کی تعریف۔ ۱۵.....زکریا علیہ السلام کی دُعا کا قبول ہونا۔ ۱٦.....نافرمانوں کے لئے معافی۔ ۱۷.....رحمت کے دروازوں کا کھلنا۔ ۱۸.....جنت سلامتی اور امن کی جگہ ہے۔ ۱۹.....رحمٰن کے لئے بطور صفتِ رحمت کے استعمال ہونا۔

---

❶ التفسير المظهري: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۴

الأول: بـمـعـنـی مـنشـور الـقـرآن: وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ. (بنی اسرائیل: ۸۲)

الثـانـي: بـمـعنی سیّد الرسل: وَ مَآ أَرْسَلْنَاکَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ. (الأنبياء:۱۰۷)

الثـالـث: بـمعنی توفیق الطّاعة والإحسان: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنتَ لَهُمْ. (آل عمران: ۱۵۹)

الـرَّابـع: بـمـعـنـی نبـوّة المرسلين: أَ هُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّکَ. (الزخرف: ۳۲)

الـخـامـس: بـمـعنی الإسلام و الإیمان: يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَشَآءُ. (آل عمران: ۷۴)

السّـادس: بمعنی نعمة العِرفان: وَ اٰتٰنِی رَحْمَةً مِّنْ عِندِ هِ أَی معرفة. (هود:۲۸)

السّابع: بمعنی العصمة من العصیان: إِلَّا مَن رَّحِمَ. (هود:۴۳)

الثامـن: بـمـعنی أَرزاق الإِنسان والحیوان: لَوْأَنْتُمْ تَمْلِكُونَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّی. (الإسراء:۱۰۰)

التـاسـع: بمعنی العافیة من الابتلاء و الامتحان: أَوْ أَرَادَنِی بِرَحْمَةٍ. (الزمر:۳۸)

الـعـاشـر: بمعنی النجاة من عذاب النیران: وَلَوْلاَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ. (النور:۱۴)

الـحـادي عشـر: بـمـعـنـی النُصرَةِ علی أهل العدوان: أَوْ أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً. (الأحزاب:۱۷)

الثانی عشر: بمعنی الألفة والموافقة بين أَهل الإِيمان: وَجَعَلْنَا فِی قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً. (الحديد:۲۷)

الثالث عشر: بمعنی الكتاب المنزل علی موسی بن عمران: وَمِن قَبْلِهِ كِتَابُ مُوسَى إِمَاماً وَرَحْمَةً. (هود:۱۷)

الرابع عشر: بمعنی الثناء علی إبراهيم والوِلدان: رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ. (هود:۷۳)

الخامس عشر: بمعنی إِجابة دعوة زكريا: ذِكْرُ رَحْمَةِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا. (مريم:۲)

السادس عشر: بمعنی العفو عن ذوي العصيان: لاَ تَقْنَطُواْ مِن رَّحْمَةِ اللّٰهِ. (الزمر:۵۳)

السابع عشر: بمعنی فتح أبواب الرَّوْح: مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِن رَّحْمَةٍ فَلاَ مُمْسِكَ لَهَا. (فاطر:۲)

الثامن عشر: بمعنی الجنَّةِ دار السّلام والأَمان: إِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيبٌ مِنَ الْمُحْسِنِينَ. (الأعراف:۵۶)

التاسع عشر: بمعنی صفة الرّحيم الرحمان: كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ. (الأنعام:۵۴) ❶

رحیم درحقیقت اللہ ہی کی ذات ہے

رحیم ذات حقیقت میں اللہ کی ہے دنیا میں کوئی شخص بھی اگر دوسرے کے ساتھ احسان کرتا ہے تو کسی عوض کی وجہ سے کرتا ہے۔

---

❶ بصائر ذوی التمييز في لطائف الكتاب العزيز: الباب الحادي عشر، ج۳ ص۵۵تا۵۸

عوض کی دو قسمیں ہیں

۱......جسمانی،۲......روحانی

جسمانی: جیسے دنیا میں کوئی شخص دوسرے کو مال دیتا ہے تا کہ اس کے عوض اس سے کوئی چیز خریدے۔

روحانی کی چھ قسمیں ہیں:

۱......کوئی شخص دوسرے کو مال اس لئے دیتا ہے تا کہ اس کے عوض اس شخص سے خدمت حاصل کرے۔

۲......کسی شخص کے ساتھ مالی تعاون اس لئے کرتا ہے تا کہ اس کے عوض وہ اپنے جملہ امور کی ادائیگی میں اس سے مدد طلب کرے۔

۳......کسی کے ساتھ مالی تعاون اس لئے کرتا ہے تا کہ وہ اس کی تعریف کرے کہ فلاں شخص کتنا سخی ہے۔

۴......کسی کے ساتھ احسان اس لئے کرتا ہے تا کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ اس کو بہترین بدلہ عطا فرمائیں۔

۵......کوئی شخص دوسرے کے ساتھ تعاون اس لئے کرتا ہے تا کہ دل سے مال کی محبت ختم ہو جائے۔

۶......کسی کے ساتھ احسان اس لئے کرتا ہے تا کہ رِقّتِ جنسیت کو زائل کرے۔ رقتِ جنسیت اس رقت کو کہتے ہیں جو اپنے ہم جنس کو پریشان حال دیکھ کر عارض ہوتی ہے اور جس کی وجہ سے انسان مضطرب و پریشان ہوتا ہے، اس کیفیت کے عارض ہونے کے بعد اگر مال دیتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے اضطراب کو ختم کرنے کے لئے دے رہا ہے۔

تو معلوم ہوا کہ منعم حقیقی حقیقت میں اللہ ہی کی ذات ہے بندہ انعام کرنے میں صرف واسطہ ہے کیونکہ خود نعمتوں کو پیدا کرنا، ان کو وجود میں لانا، ان کو مستحقین تک پہنچانے

میں قدرت عطا کرنا اور دل میں داعیہ اور شوق پیدا کرنا جو بندے کو ایثارِ نعمت پر ابھار رہا ہے، یہ سب اللہ کی طرف سے ہے تو منعم حقیقی بھی اللہ ہی کی ذات ہے۔

چنانچہ امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ٦٠٦ھ) فرماتے ہیں:

فإن قيل: فهل لغير الله رحمة أم لا؟ قلنا: الحق أن الرحمة ليست إلا لله، فكل أحد غير الله فهو إنما يعطى ليأخذ عوضًا، إلا أن الأعواض أقسام: منها جسمانية مثل أن يعطى ديناراً ليأخذ شيئًا، ومنها روحانية وهى أقسام: فأحدها: أنه يعطى المال لطلب الخدمة، وثانيها: يعطى المال لطلب الإعانة، وثالثها: يعطى المال لطلب الثناء الجميل، ورابعها: يعطى المال لطلب الثواب الجزيل، وخامسها: يعطى المال ليزيل حب المال عن القلب، وسادسها: يعطى المال لدفع الرقة الجنسية عن قلبه، وكل هذه الأقسام أعواض روحانية.❶

ستائیسویں بحث: بسم اللہ کے گیارہ عمدہ خواص

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ ''احکام وخواص بسم اللہ'' میں تسمیہ کے گیارہ (۱۱) خواص نقل کئے ہیں۔

۱...... ہر مشکل اور حاجت کے لئے

جو شخص بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) مرتبہ اس طرح پڑھے کہ ہر ایک ہزار پورا کرنے کے بعد درود شریف کم از کم ایک مرتبہ پڑھے اور اپنے مقصد کے لئے دعا مانگے، پھر ایک ہزار اور اسی طرح پڑھے کہ مقصد کے لئے دعا کرے، اس طرح بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) پورا کرے تو ان شاء اللہ ہر مشکل آسان اور ہر حاجت پوری ہوگی۔

❶التفسير الكبير: الكتاب الثاني، الباب العاشر، ج ١ ص ١٥١

۲......بسم اللہ کو عددِ حروف کے موافق پڑھنا

بسم اللہ کے حروف کے عدد سات سو چھیاسی (۷۸۶) ہیں، جو شخص اس عدد کے موافق سات روز تک متواتر ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھا کرے اور اپنے مقصد کے لئے دعا کیا کرے تو ان شاء اللہ مقصد پورا ہوگا۔

۳......تسخیرِ قلوب

جو شخص ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کو چھ سو (۶۰۰) مرتبہ لکھ کر اپنے پاس رکھے تو لوگوں کے دلوں میں اس کی عظمت وعزت ہوگی کوئی اس سے بدسلوکی نہ کرے گا۔

۴......حفاظت اَز آفات

جو شخص محرم کی پہلی تاریخ کو ایک سو تیرہ (۱۱۳) مرتبہ مکمل ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کاغذ پر لکھ کر اپنے پاس رکھے گا ہر طرح کی آفات ومصائب سے محفوظ رہے گا مجرب ہے۔

۵......چوری اور شیطان سے حفاظت

سونے سے پہلے اکیس (۲۱) مرتبہ پڑھے تو چوری اور شیطانی اثرات سے اور اچانک موت سے محفوظ رہے گا۔

۶......ظالم پر غلبہ

کسی ظالم کے سامنے پچاس (۵۰) مرتبہ پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کو مغلوب کر کے اس کو غالب کر دیں گے۔ سات سو چھیاسی (۷۸۶) مرتبہ پانی پر دم کر کے جس کو پلائے اس کو گہری محبت ہوجائے گی (ناجائز کاموں میں استعمال کرے تو وبال کا خطرہ ہے)۔

۷......حفاظتِ اولاد

جس عورت کے بچے زندہ نہ رہتے ہوں ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کو اکسٹھ (۶۱)

مرتبہ لکھ کر تعویذ بنا کر اپنے پاس رکھے تو بچے محفوظ رہیں گے۔ مجرب ہے۔

۸......کھیتی کی حفاظت اور برکت کے لئے

ایک سو ایک (۱۰۱) مرتبہ کاغذ پر لکھ کر کھیت میں دفن کر دے تو کھیتی تمام آفات سے محفوظ رہے گی اور اس میں برکت ہوگی۔

۹......حُکّام کے لئے

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کسی کاغذ پر پانچ سو (۵۰۰) مرتبہ لکھے اور اس پر ڈیڑھ سو (۱۵۰) مرتبہ ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھے پھر اس تعویذ کو اپنے پاس رکھے تو حکام مہربان ہو جائیں گے اور ظالم کے شر سے محفوظ رہے گا۔

۱۰......دردِ سر کے لئے

اکیس (۲۱) مرتبہ لکھ کر کے گلے میں یا سر پر باندھ دیں تو دردِ سر نہ ہوگا۔

۱۱......ذہن اور حافظہ کے لئے

سات سو چھیاسی ۷۸۶) مرتبہ پانی پر دم کر کے طلوعِ آفتاب کے وقت پیئے تو ذہن کھل جائے گا اور ان شاء اللہ حافظہ قوی ہوگا۔

اٹھائیسویں بحث: امام رازی رحمہ اللہ نے تسمیہ کی تفسیر میں متعدد واقعات نقل کئے ہیں

بسم اللہ ہر زہر کا تریاق

ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بیمار ہو گئے، بارگاہِ خداوندی میں اپنی کیفیت بیان کی، ارشاد ہوا فلاں بوٹی کھالو آرام آ جائیگا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جنگل سے وہ بوٹی

توڑ کر کھالی آرام آ گیا، کچھ عرصہ بعد پھر آپ کو وہی بیماری لاحق ہوئی آپ سیدھے جنگل گئے اور وہی بوٹی توڑ کر کھالی مگر افاقہ ہونے کے بجائے مرض نے اور شدت اختیار کر لی۔ آپ بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا اللہ! پہلی مرتبہ اس دوا سے شفا حاصل ہوئی تھی لیکن اس دفعہ مرض اور بڑھ گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی مرتبہ تم ہماری طرف سے بوٹی کی طرف گئے تھے اس لئے شفاء حاصل ہوگئی، دوسری مرتبہ تم خود ہی اس کی طرف چلے گئے اس لئے بیماری شدید ہوگئی، کیا تم نہیں جانتے ساری دنیا زہرِ قاتل ہے اور اس کا تریاق صرف ہمارا نام ہے۔ ❶

فرعون کا دعویٰ الوہیت سے پہلے کا واقعہ

ا......امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) نے واقعہ نقل کیا کہ فرعون نے الوہیت کا دعویٰ کرنے سے پہلے ایک محل بنوایا اور اس کے دروازے پر "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" لکھوایا، جب فرعون نے ربوبیت کا دعویٰ کیا تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی طرف بھیجا، موسیٰ علیہ السلام نے مسلسل ان کو دعوت دی لیکن اس پر ہدایت کے کوئی آثار نظر نہیں آئے، تو موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی، اے اللہ! میں نے کئی مرتبہ اس کو دعوت دی لیکن میں اس میں کوئی بھلائی نہیں دیکھتا، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! تو اس کے کفر کی طرف دیکھ کر کہتا ہے میں اس کو ہلاک کروں لیکن میں اس کی طرف دیکھ کر رک جاتا ہوں جو اس نے اپنے دروازے پر لکھوایا ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جو تسمیہ کو دروازے پر لکھوائے تو وہ ہلاکت سے محفوظ ہو جاتا ہے اگرچہ وہ کافر ہو، تو اس شخص کا کیا کہنا جس نے اس کلمے کو شروع عمر سے آخری عمر تک اپنے دل پر لکھا ہو:

---

❶ التفسير الكبير: الكتاب الثاني، الباب الحادي عشر، ج ۱ ص ۱۵۲

روي أن فرعون قبل أن يدعي الإلهية بنى قصرًا وأمر أن يكتب بسم اللّٰه على بابه الخارج، فلما ادعى الإلهية وأرسل إليه موسى عليه السلام ودعاه فلم يرَ به أثر الرشد قال: إلهي كم أدعوه ولا أرى به خيرًا، فقال تعالى: يا موسى! لعلك تريد إهلاكه، أنت تنظر إلى كفره وأنا أنظر إلى ما كتبه على بابه، والنكتة أن من كتب هذه الكلمة على بابه الخارج صار آمنًا من الهلاك وإن كان كافرًا فالذي كتبه على سويداء قلبه من أول عمره إلى آخره كيف يكون حاله؟ ❶

قومِ نوح کی نجات کا ایک سبب

۲......حضرت نوح علیہ السلام جب کشتی میں سوار ہوئے تو فرمایا:

”بِسۡمِ اللّٰهِ مَجۡرٖهَا وَمُرۡسٰهَا“ تو اس نصف کلمہ کے پڑھنے کی وجہ سے اللہ نے ان کو اور ان کی قوم کو نجات دی، پس وہ شخص جو ساری عمر اس کلمے کو پڑھے وہ نجات سے کیسے محروم رہ سکتا ہے؟

أن نوحًا عليه السلام لما ركب السفينة قال: بِسۡمِ اللّٰهِ مَجۡرٖهَا وَمُرۡسَاهَا فوجد النجاة بنصف هذه الكلمة، فمن واظب على هذه الكلمة طول عمره كيف يبقى محرومًا عن النجاة؟ ❷

قیصرِ روم کا واقعہ

۳......قیصرِ روم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا کہ میرے سر میں ہمیشہ درد رہتا ہے تو آپ میرے لئے کوئی دوا بھیجیں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف ایک ٹوپی بھیجی، اب قیصرِ روم جب اس ٹوپی کو اپنے سر پر رکھتا تو درد بالکل ختم ہو جاتا

---

❶ التفسير الكبير: الكتاب الثاني، الباب الحادي عشر، ج ۱ ص ۱۵۲

❷ التفسير الكبير: الكتاب الثاني، الباب الحادي عشر، ج ۱ ص ۱۵۳

اور جب ٹوپی اتارتا تو پھر سر میں درد ہونے لگتا، تو اسے بڑا تعجب ہوا تو اس نے ٹوپی کو پھاڑا تو دیکھا اندر ایک کاغذ ہے جس پر ''بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم'' لکھا ہوا ہے:

كتب قيصر إلى عمر رضي اللّٰه عنه أن بي صُداعًا لا يسكن فابعث لي دواء، فبعث إليه عمر قلنسوة فكان إذا وضعها على رأسه يسكن صداعه، وإذا رفعها عن رأسه عاوده الصداع، فعجب منه ففتش القلنسوة فإذا فيها كاغذ مكتوب فيه: بسم اللّٰه الرحمن الرحيم. ❶

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا واقعہ

۴......ایک مجوسی نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ ہمیں اسلام کی دعوت دیتے ہیں اس مذہب کی حقانیت پر ہمیں کوئی نشانی بتائیں تا کہ ہم وہ دیکھ کر مسلمان ہو جائیں، تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے زہر منگوایا اور ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھ کر اس کو کھایا تو اللہ کے فضل وکرم سے زہر کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوا، تو یہ دیکھ کر وہ مجوسی پکار اٹھا کہ یہ دین برحق ہے:

طلب بعضهم آية من خالد بن الوليد فقال: إنك تدعي الإسلام فأرنا آية لنسلم، فقال: ائتوني بالسم القاتل، فأتي بطاس من السم، فأخذها بيده وقال: بسم اللّٰه الرحمن الرحيم، وأكل الكل وقام سالمًا بإذن اللّٰه تعالى، فقال المجوس هذا دين حق. ❷

بیٹے کے تسمیہ پڑھنے سے عذاب میں مبتلا والد کی بخشش کا واقعہ

۵......حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک قبر کے پاس سے گزرے تو دیکھا کہ عذاب کے

---

❶ التفسير الكبير: الكتاب الثاني، الباب الحادي عشر، ج ١ ص ١٥٥

❷ التفسير الكبير: الكتاب الثاني، الباب الحادي عشر، ج ١ ص ١٥٥

فرشتے اس قبر والے کو سزا دے رہے ہیں، جب وہ واپس لوٹے تو کیا دیکھا کہ رحمت کے فرشتے آئے ہوئے ہیں اور ان کے پاس نور کے طاقچے ہیں، تو انہیں بڑا تعجب ہوا کہ پہلے کچھ دیر پہلے عذاب ہو رہا تھا اور اب یہ رحمت کا معاملہ، تو آخر انہوں نے اللہ سے دعا کی تو اللہ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ اے عیسی! یہ شخص گناہ گار تھا اور اپنے گناہوں کی وجہ سے عذاب میں گرفتار تھا، اس کی اہلیہ حاملہ تھی ان کے ہاں لڑکے کی پیدائش ہوئی تو ان کی اہلیہ نے اس کی پرورش کی یہاں تک کہ بڑا ہوا تو اس کو تعلیم کے لئے بھیجا، اب جب اس بچے نے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھا تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مجھے شرم آئی اس بات پر کہ میں اس کے والد کو زمین کے نیچے سزا دوں جب کہ اس کا بیٹا زمین پر میرا نام لے، تو بیٹے کے تسمیہ پڑھنے سے باپ کی بخشش ہوگئی:

مر عيسى بن مريم عليه السلام على قبر فرأى ملائكة العذاب يعذبون ميتاً، فلما انصرف من حاجته مر على القبر فرأى ملائكة الرحمة معهم أطباق من نور، فتعجب من ذلک، فصلى ودعا اللّٰه تعالى فأوحى اللّٰه تعالى إليه: يا عيسى! كان هذا العبد عاصيًا ومذ مات كان محبوسًا في عذابي، وكان قد ترک امرأة حبلى فولدت ولدًا وربته حتى كبر، فسلمته إلى الكتاب فلقنه المعلم بسم اللّٰه الرحمن الرحيم، فاستحيت من عبدي أن أعذبه بناري في بطن الأرض وولده يذكر اسمي على وجه الأرض. ❶

علامہ ابن عادل حنبلی رحمہ اللہ (متوفی ۸۸۰ھ) نے آخری تینوں واقعات کو نقل کیا ہے، دیکھئے: ❷

---

❶ التفسير الكبير: الكتاب الثاني، الباب الحادي عشر، ج ۱ ص ۱۵۵

❷ اللباب في علوم الكتاب: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۴۴، ۱۴۵

حضرت بشر بن حارث المعروف بشر حافی رحمہ اللہ کا واقعہ

علامہ ابن عساکر رحمہ اللہ (متوفی ۵۷۱ھ) نقل کرتے ہیں کہ آپ کی توبہ کا سبب یہ واقعہ بنا:

وكان كبير الشأن وكان سبب توبته أنه أصاب في الطريق كاغذة مكتوبا عليها اسم الله وطئتها الأقدام فأخذها واشترى بدرهم كان معه غالية فطيب بها الكاغذة وجعلها في شق حائط فرأى فيما يرى النائم كأن قائلا قال له يا بشر طبت اسمي لأطيبن اسمك في الدنيا والآخرة. ❶

ترجمہ: آپ ایک مرتبہ راستے سے گزر رہے تھے تو دیکھا کہ زمین پر ایک کاغذ پڑا ہوا ہے جو بے احتیاطی میں روندا جا رہا ہے جبکہ اس میں ذاتِ باری تعالیٰ کا اسم گرامی موجود ہے، تو انہوں نے اس کو اٹھایا اور ایک درہم کی عمدہ خوشبو خریدی، کاغذ سے گرد و غبار ہٹا کر اس پر خوشبو لگائی، پھر اس کو اونچی جگہ پر نہایت احترام کے ساتھ رکھا۔ پس رات کو جب سوئے تو خواب میں دیکھا کہ کوئی یہ کہہ رہا ہے اے بشر! جس طرح تو نے میرے نام کو احترام کر کے خوشبو لگائی ہم بھی تیرے نام کو دنیا و آخرت میں اسی طرح خوشبودار بنائیں گے، چنانچہ آج بھی اولیاء اللہ کا نام آتا ہے تو حضرت بشر حافی رحمہ اللہ کا نام ان میں نمایاں ہوتا ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ٦٠٦) نے بھی اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ حضرت بشر حافی رحمہ اللہ نے ایک کاغذ زمین پر پڑا ہوا دیکھا اس میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھی ہوئی تھی، پس آپ نے اٹھایا اور مُشک کی خوشبو سے اُسے معطر کر کے اونچی جگہ پر رکھ دیا، پس خواب میں دیکھا کوئی قائل یہ کہہ رہا تھا: اے بشر! تم نے ہمارے نام کو معطر کیا، ہم

---

❶ تاريخ مدينة دمشق: حرف الباء، ترجمة: بشر بن الحارث بن عبد الرحمن، ج ١٠ ص ١٨١

بھی تمہارے نام کو دنیا اور آخرت میں خوشبودار کریں گے:

رأى بشر الحافي كاغذاً مكتوباً فيه: بسم الله الرحمن الرحيم فرفعه وطيبه بالمسك فرأى في النوم قائلاً يقول: يا بشر طبت اسمنا فنحن نطيب اسمك في الدنيا والآخرة. ❶

سورہ توبہ اور جانور کے ذبح کرتے وقت تسمیہ نہ پڑھنے کی حکمت

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ سورہ توبہ مشتمل ہے ان مضامین پر جن میں قتال کا حکم دیا گیا ہے اس لئے اس کے شروع میں تسمیہ نہیں لکھا گیا۔ نیز سنت یہ ہے کہ بوقتِ ذبح "بسم الله الله أكبر" کہا جائے، مکمل "بسم الله الرحمن الرحيم" نہ پڑھا جائے اس لئے کہ قتال اور جانور کے ذبح کرتے وقت "الرحمن الرحيم" نہ پڑھنا مناسب ہے۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے ہم کو فرض نمازوں میں تسمیہ کے سترہ (۱۷) مرتبہ پڑھنے کی توفیق دی تو یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ نے ہم کو قتل اور عذاب کے لئے پیدا نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اپنے فضل واحسان کے لئے پیدا کیا ہے:

لما كانت سورة التوبة مشتملة على الأمر بالقتال لم يكتب في أولها بسم الله الرحمن الرحيم وأيضاً السنة أن يقال عند الذبح باسم الله والله أكبر ولا يقال: بسم الله الرحمن الرحيم لأن وقت القتال والقتل لا يليق به ذكر الرحمن الرحيم، فلما وفقك لذكر هذه الكلمة في كل يوم سبع عشرة مرة في الصلوات المفروضة دل ذلك على أنه ما خلقك للقتل والعذاب، وإنما خلقك للرحمة والفضل والإحسان. ❷

---

❶ التفسير الكبير: الكتاب الثاني، الباب الحادي عشر، ج ۱ ص ۱۵۵

❷ التفسير الكبير: الكتاب الثاني، الباب الحادي عشر، ج ۱ ص ۱۵۶

تسمیہ میں انیس (١٩) حروف ذکر کرنے کی دو حکمتیں

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ٦٠٦ھ) فرماتے ہیں:

قيل بسم اللّٰه الرحمن الرحيم تسعة عشر حرفًا، وفيه فائدتان: إحداهما: أن الزبانية تسعة عشر، فاللّٰه تعالى يدفع بأسهم بهذه الحروف التسعة عشر، الثانية: خلق اللّٰه تعالى الليل والنهار أربعة وعشرين ساعة، ثم فرض خمس صلوات في خمس ساعات فهذه الحروف التسعة عشر تقع كفارات للذنوب التي تقع في تلك الساعات التسعة عشر. ❶

ترجمہ: جہنم پر انیس (١٩) فرشتے مقرر ہیں اور تسمیہ میں بھی انیس (١٩) حروف ہیں، جو ان کے پڑھنے کا اہتمام کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کے فرشتوں سے محفوظ رکھے گا۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ دن اور رات میں کل چوبیس (٢٤) گھنٹے ہوتے ہیں، اور ان میں پانچ نمازیں فرض ہیں، اب باقی انیس (١٩) گھنٹے رہ گئے، اب جو تسمیہ کے حروف پڑھنے کا اہتمام کرے گا تو یہ کفارہ ہو جائیں گے ان گناہوں کے جو انیس (١٩) گھنٹوں میں صادر ہوئے ہیں۔

انتیسویں بحث: تسمیہ میں بلاغت کے عمدہ نکات

١....الإيجاز بإضافة العام إلى الخاص في قوله بسم اللّٰه.

٢....الاستعارة المكنية التبعية إذا جعلنا الباء للاستعانة لتشبيهها بارتباط يحصل بين المستعين والمستعان به ولذا جعل الباء للإلصاق يكون في الكلام مجاز مرسل علاقة المحلية نحو مررت بزيد أي الصقت مروري بمكان يقرب إلى زيد لا بزيد لفظ. ❷

---

❶التفسير الكبير: الكتاب الثاني، الباب الحادي عشر، ج ١ ص ١٥٦

❷حدائق الروح والريحان: مباحث البسملة، البحث السادس، ج ١ ص ٣٧

تیسویں بحث: تسمیہ کی ترکیب نحوی

’’بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم‘‘ میں حرف باء جار ہے، ’’اسم‘‘ مجرور اور مضاف، لفظ ’’اللّٰه‘‘ مضاف الیہ اور موصوف ہے، لفظ ’’الرحمن الرحیم‘‘ دونوں یکے بعد دیگرے لفظ اللہ کی صفات ہیں۔ موصوف ’’اللّٰه‘‘ اپنی دونوں صفات ’’الرحمن‘‘ اور ’’الرحیم‘‘ کے ساتھ مل کر ’’اسم‘‘ کا مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر جار یعنی حرف باء کا مجرور بن گیا۔ اب اس حرف باء (جار) کا متعلق ہے جو فعل محذوف ہے۔ وہ یہاں ’’أَشْرَعُ، أَبْدَأُ‘‘ یا ’’أَقْـرَأُ‘‘ وغیرہ ہوسکتا ہے۔ چنانچہ جار و مجرور اور فعل محذوف جس میں فاعل بھی ہے۔ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ اس کی دوسری صورت یہ بھی ہے کہ یہاں فعل محذوف صیغہ امر ’’اِبْدَأْ‘‘ یا ’’اِقْرَأْ‘‘ کو مانا جائے، اس طرح تسمیہ، جملہ فعلیہ انشائیہ قرار پائے گا۔

پہلی بحث: سورہ فاتحہ مکی ہے یا مدنی؟

سورۂ فاتحہ کا زمانۂ نزول

سورۂ فاتحہ کا زمانۂ نزول کے بارے میں علماء کے تین اقوال ہیں:

۱..... یہ مکی دور میں نازل ہوئی۔

۲..... یہ مدنی دور میں نازل ہوئی۔

۳..... یہ دو مرتبہ نازل ہوئی، پہلے مکی دور میں اور دوسری مرتبہ مدنی دور میں۔

سورۂ فاتحہ کا مکی ہونا مذہب مختار ہے، احادیث صحیحہ اور آثار صحابہ کے علاوہ خود قرآنِ کریم اس امر کی تائید کرتا ہے، سورۂ حجر بالاتفاق مکی سورت ہے، اس میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَلَقَدْ آتَيْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْآنَ الْعَظِيْمَ. (الحجر: ۸۷)

اور بے شک ہم نے آپ کو بار بار دہرائی جانے والی سات آیتیں (یعنی سورۂ فاتحہ) اور بڑی عظمت والا قرآن عطا فرمایا ہے۔

''سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ'' سے مراد متفقہ طور پر سورۂ فاتحہ ہے کیونکہ یہ سات آیتوں پر مشتمل ہے اور یہی وہ سورت ہے جو بار بار نماز میں دہرائی جاتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحت کے ساتھ یہ نام اسی سورت کا بیان فرمایا، گویا آیت مذکورہ میں یہ ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے آپ کو سورۂ فاتحہ عطا کی ہے، چنانچہ سورۂ حجر کی یہ آیت جو مکہ میں نازل ہوئی، اس بات کی قطعی شہادت مہیا کر رہی ہے کہ سورۂ فاتحہ اس سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔ بایں وجہ اس سورت کا مکی ہونا ہی قولِ صحیح ہے۔

امام ثعلبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اکثر علماء کا اتفاق اسی قول پر ہے، امام واحدی رحمہ اللہ نے ''أسباب النزول'' میں اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے ''الإتقان في علوم القرآن'' میں اسی امر کی تائید کی ہے، امام ابن جریر طبری، حافظ ابن کثیر رحمہما اللہ اور اکثر متقدمین ومتاخرین کا بھی یہی مذہب ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، امام ابو العالیہ، قتادہ، ابو میسرہ رحمہم اللہ اور دیگر صحابہ وتابعین بھی اسی موقف کے قائل ہیں۔

بعض علماء کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ مدنی ہے، امام مجاہد، امام عطاء بن یسار اور امام زہری رحمہم اللہ سے یہ رائے منقول ہے، دیکھئے تفصیلاً: (1)

بعض علماء نے یہ رائے اختیار کی ہے کہ سورۂ فاتحہ دو مرتبہ نازل ہوئی، پہلی بار مکہ میں اور دوسری بار مدینہ میں، جب بیت المقدس کی جگہ خانۂ کعبہ کو قبلہ مقرر کیا گیا، اس قول سے مذکورہ بالا دونوں اقوال کے درمیان تطبیق ہو جاتی ہے:

---

(1) الإتقان في علوم القرآن: النوع الأول، ج ۱ ص ۴٦

وقيل مكية ومدنية لأنها نزلت بمكة مرة وبالمدينة أخرى. ❶

ترجمہ: یہ بھی کہا گیا کہ سورۂ فاتحہ مکی بھی ہے اور مدنی بھی کیونکہ یہ ایک بار مکہ میں اور دوسری بار مدینہ میں نازل ہوئی۔

اکثر علماء کے ہاں سورہ فاتحہ مکی ہے اور یہی قول صحیح ہے

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، قتادہ اور ابو عالیہ ریاحی جن کا نام رُفَیع ہے اور بعض دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ یہ سورت مکی ہے۔ جب کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، مجاہد، عطاء بن یسار اور زہری رحمہم اللہ وغیرہم اس کے مدنی ہونے کے قائل ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آدھی سورت مکہ میں نازل ہوئی اور آدھی مدینہ میں، یہ قول ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ ان میں صحیح ترین پہلا قول ہے کیوں کہ ارشاد باری تعالیٰ: ''وَلَقَدْ آتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْآنَ الْعَظِيْمَ'' سورہ حجر میں ہے جس کے مکی ہونے پر اجماع ہے۔ دوسرے اس بات میں بھی اختلاف نہیں کہ نماز مکہ میں ہی فرض ہوگئی تھی اور یہ کہیں ثابت نہیں ہے کہ اسلام میں کبھی ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' کے بغیر کوئی نماز پڑھی گئی ہو۔ اس کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا درج ذیل ارشاد گرامی بھی ہے:

لَا صَلَاةَ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ.

یعنی سورۂ فاتحہ کے بغیر کوئی نماز نہیں۔

پھر اس سے مراد نماز میں سورۂ فاتحہ کا حکم ہے نہ کہ نماز کی ابتداء کے بارے میں بتانا:

اختلفوا أهي مكية أم مدنية؟ فقال ابن عباس وقتادة وأبو العالية

---

❶ الكشاف: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱

الرياحي واسمه رفيع وغيرهم: هي مكية. وقال أبو هريرة ومجاهد وعطاء بن يسار والزهري وغيرهم: هي مدنية. ويقال: نزل نصفها بمكة، ونصفها بالمدينة. حكاه أبو الليث نصر بن محمد بن إبراهيم السمرقندي في تفسيره. والأول أصح لقوله تعالى: ولقد آتيناک سبعا من المثاني والقرآن العظيم. والحجر مكية بإجماع. ولا خلاف أن فرض الصلاة كان بمكة. وما حفظ أنه كان في الإسلام قط صلاة بغير الحمد للّٰه رب العالمين، يدل على هذا قوله عليه السلام: لا صلاة إلا بفاتحة الكتاب. ❶

۲......علامہ مجدالدین محمد بن یعقوب الفیروزآبادی رحمہ اللہ (متوفی ۸۱۷ھ) فرماتے ہیں:

اختلف العلماء في موضع نزولها. فقيل: نزلت بمكّة وهو الصحيح. ❷

ترجمہ: علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ سورۂ فاتحہ کہاں نازل ہوئی ہے؟ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ مکہ میں نازل ہوئی ہے یہی قول صحیح ہے۔

۳......علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں:

اختلف فيها فالأكثرون على أنها مكية وهو المروي عن علي وإبن عباس وقتادة وأكثر الصحابة. ❸

ترجمہ: علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ سورۂ فاتحہ مکی ہے یا مدنی؟ اکثر اہل علم اس بات کے قائل ہیں کہ سورۂ فاتحہ مکی ہے، یہی قول حضرت علی، عبداللہ بن عباس، قتادہ اور اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

---

❶تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الثاني، ج ۱ ص ۱۵۴

❷بصائر ذوي التمييز في لطائف الكتاب العزيز: الباب الأول، ج ۱ ص ۱۲۸

❸روح المعاني: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۴۵

۴......علامہ محمد امین بن عبداللہ ہرری فرماتے ہیں:

سورة الفاتحة مكية نزلت بعد المدثر وهو قول أكثر العلماء. ❶

ترجمہ: اکثر علماء کے نزدیک سورہ فاتحہ مکی ہے، اور یہ سورہ مدثر کے بعد نازل ہوئی۔

امت کا اجماع ہے کہ سورہ فاتحہ میں سات آیات ہیں

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

أجمعت الأمة على أن فاتحة الكتاب سبع آيات. ❷

ترجمہ: امت کا اجماع ہے کہ سورہ فاتحہ میں سات آیات ہیں۔

سورۂ فاتحہ کے امتیازات

امام ابن حصار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے ان لوگوں پر حیرت ہوتی ہے جو ان نصوص کے ہوتے ہوئے اس مسئلہ میں اختلاف کا ذکر کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد فرمانا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی سورت نہ تورات میں نازل فرمائی، نہ انجیل میں نہ خود قرآن کریم میں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا زبور وغیرہ دیگر کتابوں اور صحیفوں کے ذکر سے خاموشی اختیار فرمانا اس لئے ہے کہ جن کتابوں کا ذکر کیا وہ ان تمام آسمانی کتابوں اور صحیفوں سے افضل ہیں۔ جب کوئی چیز افضل سے بھی افضل ہو تو سب سے افضل قرار پاتی ہے۔ جیسے زید سارے علماء سے افضل ہے کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمام لوگوں سے افضل ہے۔

اور سورۂ فاتحہ میں ایسی صفات پائی جاتی ہیں جو دوسری سورتوں میں نہیں ہیں۔ ایک قول کے مطابق یہ پورے قرآن کا خلاصہ ہے، یہ پچیس الفاظ پر مشتمل ہے جو قرآن کریم کے سارے علوم کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں۔ اس کی امتیازی شان یہ بھی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ

---

❶ حدائق الروح والريحان: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۴۳

❷ تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الثاني، ج ۱ ص ۱۵۳

نے اسے اپنے اور اپنے بندے کے درمیان تقسیم فرمادیا ہے، اس کے بغیر نماز جیسی اہم عبادت صحیح نہیں ہوتی، نہ کوئی دوسرا عمل اس کے ثواب کو پہنچتا ہے، اس بناء پر اسے ام القرآن العظیم ہونے کا شرف حاصل ہے جیسا کہ

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ'' تَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ. ❶

ترجمہ: ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ'' تہائی قرآن کے برابر ہے۔

یہ اس طرح کہ قرآن مجید تین طرح کے موضوعات توحید، احکام اور وعظ پر مشتمل ہے، اور پوری سورۂ اخلاص میں توحید ہی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے جو ارشاد فرمایا اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ قرآن کی کونسی آیت عظیم ترین ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا:

اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ. (البقرة: ۲۵۵)

ترجمہ: خدا وہ برحق ہے کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ زندہ اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔

یہ آیت بھی اس لئے عظیم ترین قرار پائی کہ یہ ساری کی ساری توحید پر مشتمل ہے۔ اسی مفہوم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے:

أَفْضَلُ مَا قُلْتُهُ أَنَا وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ قَبْلِيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ. ❷

ترجمہ: سب سے افضل بات جو میں نے اور مجھ سے پہلے انبیاء نے کہی: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَاشَرِيْكَ لَهُ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے)

یہ تمام اذکار میں سے بہترین ذکر ہے کیوں کہ اس کے الفاظ میں توحید کے سارے

---

❶ صحيح مسلم : كتاب صلاة المسافرين وقصرها، ج ۱ ص ۵۵۶، رقم الحديث: ۸۱۱

❷ مصنف عبد الرزاق: كتاب المناسك، باب فضل أيام العشر، ج ۴ ص ۳۷۸، رقم الحديث: ۸۱۲۵

علوم سمائے ہوئے ہیں، اسی طرح سورۂ فاتحہ توحید، عبادت، اور وعظ ونصیحت پر مشتمل ہے۔ اتنے زیادہ علوم اتنی چھوٹی سورت میں سمودینا اللہ کی قدرت سے کچھ بعید نہیں۔ ❶

سورۂ فاتحہ کا کون سا حصہ رقیہ (دم) ہے؟

امام مہلب رحمہ اللہ کہتے ہیں: دم کرنے کے لئے ''إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ'' کے الفاظ ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ پوری سورت ہی دم ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب صحابی نے فاتحہ سے دم کرنے کے متعلق بتایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا: تمہیں کیسے پتہ چلا کہ دم ہے؟ یوں نہیں فرمایا کہ اس میں دم ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ پوری سورت ہی دم ہے کیوں کہ یہ قرآن مجید کا افتتاح اور اس کی ابتداء ہے، اور تمام علوم پر مشتمل ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ واللہ اعلم ❷

الحمدللہ میں اللہ تعالیٰ نے خود اپنی تعریف فرمائی جبکہ قرآن میں ''فَلَا تُزَكُّوا أَنفُسَكُمْ'' کہہ کر اس سے روکا گیا؟

امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے الحمد کہہ کر اپنی تعریف خود فرمائی اور اپنی کتاب کا آغاز بھی اپنی تعریف ہی سے کیا، حالانکہ دوسروں کو اپنی تعریف خود کرنے سے منع فرمایا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَلَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى. (النجم: ۳۲)

ترجمہ: اپنی پاکیزگی کا دعویٰ نہ کرو وہی بہتر جانتا ہے کہ کون متقی ہے۔

حضرت مقداد ابن الاسود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

---

❶ تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الأول، الثانية، ج ۱ ص ۱۱۰، ۱۱۱

❷ تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الأول، الخامسة، ج ۱ ص ۱۱۳

أَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَحْثِيَ فِيْ وُجُوْهِ الْمَدَّاحِيْنَ التُّرَابَ. ❶

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس بات کا حکم دیا کہ خوشامدیوں کے منہ میں مٹی ڈالو۔

یوں ارشاد باری تعالیٰ: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ'' کا مطلب یہ ہوا کہ میں نے مخلوق سے پہلے ازل میں اپنی تعریف کی تو اس میں کوئی عیب نہ تھا، جب کہ مخلوق میری تعریف کرتی ہے تو اس میں مخلوق کی کمزرریاں شامل ہوتی ہیں۔ ہمارے علماء فرماتے ہیں: اسی لئے اللہ تعالیٰ یہ پسند نہیں فرماتے کہ مخلوق اپنی تعریف خود کرے کیوں کہ اسے کمال تو دیا نہیں گیا اور اس کمزوری کی وجہ سے جب وہ اپنی تعریف خود کرے گی تو اس کے دل میں کسی نفع کا لالچ یا کسی نقصان سے بچنے کی خواہش ضرور ہوگی جب کہ باری تعالیٰ ان کمزوریوں سے پاک ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی حمد کا حق ادا کرنے سے قاصر پایا تو ازل میں اپنی تعریف خود کی اور بندوں کی کمزوری کو دیکھتے ہوئے ان سے یہ بوجھ اتار دیا۔ ذرا دیکھئے تو سہی سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے کس طرح فرمایا:

''لَا أُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْکَ''، مجھ میں تیری تعریف حق ادا کرنے کی طاقت نہیں۔ ❷

شاعر کہتا ہے:

إِذَا نَحْنُ أَثْنَيْنَا عَلَيْکَ بِصَالِحٍ فَأَنْتَ کَمَا نُثْنِيْ وَفَوْقَ الَّذِيْ نُثْنِيْ

---

❶ صحيح مسلم: کتاب الزهد والرقائق، باب النهي عن المدح إذا کان فيه إفراط... إلخ، ج۴ ص۲۲۹۷، رقم الحديث: ۳۰۰۲

❷ صحيح مسلم: کتاب الصلاة، باب ما يقال في الرکوع والسجود، ج۱ ص۳۵۲، رقم الحديث: ۴۸۶

ترجمہ: ہم جس قدر اچھے الفاظ میں آپ کی تعریف کریں، کوئی مبالغہ نہیں کیونکہ آپ ان تعریفوں کے بھی اہل ہیں جو ہم نے کی ہیں اور اس سے کہیں زیادہ مزید تعریفوں کے بھی لائق ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل میں ہی جانتے تھے کہ بندوں پر ان کی نعمتیں اتنی زیادہ ہوں گی کہ وہ ان کے شکر کا حق ادا کرنے سے قاصر رہیں گے، اسی لئے ان کی طرف سے اپنی حمد خود بیان فرما دی تاکہ بندوں سے احسان کا بوجھ اتر جائے اور وہ نعمتوں سے خوب لطف اندوز ہوں۔ ❶

علامہ ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ (متوفی ۵۴۳ھ) نے اس کے تین جوابات ذکر کئے ہیں۔

۱......اللہ تعالیٰ نے ہمیں تعریف کرنے کا طریقہ سکھلایا کہ ہم کس طرح اللہ کی حمد کریں اور ہمیں مکلّف بنایا اس بات کا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی تعریف کریں، تو اللہ تعالیٰ نے خود اپنی تعریف فرما کر ہمیں تعریف کرنے کا طریقہ سکھلایا۔

۲......بعض علماء کے ہاں لفظ ''قولوا'' محذوف ہے تو گویا اللہ تعالیٰ خود اپنی تعریف نہیں فرما رہے بلکہ ہمیں اپنی تعریف کرنے کا حکم دے رہے ہیں۔

۳......اپنی تعریف کرنے سے شریعت نے اس لئے منع کیا تاکہ انسان غرور اور تکبر میں مبتلا نہ ہو جائے جبکہ ذات باری تعالیٰ اس سے منزہ ہے:

اُلْأَوَّلُ: أَنَّـهُ عَـلَّمَنَا كَيْفَ نَحْمَدُهُ، وَكَلَّفَنَا حَمْدَهُ وَالثَّناءَ عَلَيْهِ، إِذْ لَمْ يَكُنْ لَنَا سَبِيلٌ إِلَيْهِ إِلَّا بِهِ. الثَّانِي: أَنَّهُ قَالَ بَعْضُ النَّاسِ مَعْنَاهُ: قُولُوا: الْحَمْدُ لِلَّهِ. الثَّالِثُ: أَنَّ مَدْحَ النَّفْسِ إِنَّمَا نُهِيَ عَنْهُ لِمَا يُدْخِلُ عَلَيْهَا مِنَ الْعُجْبِ بِهَا. ❷

---

❶ تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ۱ ص ۱۳۵

❷ أحكام القرآن: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۹

سوال: بسم اللہ سے سورہ فاتحہ کے آخر تک یہ سب اللہ کا کلام ہے تو اب ذاتِ باری تعالیٰ خود اپنی تعریف فرمارہے ہیں، اور خود اپنی ذات سے دعا مانگ رہے ہیں، خود اپنی عبادت کررہے ہیں، خود اپنے نام سے مدد مانگ رہے ہیں، یہ چیزیں اللہ کے حق میں تو کیا بندوں کے حق میں بھی درست نہیں؟

جواب: یہ کلام اللہ کا بندوں کی زبانی ہے یعنی یہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی زبانی کہلوانا چاہتے ہیں، تو گویا اللہ تعالیٰ بلسان عبدہ یہ سب فرمارہے ہیں۔

اس کی مثال بالکل اسی طرح ہے جیسے ایک جاہل شخص پڑھے لکھے آدمی سے خط لکھوائے تو جاہل بولتا ہے اور عالم لکھتا ہے، "خیریت سے ہوں اور میری جانب سے تم کو سلام ہو" اب یہ عالم بلسان جاہل لکھ رہا ہے، اور متکلم کے صیغے استعمال کررہا ہے، ایسے ہی اللہ تعالیٰ بھی بلسان عبدہ فرمارہے ہیں۔ اب اس میں حکمت کیا ہے؟

تو حکمت یہ ہے کہ بندے اس بات کو جان لیں کہ کن الفاظ سے اللہ کے نام سے برکت حاصل کی جائے؟ اور کن الفاظ سے اللہ کی نعمتوں پر حمد کی جائے؟ اور کس طرح اس کے فضل کا سوال کیا جائیگا؟ اس حکمت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام بلسان عبدہ کہلوایا۔

۱......قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں:

وهذه وما بعده إلى آخر السورة مقول على ألسنة العباد ليعلموا كيف يتبرك باسمه، ويحمد على نعمه، ويُسأل من فضله. [1]

ترجمہ: یہ اور اس کے بعد سے لے کر سورت کے آخر تک یہ سب بندوں کی زبانی کہا گیا ہے تا کہ وہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ کس طرح برکت حاصل کی جاتی ہے، اور اس کی نعمتوں پر کس طرح تعریف کی جاتی ہے، اور اس کے فضل کا کس طرح سوال کیا جائے۔

---

[1] التفسير البيضاوي: البسملة، ج ۱ ص ۲۹

۲......خطیب شربینی رحمہ اللہ (متوفی ۹۷۷ھ) فرماتے ہیں:

والبسملة وما بعدها إلى آخر السورة مقول على ألسنة العباد ليعلموا كيف يتبرّک باسمه ويحمد على نعمه ويسئل من فضله ويقدر في أوّل الفاتحة قولوا كما قال الجلال المحلي. ❶

ترجمہ: تسمیہ اور اس کے بعد سے لے کر سورت کے آخر تک یہ سب بندوں کی زبانی کہا گیا ہے تاکہ وہ جان لیں کہ اللہ کے نام کے ساتھ کس طرح تعریف کی جاتی ہے، اور اس کے فضل کا کس طرح سوال کیا جاتا ہے۔ (یا دوسرا جواب یہ ہے کہ) سورۂ فاتحہ کے شروع میں لفظ ''قولوا'' محذوف نکالیں گے، جیسے علامہ جلال الدین محلی رحمہ اللہ نے فرمایا۔

دوسری بحث: سورہ فاتحہ کے اسماء کے بارے میں

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں:

كثرة الأسماء تدل على شرف المسمى. ❷

ترجمہ: اسماء کا کثیر ہونا مسمی کی فضیلت پر دلالت کرتا ہے۔

قرآنِ مجید کی تمام سورتوں میں سے سورۂ فاتحہ تعددِ اسماء کی بناء پر منفرد ہے، کیونکہ احادیث میں اس کے بہت سے نام وارد ہوئے ہیں، یہ بھی ایک طے شدہ امر ہے کہ اسماء کی کثرت مسمی کے شرف وکمال اور اوصاف وخصائص کی کثرت پر دلالت کرتی ہے، ذات باری تعالی کی صفاتِ حسن وکمال بے شمار تھیں، اس لئے اس کے اسماء بھی حیطۂ شمار سے ماوراء ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف وکمالات حق تعالی کی مظہریت تامہ کی وجہ سے لاتعداد تھے، اس لئے آپ کے اسماء بھی بے شمار ہیں، خود قرآن حکیم کے متعدد اسماء اس کی بے شمار برکتوں اور

---

❶ السراج المنير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۵

❷ التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الأول، ج ۱ ص ۱۵۶

فضیلتوں پر دلالت کرتے ہیں، لہذا جو شئ جس قدر ہمہ پہلو جامع اور ہمہ گیر ہوگی اس کی مختلف حیثیتوں اور شانوں کو اجاگر کرنے کے لئے اسی قدر نام بھی معرضِ ظہور میں آئیں گے۔

۱.....سورۂ فاتحہ: اس سورت کا سب سے معروف نام ''الفاتحہ'' ہے، جس سے ہر خاص وعام اسے پکارتا ہے، اس نام کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ یہ اس سورت کے دیگر اسماء کا بھی جامع ہے اور کم وبیش اس کے تمام اوصاف وامتیازات کو محیط بھی ہے، اور اس کو فاتحہ اس لئے کہتے ہیں کہ قرآنِ کریم کا آغاز اسی سورت سے ہوتا ہے۔

۲.....فاتحۃ الکتاب۔۳.....فاتحۃ القرآن۔ ان ناموں سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہ سورت کتاب مجید کی افتتاحی سورت ہے اور اسی سے قرآن حکیم کا آغاز ہوا ہے، یہ نام خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ ہیں، عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب. ❶

ترجمہ: اس شخص کی نماز نہ ہوئی جس نے فاتحۃ الکتاب (یعنی سورۂ فاتحہ) نہ پڑھی۔

اس سورت کا نام ''**فاتحة القرآن**'' یعنی قرآن کا افتتاح کرنے والی سورت اس لئے رکھا گیا کہ یہ ترتیب تدوینی میں سب سے پہلے ہے، قرآنِ کریم کا آغاز اسی سورت سے ہو رہا ہے تو یہ فاتحۃ القرآن ہے۔

۴.....اُم الکتاب۔۵.....اُم القرآن۔ یہ دو نام بھی احادیث نبویہ سے ثابت ہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الحمد لله رب العلمين أم القرآن وأم الكتاب والسبع المثاني. ❷

---

❶سنن النسائي: كتاب الافتتاح، إيجاب قراءة الفاتحة، الكتاب في الصلاة، ج۲ ص۱۳۷، رقم الحديث: ۹۱۰

❷سنن أبي داود: كتاب الصلاة، باب فاتحة الكتاب، ج۲ ص۷۱، رقم الحديث: ۱۴۵۷ / مسند أحمد: ج۱۵ ص۴۹۱

الحمدللہ رب العلمین (یعنی سورۂ فاتحہ) ام القرآن، ام الکتاب اور السبع المثانی ہے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا صلاة لمن لم يقرأ بأم القرآن. ❶

ترجمہ: اس شخص کی نماز نہ ہوئی جس نے فاتحۃ الکتاب (یعنی سورۂ فاتحہ) نہ پڑھی۔

''اُم'' عربی زبان میں اصل یعنی جڑ کو کہتے ہیں، کسی بھی درخت کی جڑ اس کی تمام تاثیرات اور خصائص وثمرات کا منبع ہوتی ہے، اس درخت کے جملہ فوائد اصلاً اس کی جڑ میں موجود ہوتے ہیں لیکن ان کا ظہور درخت کے تنے، شاخوں، پتوں، پھلوں اور پھولوں کے ذریعے ہوتا ہے، گویا درخت کی تمام خصوصیت کا اجمال اس کی جڑ میں ہوتا ہے اور درخت کے باقی تمام حصے اس اجمال کی تفصیل ہوتے ہیں، اسی طرح سورۂ فاتحہ کو خود صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی اصل قرار دیا، جس سے یہ ثابت ہو گیا کہ یہ سورت شجرِ قرآن کی جڑ ہے، علوم قرآن کی تفصیلات کا اجمال ہے، کتابِ الٰہی کے جملہ معارف ومقاصد کا خلاصہ ہے اور تمام قرآنی تعلیمات کا منبع وسرچشمہ ہے، اسی لئے سورۂ فاتحہ کی جامعیت کے ضمن میں یہ فرمایا گیا ہے:

كل العلوم مندرج في الكتب الأربعة وعلومها في القرآن وعلوم القرآن في الفاتحة. ❷

ترجمہ: تمام علوم ومعارفِ کائنات چار الہامی کتابوں میں درج کئے گئے اور ان کے تمام علوم قرآن میں جمع کر دیئے گئے اور تمام علومِ قرآن سورۂ فاتحہ میں مجتمع کر دیئے گئے ہیں۔

---

❶ مسند أحمد: ج۳۷ ص۴۰۷، رقم الحديث: ۲۲۷۴۳

❷ التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب السابع، ج۱ ص۹۸

چنانچہ سورۂ فاتحہ کو اُم الکتاب یا ام القرآن کے نام سے تعبیر کیا جانا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہ سورت قرآن کی سب سے پہلی سورت بھی ہے، تعلیمات و مطالبِ قرآنی کے اعتبار سے مرکزی سورت بھی ہے اور علوم و معارفِ ربانی کے لحاظ سے جامع بھی۔

۶.....سورۂ کنز: سورۂ فاتحہ کے اسماء مبارکہ میں سے ایک نام سورۂ کنز بھی ہے، کنز خزانے کو کہتے ہیں، اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ سورت جملہ علوم و ہدایات، معانی و معارف اور اسرار و رموز کا خزانہ ہے۔ یہ ایک ایسا خزانہ ہے جس سے سوائے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اور کو نہ نوازا گیا۔ امام احمد بن حنبل، امام بخاری، امام مسلم، امام ابو داود، امام نسائی، امام ابن ماجہ رحمہم اللہ اور دیگر ائمہ نے متعدد طُرق سے حضرت اُبی بن کعب اور حضرت ابوسعید بن المعلی رضی اللہ عنہما سے یہ صحیح حدیث روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا، دریں اثناء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا، میں نے کوئی جواب نہ دیا، آپ نے پھر پکارا تو میں نے نماز ہلکی کر دی اور جلدی سے فارغ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور سلام عرض کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب تک کس کام میں مصروف تھے، تم نے مجھے جواب کیوں نہیں دیا؟ میں نے عرض کیا کہ حضور میں نماز میں تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالی کا یہ فرمان تم نے نہیں سنا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ. (الأنفال: ۲۴)

ترجمہ: اے ایمان والو! جب (بھی) رسول تمہیں کسی کام کے لئے بلائیں جو تمہیں (جاودانی) زندگی عطا کرتا ہے تو اللہ اور رسول کو فرمانبرداری کے ساتھ جواب دیتے ہوئے (فوراً) حاضر ہو جایا کرو۔

میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! خطا ہوئی ہے، آئندہ ایسا نہ کروں گا، پھر آپ صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا سنو! میں تمہیں ایک ایسی سورت بتاتا ہوں، جس کی مثل تورات، زبور، انجیل اور قرآن کریم میں بھی نہیں ہے، حدیث کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

والذي نفسي بيده! ما أُنْزِلَت في التوراة ولا في الإنجيل ولا في الزبور ولا في الفرقان مثلها. ❶

ترجمہ: اللہ کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی مثل تورات، انجیل، زبور اور خود قرآن میں بھی نازل نہیں فرمائی۔

اس کے بعد فرمایا: اور وہ قرآن میں بھی سب سے بڑی ہے، پھر میرا ہاتھ پکڑے ہوئے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد سے باہر جانے کا اردہ کیا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وعدہ یاد دلایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز میں کیا پڑھتے ہو؟ میں نے ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ '' آخر تک پڑھ کر سنائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہی سورت ہے جو سبع مثانی ہے اور قرآن عظیم ہے جو مجھے عطا کیا گیا۔ اس طرح اس سورت کا باری تعالیٰ کے خصوصی خزانوں میں سے عظیم خزانہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

۷.....سورۂ نور: یہ نام بھی احادیث نبوی سے ثابت ہے، ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے اوپر سے ایک زوردار آواز آئی، جبرئیل امین علیہ السلام نے اوپر دیکھ کر فرمایا: آج آسمان کا وہ دروازہ کھلا ہے جو پہلے کبھی نہیں کھلا تھا، پھر وہاں سے ایک فرشتہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا: یارسول اللہ! خوش ہو جائیے:

أبشر بنورين أوتيتهما لم يؤتَهما نبي قبلك فاتحة الكتاب

---

❶ سنن الترمذي: أبواب فضائل القرآن، باب ما جاء في فضائل فاتحة الكتاب، ج۵ ص۱۵۵، رقم: ۲۸۷۵

وخواتيم سورة البقرة لن تقرأ حرفا منهما إلا أعطيته.❶

آپ کو دو نور ایسے عطا کیے گئے ہیں جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں ملے تھے، ایک سورۂ فاتحہ اور دوسرا سورۂ بقرہ کی آخری آیات۔ ان میں سے جو جو حرف آپ پڑھیں گے آپ کو نور میسر آئے گا۔

۸.....السبع المثانی: اس کا معنی ہے: دہرائی جانے والی یا بار بار پڑھی جانے والی سات آیتیں۔

سورۂ فاتحہ کا یہ نام خود قرآن میں مذکور ہوا ہے، ارشادِ ایزدی ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ. (الحجر:۸۷)

اور بے شک ہم نے آپ کو بار بار دہرائی جانے والی سات آیتیں (یعنی سورۂ فاتحہ) اور بڑی عظمت والا قرآن عطا فرمایا ہے۔

اس آیت میں ''سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ'' سے مراد بالاتفاق سورۂ فاتحہ ہے، کیونکہ یہی وہ سورت ہے جو سات آیتوں پر مشتمل ہے اور نمازوں میں بار بار دہرائی جاتی ہے۔

۹.....اَساس القرآن: سورۂ فاتحہ کا ایک نام ''اَساس القرآن'' بھی ہے، اس نام کا مفہوم بھی پہلے ناموں کی توضیح سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے، اَساس بنیاد کو کہتے ہیں، قرآن حکیم میں مذکور ہے:

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى. (التوبة:۱۰۸)

ترجمہ: البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ پر رکھی گئی تھی۔

بنیاد ہمیشہ ان اینٹوں اور پتھروں کو کہا جاتا ہے جو تعمیر میں سب سے پہلی ہوں اور انہی پر باقی تمام عمارت کا انحصار ہو۔ اس لحاظ سے سورۂ فاتحہ قرآن کی اساس ہے، کیونکہ یہی سب

---

❶سنن النسائي: كتاب الافتتاح، فضل فاتحة الكتاب، ج۲ ص۱۳۸، رقم الحديث:۹۱۲

سے پہلی سورت ہے اور اسی کے مطالب ومقاصد پر پورے قرآن کی تعلیمات کا انحصار ہے۔

۱۰.....سورۃ الحمد۔۱۱.....سورۃ المناجات۔۱۲.....سورۃ الشکر: سورۂ فاتحہ کے یہ تینوں نام دراصل اس کی ایک انتہائی اہم خصوصیت کی نشاندہی کرتے ہیں اور وہ ہے باری تعالیٰ کی حمد وثناء اور اس کی تمجید وتوصیف۔

اس سورت کا آغاز چونکہ ''الحمد'' سے ہوتا ہے اس لئے اس کا معروف نام سورت الحمد ہی ہے، حمد کے افتتاحی لفظ کے علاوہ بھی یہ پوری سورت ربِ کائنات کی توصیف ومناجات پر مشتمل ہے۔اس سورت کا پڑھنا از خود شکرِ الٰہی بھی قرار پا گیا ہے کیونکہ کسی دینے والے کی عطا واحسان کے حوالے سے اس کی تعریف کرنا شکر کہلاتا ہے، گویا یہ نام سورۂ فاتحہ کے اُسلوبِ بیان پر بھی روشنی ڈالتے ہیں اور اس کی روحِ بیان پر بھی۔

۱۳.....سورۃ الصلوٰۃ: چونکہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا نماز میں واجب ہے اور اسے ترک کرنے سے نماز کامل نہیں ہوتی، جیسا کہ پہلے احادیث کے ذریعے بیان کیا جا چکا ہے، اس لئے اس کی اہمیت اور ناگریزیت کی بناء پر اسے سورۃ الصلوٰۃ کا لقب دے دیا گیا۔

۱۴.....سورۃ التفویض: اپنے امور کی انجام دہی کسی کو سونپ دینا ''تفویض'' کہلاتا ہے، یہ توکل کا سب سے بڑا درجہ ہے، جس کا ذکر قرآن میں یوں ملتا ہے:

وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰہِ. (المؤمن: ۴۴)

ترجمہ: اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔

سورۂ فاتحہ میں حمد وثناء باری تعالیٰ کے بعد اس کی عبادت کا ذکر اس امر کی وضاحت کرتا ہے کہ انسان مالکِ حقیقی کی بارگاہ میں سرِ نیاز خم کردے، اور اس کو مستعان سمجھتے ہوئے اس سے مدد طلب کرنا اس امر کو مستلزم ہے کہ وہ ربِ ذوالجلال کو کافی ووافی کارساز تصور کر کے اپنے جملہ امورِ حیات کا انجام اس کے سپرد کردے، اسی کو تفویض کہتے ہیں اور یہی

عبادت واستعانت کی روح ہے۔

۱۵.....سورۃ الدعاء۔ ۱۶.....سورۃ السؤال۔ ۱۷.....سورۃ تعلیم المسألۃ: سورۂ فاتحہ کے یہ تینوں نام ایک ہی مفہوم پر دلالت کرتے ہیں اور وہ اس سورت کی ترتیبِ آیات سے مترشح ہوتا ہے، اس کو سورۂ دعا، سورۂ سوال اور سورۂ تعلیم المسئلہ کے نام سے اس لئے تعبیر کا گیا ہے کہ یہ سورت بندوں کو آدابِ دعا اور بارگاہ ربوبیت میں سلیقۂ سوال سکھاتی ہے۔

۱۸.....سورۃ الکافیہ: سورۂ فاتحہ کو الکافیہ اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ ہر ایک کا بدل ہو کر کفایت کر سکتی ہے لیکن کوئی اور سورت اس کی جگہ پر کافی نہیں ہو سکتی:

أُم القرآن عوض عن غيرها وليس غيرها عوضًا عنها. ❶

ترجمہ: سورۂ اُم القرآن ہر ایک سورت کا عوض ہے لیکن کوئی اور سورت اس کا عوض نہیں۔

۱۹.....سورۃ الوافیہ: یہ لفظ وفا سے مشتق ہے، اس کا معنی پورا کرنا ہے، سورۂ فاتحہ کا نام الوافیہ اس لئے رکھا گیا ہے کہ اس کا نصف پڑھنا جائز نہیں، اسے ہر جگہ پورا ہی پڑھا جائے گا، مثلاً دیگر وہ سورتیں جن کی آیات کم از کم چھ یا اس سے زائد ہوں تو انہیں نماز کی دو رکعتوں میں نصف نصف کر کے پڑھا جا سکتا ہے لیکن سورۂ فاتحہ کے لئے اجازت نہیں کہ اسے نصف نصف کر کے دو رکعتوں میں مکمل کیا جائے، یہ تصریح امام ثعلبی رحمہ اللہ نے کی ہے، جیسے امام رازی رحمہ اللہ نے تفسیر کبیر میں نقل کیا ہے، اجر و ثواب کی کثرت بھی الوافیہ کی وجہ تسمیہ ہو سکتی ہے۔

۲۰.....سورۃ الشفا۔ ۲۱.....سورۃ الشافیہ: یہ دونوں نام بھی ارشادات نبوی پر مبنی ہیں، امام دارمی رحمہ اللہ نے روایت نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فاتحة الكتاب شفاء من كل داءٍ. ❷

---

❶التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الكتاب الثالث، الباب الأول، ج ۱ ص ۱۵۶

❷سنن الدارمي: كتاب فضائل القرآن، باب فضل فاتحة الكتاب، ج ۴ ص ۲۱۲۲، رقم الحديث: ۳۴۱۳، إسناده صحيح غير أنه مرسل، والمرسل عند الجمهور حجة

ترجمہ: فاتحۃ الکتاب ہر مرض کے لئے شفاء ہے۔

٢٢.....سورۃ الرقیہ: رقیہ رقی سے مشتق ہے، یہ لفظ عربی زبان میں تریاق کے لئے بولا جاتا ہے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سفر میں تھے، دریں اثناء کسی عورت نے ان سے سانپ کے ڈسے کے لئے تریاق کے بارے میں دریافت کیا، جس پر ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کیا تو وہ شخص وہیں ٹھیک ہو گیا، پھر یہ ماجرا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا كَانَ يُدْرِيْهِ أَنَّهَا رُقْيَةٌ. ❶

ترجمہ: کیا وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ سورت تریاق ہے۔

١......علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ١٢٧٠ھ) نے سورہ فاتحہ کے بائیس (٢٢) نام ذکر کئے ہیں، دیکھئے:

ولهذه السورة الكريمة أسماء أوصلها البعض إلى نيف وعشرين. أحدها: فاتحة الكتاب لأنها مبدؤه على الترتيب المعهود. وثانيهما: فاتحة القرآن لما قدمنا حذو القذة بالقذة. وثالثها ورابعها أم الكتاب وأم القرآن. وخامسها وسادسها وسابعها: الكنز والوافية والكافية لما مر من اشتمالها على الجواهر المكنوزة فتفي وتكفي. وثامنها: الأساس لأنها أصل القرآن وأول سورة فيه. وتاسعها وعاشرها والحادي عشر والثاني عشر والثالث عشر: سورة الحمد و سورة الشكر و سورة الدعاء و سورة

❶صحيح البخاري: كتاب فضائل القرآن، باب فضل فاتحة الكتاب، ج٦ ص١٨٧، رقم الحديث: ٥٠٠٧

تعليم المسألة وسورة السؤال. والرابع عشر والخامس عشر: سورة المناجاة وسورة التفويض. والسادس عشر والسابع عشر والثامن عشر: الرقية والشفاء والشافية. والتاسع عشر: سورة الصلاة. والعشرون: النور. والحادي والعشرون: القرآن العظيم وهو ظاهر مما قدمناه. والثاني والعشرون: السبع المثاني لأنها سبع آيات باتفاق. ❶

۲.....امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) نے سورہ فاتحہ کے بارہ (۱۲) نام ذکر کئے ہیں، دیکھئے: ❷

۳.....علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) نے بھی سورہ فاتحہ کے بارہ (۱۲) نام ذکر کئے ہیں، دیکھئے: ❸

۴.....علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ (متوفی ۸۵۵ھ) نے سورہ فاتحہ کے تیرہ (۱۳) نام ذکر کئے ہیں، دیکھئے: ❹

۵.....علامہ محمد امین بن عبد اللہ ہرری نے سورہ فاتحہ کے بیس (۲۰) نام ذکر کئے ہیں، دیکھئے: ❺

۶.....شیخ التفسیر والحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۴ھ) نے سورہ فاتحہ کے دس (۱۰) نام ذکر کئے ہیں، دیکھئے: ❻

---

❶ روح المعاني: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۴۷ تا ۵۳

❷ التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الأول، ج ۱ ص ۱۵۶ تا ۱۵۹

❸ تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الأول، ج ۱ ص ۱۴۹ تا ۱۵۲

❹ عمدة القاري شرح صحيح البخاري: كتاب تفسير القرآن، باب ما جاء في فاتحة الكتاب، ج ۱۸ ص ۷۹، ۸۰

❺ حدائق الروح والريحان: سورة الفاتحة، أسماؤها، ج ۱ ص ۴۴، ۴۵

❻ معارف القرآن: سورہ فاتحہ، ج ۱ ص ۴

تیسری بحث: سورہ فاتحہ کی فضیلت سے متعلق احادیث

سورہ فاتحہ کے شانِ نزول کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دن جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنے اوپر کی طرف سے بڑے زور سے دروازہ کھلنے کی آواز سنی، انہوں نے اپنا سر اٹھایا اور فرمایا: آج آسمان کا وہ دروازہ کھلا ہے جو اس سے پہلے کبھی نہیں کھلا تھا اور اس سے ایک فرشتہ اترا ہے، پھر فرمایا: اس دروازے سے یہ فرشتہ زمین پر اترا ہے یہ آج کے دن اترا اس سے پہلے کبھی نہیں اترا۔ اس فرشتے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا اور کہا: آپ کو ان دونوروں کی خوشخبری ہو جو آپ کو عنایت ہوئے ہیں، یہ آپ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئے، ان میں سے ایک سورہ فاتحہ ہے اور دوسرا نور سورہ بقرہ کی آخری آیات، آپ جب بھی ان دونوں میں سے کوئی حرف تلاوت کریں گے تو آپ کو مانگی چیز ضرور عطا کر دی جائے گی:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَيْنَمَا جِبْرِيلُ قَاعِدٌ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ نَقِيضًا مِنْ فَوْقِهِ فَرَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ هَذَا بَابٌ مِنَ السَّمَاءِ فُتِحَ الْيَوْمَ لَمْ يُفْتَحْ قَطُّ إِلَّا الْيَوْمَ فَنَزَلَ مِنْهُ مَلَكٌ فَقَالَ هَذَا مَلَكٌ نَزَلَ إِلَى الْأَرْضِ لَمْ يَنْزِلْ قَطُّ إِلَّا الْيَوْمَ فَسَلَّمَ وَقَالَ أَبْشِرْ بِنُورَيْنِ أُوتِيتَهُمَا لَمْ يُؤْتَهُمَا نَبِيٌّ قَبْلَكَ فَاتِحَةُ الْكِتَابِ وَخَوَاتِيمُ سُورَةِ الْبَقَرَةِ لَنْ تَقْرَأَ بِحَرْفٍ مِنْهُمَا إِلَّا أُعْطِيتَهُ ❶.

سورہ فاتحہ قرآن مجید کی سب سے زیادہ عظمت والی سورت ہے، جیسا کہ سیدنا ابوسعید بن معلیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

❶ صحیح مسلم: كتاب صلاة المسافرين، باب فضل الفاتحة وخواتيم سورة البقرة، ج ۱ ص ۵۵۴، رقم الحديث: ۸۰۶

نے مجھے بلایا، میں اسی وقت حاضر نہ ہوا بلکہ نماز پڑھ کر حاضر ہوا، اورعرض کیا کہ یارسول اللہ! میں نماز پڑھ رہا تھا اس وجہ سے دیر ہوئی تو آپ نے فرمایا: کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا:

اسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ. (الأنفال: ۲۴)

ترجمہ: تم اللہ کی اور رسول کی دعوت قبول کرو جب وہ تمہیں بلائے۔

پھر مجھ سے فرمایا تیرے مسجد سے باہر جانے سے پہلے میں تجھے قرآن کی ایک ایسی سورت بتاؤں گا جو اجر وثواب میں ساری سورتوں سے بڑھ کر ہے، پھر آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا جب آپ نے باہر آنے کا ارادہ کیا تو میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ میں تم کو ایک سورت بتلاؤں گا جو قرآن کی سب سورتوں سے بڑھ کر ہے آپ نے فرمایا: وہ سورت ''الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ'' ہے، یہی السبع المثانی یعنی سات آیتیں ہیں جو بار بار دہرائی جاتی ہیں اور قرآن عظیم ہے جو مجھے دیا گیا ہے:

عَنْ أَبِي سَعِيدِ بْنِ الْمُعَلَّى قَالَ كُنْتُ أُصَلِّي فِي الْمَسْجِدِ فَدَعَانِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ أُجِبْهُ، فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي كُنْتُ أُصَلِّي. فَقَالَ أَلَمْ يَقُلِ اللهُ اسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ، ثُمَّ قَالَ لِي لَأُعَلِّمَنَّكَ سُورَةً هِيَ أَعْظَمُ السُّوَرِ فِي الْقُرْآنِ قَبْلَ أَنْ تَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ. ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِي، فَلَمَّا أَرَادَ أَنْ يَخْرُجَ قُلْتُ لَهُ أَلَمْ تَقُلْ لَأُعَلِّمَنَّكَ سُورَةً هِيَ أَعْظَمُ سُورَةٍ فِي الْقُرْآنِ. قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ الَّذِي أُوتِيتُهُ. (1)

سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کرنا

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ نَاسًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ

(1) صحيح البخاري: كتاب التفسير، باب ما جاء في فاتحة الكتاب: ج٦ ص١٧، رقم الحديث: ۴۴۷۴

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَوْا عَلَى حَيٍّ مِنْ أَحْيَاءِ الْعَرَبِ فَلَمْ يَقْرُوهُمْ، فَبَيْنَمَا هُمْ كَذَلِكَ إِذْ لُدِغَ سَيِّدُ أُولَئِكَ فَقَالُوا هَلْ مَعَكُمْ مِنْ دَوَاءٍ أَوْ رَاقٍ فَقَالُوا إِنَّكُمْ لَمْ تَقْرُونَا، وَلاَ نَفْعَلُ حَتَّى تَجْعَلُوا لَنَا جُعْلاً. فَجَعَلُوا لَهُمْ قَطِيعًا مِنَ الشَّاءِ، فَجَعَلَ يَقْرَأُ بِأُمِّ الْقُرْآنِ، وَيَجْمَعُ بُزَاقَهُ وَيَتْفِلُ، فَبَرَأَ، فَأَتَوْا بِالشَّاءِ، فَقَالُوا لاَ نَأْخُذُهُ حَتَّى نَسْأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلُوهُ فَضَحِكَ وَقَالَ وَمَا أَدْرَاكَ أَنَّهَا رُقْيَةٌ، خُذُوهَا وَاضْرِبُوا لِي بِسَهْمٍ.❶

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عرب کے ایک قبیلہ کے پاس سے کچھ صحابہ کا گزر ہوا، قبیلے والوں نے صحابہ کی مہمان نوازی سے انکار کر دیا، اسی اثناء میں ان کے سردار کو بچھو (یا سانپ) نے کاٹ لیا، قبیلے والوں نے صحابہ سے کہا تمہارے پاس کوئی دوا ہے یا تم لوگوں میں کوئی دم جھاڑ کرنے والا شخص ہے؟ صحابہ نے کہا تم نے ہماری مہمان نوازی نہیں کی لہٰذا جب تک تم ہمیں کچھ مال نہ دو گے ہم علاج نہیں کریں گے، اس پر ان لوگوں نے کچھ بکریاں دینے کا وعدہ کیا، تو ایک شخص نے سورہ فاتحہ پڑھنی شروع کی اور ساتھ ساتھ وہ تھوک جمع کرتا اور (متاثرہ جگہ) تھوکتا تو یوں سردار اچھا ہو گیا، وہ بکریاں لے کر آئے تو بعض صحابہ نے کہا ہم بکریاں نہیں لیں گے جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت نہ کر لیں، واپسی پر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر مسکرا دیئے اور اس شخص سے فرمایا تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ سورت رقیہ (دم) ہے؟ (تم نے ٹھیک کیا) یہ بکریاں لے لو اور اپنے ساتھ میرا بھی حصہ نکالو۔

---

❶ صحيح بخاري، كتاب الطب، باب الرقي بفاتحة الكتاب: ج٧ ص ١٣١، رقم الحديث: ٥٧٣٦

سورہ فاتحہ اللہ رب العزت اور بندہ کے درمیان تقسیم ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي نِصْفَيْنِ وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ فَإِذَا قَالَ الْعَبْدُ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ. قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى حَمِدَنِي عَبْدِي وَإِذَا قَالَ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ. قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى أَثْنَى عَلَيَّ عَبْدِي. وَإِذَا قَالَ مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ. قَالَ مَجَّدَنِي عَبْدِي وَقَالَ مَرَّةً فَوَّضَ إِلَيَّ عَبْدِي فَإِذَا قَالَ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ. قَالَ هَذَا بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ. فَإِذَا قَالَ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ. قَالَ هَذَا لِعَبْدِى وَلِعَبْدِى مَا سَأَلَ. ❶

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا آپ فرمارہے تھے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، اور میرے بندے کے لئے وہ کچھ ہے جس کا وہ سوال کرے بندہ جب کہتا ہے: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ'' تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری تعریف کی۔اور جب کہتا ہے ''الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ'' تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری ثناء کی ہے۔اور جب کہتا ہے ''مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ'' تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی، اور یوں بھی فرماتا ہے کہ میرے بندے نے اپنا معاملہ میرے سپرد کردیا۔بندہ جب کہتا ہے ''إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ'' تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ

---

❶ صحيح مسلم: كتاب الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة، ج ١ ص ٢٥٦، رقم الحديث: ٣٩٥

میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میرے بندے کے لئے وہ کچھ ہے جس کا وہ سوال کرے۔ اور جب بندہ یہ کہتا ہے ”اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ، غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ“ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے بندے کے لئے ہے اور میرے بندے کے لئے وہ کچھ ہے جس کا وہ سوال کرے۔

تورات وانجیل اور قرآن مجید میں سورہ فاتحہ کے مثل کوئی سورت نہیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا أُعَلِّمُكَ سُورَةً مَا أُنْزِلَ فِي التَّوْرَاةِ وَلَا فِي الزَّبُورِ وَلَا فِي الْإِنْجِيلِ وَلَا فِي الْقُرْآنِ مِثْلُهَا قُلْتُ بَلَى قَالَ فَإِنِّي أَرْجُو أَنْ لَا أَخْرُجَ مِنْ ذَلِكَ الْبَابِ حَتَّى تَعْلَمَهَا، ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُمْتُ مَعَهُ فَأَخَذَ بِيَدِي فَجَعَلَ يُحَدِّثُنِي حَتَّى بَلَغَ قُرْبَ الْبَابِ، قَالَ فَذَكَّرْتُهُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ السُّورَةَ الَّتِي قُلْتَ لِي قَالَ فَكَيْفَ تَقْرَأُ إِذَا قُمْتَ تُصَلِّي فَقَرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ قَالَ هِيَ هِيَ وَهِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ الَّذِي أُوتِيتُ بَعْدُ. [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کیا تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ میں تمہیں ایک ایسی سورت سکھاؤں کہ اس جیسی سورت نہ تو تورات میں نازل ہوئی نہ زبور میں نہ انجیل میں اور نہ قرآن میں، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: جی، اے اللہ کے رسول! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں امید کرتا ہوں کہ تم اس دروازے سے نہ نکل پاؤ گے کہ وہ تمہیں سکھا دی جائے گی، سیدنا ابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھ سے بات کرنے لگے میں آہستہ آہستہ

[1] مسند أحمد: مسند الأنصار، ج۳۵، ص۲۰، رقم الحدیث: ۲۱۰۹۵

چل رہا تھا اس ڈر سے کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بات ختم کرنے سے پہلے (دروازہ پر) نہ پہنچ جائیں، جب ہم دروازے کے قریب پہنچے تو میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! وہ کون سی سورت ہے جس کے بتانے کا آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نماز میں کیا پڑھتے ہو؟ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے سورہ فاتحہ پڑھ کر سنائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اللہ تعالی نے اس سورت کے مثل نہ تورات میں کوئی سورت نازل کی نہ انجیل میں نہ زبور میں اور نہ فرقان (قرآن) میں اور بے شک وہ سبع مثانی ہے۔

سورہ فاتحہ کی فضیلت سے متعلق روایات کی نشاندہی

۱...... علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) نے سورہ فاتحہ کی فضیلت سے متعلق چار (۴) احادیث نقل کی ہیں، دیکھئے: ❶

۲......حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) نے عنوان قائم کیا "**ذكر ما ورد في فضل الفاتحة**" پھر نو (۹) احادیث نقل کی ہیں، دیکھئے: ❷

۳....علامہ ابن عادل حنبلی رحمہ اللہ (متوفی ۸۸۰ھ) نے "**فصل في فضائلها**" کا عنوان قائم کر کے چار (۴) احادیث نقل کی ہیں، دیکھئے: ❸

۴......علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) نے "**فصل في فضائل الفاتحة**" کا عنوان قائم کر کے اس کے تحت سورہ فاتحہ کی فضیلت پر دس (۱۰) روایات نقل کی ہیں، دیکھئے: ❹

---

❶ تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الأول، ج ۱ ص ۱۴۶ تا ۱۴۹

❷ تفسير ابن كثير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۹۸، ۹۹

❸ اللباب في علوم الكتاب: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۶۴

❹ التفسير المظهري: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۱ تا ۲۳

۵.....علامہ محمد بن علی بن محمد الشوکانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۵۰ھ) نے عنوان قائم کیا ہے"وقد ورد في فضل هذه السورة" پھر پندرہ (۱۵) روایات نقل کی ہیں۔❶

۶.....علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں:

وفضل هذه السورة مما لا يخفى ويكفي في فضلها ما روي بأسانيد صحيحة. پھر آگے حدیث نقل کی، دیکھئے:❷

ترجمہ: اس سورت کی فضیلت مخفی نہیں ہے، اور اس سورت کی فضیلت کے لئے وہ احادیث کافی ہیں جو صحیح اسانید کے ساتھ مروی ہیں۔

۷.....علامہ محمد امین بن عبد اللہ ہرری نے سورہ فاتحہ کی فضیلت سے متعلق پانچ (۵) احادیث نقل کی ہیں۔❸

علامہ زمخشری (متوفی ۵۳۸ھ)، قاضی بیضاوی (متوفی ۶۸۵ھ) اور امام ابو السعود (متوفی ۹۸۲ھ) رحمہم اللہ نے سورہ فاتحہ کی فضیلت میں موضوع روایت نقل کی ہے۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی قوم پر اللہ تعالی لازمی ویقینی طور پر عذاب بھیجنے کا فیصلہ فرما دیتے ہیں، پس اُس قوم کے بچوں میں سے کوئی بچہ"الحمد لله رب العلمين "پڑھتا ہے، تو اللہ تعالی اس کو سنتے ہیں، پس اس قوم سے اِس عذاب کو چالیس (۴۰) سال کے لئے دور کر دیتے ہیں:

وعن حذيفة بن اليمان أن النبي صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال: إن القوم ليبعث الله عليهم العذاب حتما مقضيا فيقرأ صبي من صبيانهم في الكتاب

---

❶فتح القدير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۵، ۱۶

❷روح المعاني: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۳۲

❸حدائق الروح والريحان: سورة الفاتحة، فصل في ذكر فضائلها، ج ۱ ص ۴۶ تا ۵۷

الحمد للّٰه رب العالمين فيسمعه اللّٰه تعالى فيرفع عنهم بذلك العذاب أربعين سنة. ❶

وعن حذيفة بن اليمان أن رسول اللّٰه صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال: إن القوم ليبعث اللّٰه عليهم العذاب حتمًا مقضيًا فيقرأ صبي من صبيانهم في الكتاب: الحمد للّٰهِ رَبِّ العالمين فيسمعه اللّٰه تعالى فيرفع عنهم بذلك العذاب أربعين سنة. ❷

علامہ عبدالرؤف مناوی رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۳۱ھ) فرماتے ہیں:

أخرجه الثَّعْلَبي فِي تَفْسِيره وَهُوَ مَوْضُوع. قَالَ الْوَلِيّ الْعِرَاقِي: فِيهِ: أَحْمد بن عبد اللّٰه الجويباري، ومأمون بن أَحْمد الْهَرَوِيّ، كذابان، وَهُوَ من وضع أَحدهمَا. ❸

ترجمہ: اس روایت کو امام ثعلبی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے، یہ روایت موضوع ہے، علامہ ولی الدین عراقی رحمہ اللہ نے فرمایا اس روایت کی سند میں دو راوی کذاب ہیں اور اِن میں سے کسی نے اس روایت کو گھڑا ہے، وہ دو راوی یہ ہیں: ۱.....احمد بن عبداللہ جو یباری۔ ۲.....مامون بن احمد ہروی۔

علامہ عجلونی رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۶۲ھ) فرماتے ہیں کہ اس روایت کو امام ثعلبی رحمہ اللہ اور دیگر کئی مفسرین نے نقل کیا ہے، لیکن یہ روایت موضوع ہے جیسا کہ حافظ عراقی رحمہ اللہ اور دیگر محدثین نے فرمایا:

---

❶ الكشاف: سورة الفاتحة، ج ا ص ٦١

❷ التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج ا ص٣٧/ تفسير أبي السعود: سورة الفاتحة، ج ا ص ٣٠

❸ الفتح السماوي بتخريج أحاديث القاضي البيضاوي: سورة الفاتحة، ج ا ص ١٢٠

ومثله ما أخرجه الثعلبي وكثير من المفسرين عن حذيفة رفعه بلفظ:
إن القوم ليبعث اللّٰه عليهم العذاب حتما مقضيا فيقرأ الصبي من صبيانهم فى الكتاب الحمد للّٰه رب العالمين فيسمعه اللّٰه تعالى فيرفع اللّٰه عنهم بذلک عذاب أربعين سنة فإنه موضوع، كما قاله الحافظ العراقي وغيره. ❶

''الحمد للّٰه'' اور ''لا إلٰه إلا اللّٰه'' کی فضیلت کا موازنہ

امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ٦٧١ھ) فرماتے ہیں کہ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ بندے کا ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِینَ'' کہنا افضل ہے یا ''لا إلٰه إلا اللّٰه'' ایک طبقہ کا کہنا ہے کہ ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِینَ'' افضل ہے کیوں کہ اس میں حمد کے ساتھ توحید کا مفہوم بھی شامل ہے جو ''لا إلٰه إلا اللّٰه'' میں ہے یعنی اس میں توحید اور حمد دونوں ہیں جب کہ ''لا إلٰه إلا اللّٰه'' میں صرف توحید ہے۔ دوسرے طبقہ کا خیال ہے کہ ''لا إلٰه إلا اللّٰه'' افضل ہے کیوں کہ یہ کفر و شرک کو ختم کرتا ہے اور اسی کی خاطر لوگ جنگ کرتے ہیں، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ. ❷

ترجمہ: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے اس وقت تک جنگ کروں جب تک وہ ''لا إلٰه إلا اللّٰه'' کا اقرار نہ کرلیں۔

یہ رائے امام ابن عطیہ رحمہ اللہ نے اختیار کی ہے اور کہا ہے کہ اس کا ماخذ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے:

---

❶ كشف الخفاء ومزيل الإلباس عما اشتهر من الأحاديث على ألسنة الناس: حرف الهمزة مع النون، ج ۱ ص ۲۵۱، رقم الحديث: ٦٧٢

❷ صحيح البخاري: كتاب الصلاة، باب فضل استقبال القبلة، ج ۱ ص۸۷، رقم الحديث: ۳۹۲

أَفْضَلُ مَا قُلْتُ أَنَا وَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ قِبْلِيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْکَ لَهُ. ❶

میں نے اور مجھ سے پہلے انبیاء نے سب سے افضل بات جو کہی وہ یہ ''لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْکَ لَهُ '' اللہ تعالی کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ ❷

سب سے پہلے اور آخر میں کہا جانے والا کلمہ

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ٦٠٦ھ) فرماتے ہیں:

أول كلمة ذكرها أبونا آدم هو قوله الحمد للّٰه، وآخر كلمة يذكرها أهل الجنة هو قولنا الحمد للّٰه، أما الأول: فلأنه لما بلغ الروح إلى سرته عطس فقال الحمد للّٰه رب العالمين، وأما الثاني: فهو قوله تعالى: وآخر دعواهم أن الحمد للّٰه رب العالمين ففاتحة العالم مبنية على الحمد وخاتمته مبنية على الحمد. ❸

ترجمہ: سب سے پہلا کلمہ جو ہمارے والد حضرت آدم علیہ السلام نے کہا وہ ''الحمد للّٰه '' ہے، اور سب سے آخری کلمہ جو اہل جنت، جنت میں کہیں گے وہ بھی ''الحمد للّٰه '' ہے، رہا پہلا کلمہ وہ حضرت آدم علیہ السلام نے اس وقت کہا جب روح ان کی ناف تک پہنچی تو انہیں چھینک آئی، تو حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: ''الحمد للّٰه رب العالمين '' کہا، دوسرا کلمہ تو وہ اللہ تعالی کا یہ قول کہ جنتیوں کی آخری پکار بھی حمد ہوگی۔ پس عالم کی ابتداء اور انتہاء دونوں حمد پر مبنی ہیں۔

---

❶ موطا مالک: كتاب القرآن، باب ما جاء في الدعاء، ج ١ ص ٢١٤، رقم الحديث: ٣٢

❷ تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ١ ص ١٣٢

❸ التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ١ ص ١٩٥

سب سے افضل ذکر کونسا ہے؟

علماء کی ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ سب سے افضل ذکر ''الحمد للّٰہ رب العالمین'' ہے اس لئے کہ اس میں توحید اور حمد دونوں مضامین موجود ہیں بخلاف ''لا إلہ إلا اللّٰہ'' کے کہ اس میں صرف توحید ہے۔ علماء کی دوسری جماعت اس بات کی قائل ہے کہ سب سے افضل ''لا إلہ إلا اللّٰہ'' ہے اس لئے کہ اس میں کفر و شرک کی نفی ہے اور توحید باری تعالیٰ کا اثبات ہے:

اختلف العلماء أيما أفضل، قول العبد: الحمد للّٰه رب العالمين، أو قول لا إله إلا اللّٰه؟ فقالت طائفة: قوله الحمد للّٰه رب العالمين أفضل، لأن في ضمنه التوحيد الذي هو لا إله إلا اللّٰه، ففي قوله توحيد وحمد، وفي قوله لا إله إلا اللّٰه توحيد فقط. وقالت طائفة: لا إله إلا اللّٰه أفضل، لأنها تدفع الكفر والاشراك. ❶

چار سورتوں کا افتتاح اللہ تعالیٰ نے الحمد للہ کے ساتھ کیا ہے

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں:

ثم إنه تعالى افتتح سوراً أربعة بعد هذه السورة بقوله: الحَمْدُ لِلّٰهِ فأولها: سورة الأنعام وهو قوله: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِى خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالاَرْضَ، وثانيها: سورة الكهف، وهو قوله: الحمد لِلّٰهِ الذى أَنْزَلَ على عَبْدِهِ الكتاب، وثالثها: سورة سبأ، وهو قوله: الحمد للّٰهِ الذى لَهُ مَا فِى السموات وَمَا فِى الأرض ورابعها: قوله: الحمد للّٰهِ فَاطِرِ السموات والأرض. ❷

---

❶ تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ١ ص ١٧٧

❷ التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الثالث، ج ١ ص ١٦٢

اللہ تعالی نے سورۂ فاتحہ کے بعد چار سورتوں کی ابتدا ’’الحمد للّٰہ ‘‘ کے ساتھ کی ہے، ۱.....سورۂ انعام کے شروع میں ہے ’’اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ ‘‘ ۲.....سورۂ کہف کے شروع میں ہے ’’اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتٰبَ ‘‘ ۳.....سورۂ سبا کے شروع میں ہے ’’اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَہُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْأَرْضِ ‘‘ ۴.....سورۂ فاطر کے شروع میں ہے ’’اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ‘‘

الحمدللہ میں آٹھ حروف ہیں اور جنت کے دروازے بھی آٹھ ہیں

الحمدللہ میں آٹھ حروف ہیں اور جنت کے دروازے بھی آٹھ ہیں، پس جو شخص دل کی گہرائیوں کے ساتھ ان کلمات کو پڑھے تو وہ جنت کے آٹھوں دروازوں کا مستحق ہوگا:

الحمد للہ ثمانية أحرف، وأبواب الجنة ثمانية، فمن قال هذه الثمانية عن صفاء قلبه استحق ثمانية أبواب الجنة. ❶

سورۂ فاتحہ اور صفاتِ باری تعالی

اگر سورۂ فاتحہ کے نفس مضمون پر غور کیا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں باری تعالی کی گیارہ صفات نمایاں طور پر بیان کی گئی ہیں، جن کا بیان اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ سورۂ فاتحہ کا مضمون باری تعالی کی معرفتِ علمی کے حصول کے لئے مینارۂ نور کا درجہ رکھتا ہے، وہ صفات درج ذیل ہیں:

۱....محمود ۲.....اِلٰہ ۳.....رب ۴.....رحمٰن ۵....رحیم ۶.....مالک ۷.....معبود ۸.....مستعان ۹.....ہادي ۱۰.....مُنعم ۱۱.....مُضِل

---

❶التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ۱ ص ۱۹۲

سورۂ فاتحہ اور صفاتِ عبدیت

جس طرح اس سورت میں ذاتِ باری تعالیٰ کی گیارہ صفات مذکور ہیں، اسی طرح ہر ایک صفت الوہیت کے مقابلے میں ایک صفت عبدیت ہے، اس لحاظ سے مذکورہ صفات عبدیت بھی تعداد میں گیارہ ہی ہیں، جو درج ذیل ہیں:

۱.....حامد ۲.....مخلوق ۳.....مربوب ۴.....محتاج فی الدنیا ۵.....محتاج فی الآخرۃ ۶.....مملوک ومحکوم ۷.....عابد ومطیع ۸.....مُستعین ومُستمد (مدد چاہنے والا) ۹.....طالبِ ہدایت یا ہدایت یافتہ ۱۰.....منعم علیہ یا انعام یافتہ ۱۱.....مستحقِ ضلالت یا گمراہ

چوتھی بحث: الحمد میں الف لام کی تحقیق

۱......علامہ زمخشری رحمہ اللہ (متوفی ۵۳۸ھ) کی رائے یہ ہے کہ الف لام جنس کا ہے اور جن لوگوں نے الف لام کو استغراق کا مراد لیا ہے یہ ان حضرات کا وہم ہے:

و هو تعريف الجنس والاستغراق الذي يتوهمه كثير من الناس وهم منهم. ❶

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں:

ولا يبعد أن يقال أن اختيار الزمخشري كون التعريف للجنس وكون القول بالاستغراق وهم لا يبعد أن يكون رعاية لنزعة اعتزالية. ❷

ترجمہ: علامہ زمخشری نے اس بات کو اختیار کیا ہے کہ الف لام جنس کا ہے، اور جن حضرات نے استغراق کا مراد لیا ہے یہ ان کا وہم ہے، لیکن یہ بات بعید نہیں ہے کہ انہوں نے یہ قول اعتزال کی رعایت رکھتے ہوئے اختیار کیا ہے۔

---

❶ الكشاف: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۵۳

❷ روح المعاني: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۹۷

۲......علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ الف لام استغراقِ جنس کے لئے ہے۔ ❶

۳......قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) کے نزدیک الف لام جنس کا ہے انہوں نے استغراق والے قول کو صیغہ مجہول "قیـــل" کے ساتھ ذکر کیا، مقصود اس سے اس قول کے ضُعف کی طرف اشارہ کرنا ہے۔

الف لام جنس کے لئے ہے اور الف لام سے مقصود اس حقیقتِ حمد کی طرف اشارہ کرنا ہے جس کو ہر شخص جانتا ہے کہ حمد کی حقیقت یہ ہے، اور بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ الف لام استغراق کا ہے کیونکہ تمام افراد حمد اللہ تعالی ہی کے لئے ہیں اس لئے کہ تمام بھلائیوں کا عطا کرنے والا وہی ہے بالواسطہ یا بلا واسطہ جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: **وما بكم من نعمة فمن الله.** کہ تمہارے پاس جتنی بھی نعمتیں ہیں سب اللہ ہی کی جانب سے ہیں:

والتعريف فيه للجنس ومعناه: الإشارة إلى ما يعرف كل أحد أن الحمد ما هو؟ أو للاستغراق إذ الحمد في الحقيقة كله له إذ ما من خير إلا وهو موليه بوسط أو بغير وسط كما قال تعالى: وما بكم من نعمة فمن الله. ❷

۴......علامہ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد نسفی رحمہ اللہ (متوفی ۷۰۱ھ) فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک الف لام استغراق کا ہے بخلاف معتزلہ کے وہ اس کے قائل نہیں ہیں:

واللام فيه للاستغراق عندنا خلافا للمعتزلة. ❸

۵......حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

والألف واللام في الحمد لاستغراق جميع أجناس الحمد وصنوفه

---

❶ تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ۱ ص ۱۷۷

❷ التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۱

❸ مدارك التنزيل: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۹

للّٰہ تعالی.❶

الف لام استغراق کے لئے ہے اور مقصود حمد کی تمام اجناس اور قسموں کو اللہ کے لئے ثابت کرنا ہے۔

۶......خطیب شربینی رحمہ اللہ (متوفی ۹۷۷ھ) فرماتے ہیں:

فالحمد مختص باللّٰہ کما أفادته الجملة الإسمية سواء أجعلت لام التعريف فيه للاستغراق كما عليه الجمهور وهو ظاهر، أم للجنس كما عليه الزمخشري.❷

ترجمہ: حمد اللہ تعالی کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ جملہ اسمیہ اس بات کا فائدہ دے رہا ہے، برابر ہے کہ الف لام اس میں استغراق کا ہو جیسا کہ جمہور کی رائے ہے، اور یہ بات ظاہر ہے، یا الف لام جنس کا ہے جیسا کہ علامہ زمخشری رحمہ اللہ کی رائے ہے۔

۷......علامہ محمد بن مصلح الدین المعروف شیخ زادہ رحمہ اللہ (متوفی ۹۵۱ھ) فرماتے ہیں کہ الف لام عہد خارجی اور عہد ذہنی کا مراد لینا درست نہیں ہے، ان کا میلان بھی اسی طرف ہے کہ الف لام جنس کے لئے ہے۔

الف لام عہد خارجی کا مراد لینا جائز نہیں ہے اس لئے کہ یہاں کسی متعین جہت کا قصد نہیں کیا گیا ہے، اور نہ ہی الف لام عہد ذہنی کا مراد لینا درست ہے، اور اگر الف لام جنس کا ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ جنس حمد اللہ تعالی کے ساتھ خاص ہے:

ولا يجوز كونه للعهد الخارجي إذ لم يقصد به جهة معينة منه ولا للعهد الذهني اما للجنس فاللام في للّٰه تفيد اختصاص جنس الحمد به تعالى.❸

۸......امام ابو السعود محمد بن محمد رحمہ اللہ (متوفی ۹۸۲ھ) فرماتے ہیں:

---

❶تفسير ابن كثير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۲۳

❷السراج المنير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۸

❸حاشية محي الدين شيخ زاده على تفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۶۵

وتعريفه للجنس. ❶

الف لام جنس کا ہے۔

۹......علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) فرماتے ہیں:

والتعريف للجنس إشارة إلى ما يعرفه كل أحد أو للاستغراق إذ الحمد كله له تعالى وهو خالق أفعال العباد. ❷

ترجمہ: الف لام جنس کے لئے ہے اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ (جنس تعریف اللہ تعالی کے لئے ہے) اور اس کو ہر ایک جانتا ہے، یا الف لام استغراق کے لئے ہے تو مطلب یہ ہے کہ تمام تعریفیں اللہ تعالی کے لئے ہیں جو تمام بندوں کے افعال کا خالق ہے۔

۱۰......علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) کے نزدیک الف لام جنس کا ہے:

والتعريف فيه للجنس ❸

۱۱......علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۳ھ) فرماتے ہیں:

والتعريف فيه للاستغراق. ❹

الف لام استغراق کا ہے۔

جمہور اہلِ علم کے ہاں الحمد کو مرفوع پڑھا جائے گا

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

أجمع القراء السبعة وجمهور الناس على رفع الدال من الحمد لله. ❺

---

❶ تفسير أبي السعود: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۱

❷ التفسير المظهري: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۵

❸ روح المعاني: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۹۷

❹ التحرير والتنوير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۶۸

❺ تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ۱ ص ۱۸۰

ترجمہ: قراء سبع اور جمہور حضرات کا اس بات پر اجماع ہے کہ الحمد کی دال کو مرفوع پڑھا جائے گا۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں:

ثم إن الحمد: فيما تواتر مرفوع وهو مبتدأ خبره لِلّٰهِ. [1]

ترجمہ: الحمد کو مرفوع پڑھنا تواتر کے ساتھ ثابت ہے، اور یہ مبتدا ہے، لفظ اللہ اس کی خبر ہے۔

پانچویں بحث: حمد، مدح اور شکر کی تعریف

حمد کی لغوی تحقیق

امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ کلامِ عرب میں الحمد کا معنی کامل طور پر تعریف کرنا ہے اس میں الف لام استغراقِ جنس (یعنی ہر طرح کی حمد کے احاطہ) کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر لحاظ سے پوری کی پوری حمد کا مستحق ہے کیوں کہ وہ حسین ترین ناموں اور بلند ترین صفات کا مالک ہے۔ ایک شاعر نے اپنے درج ذیل شعر میں حمد کی جمع قلت ذکر کی ہے:

وَأَبْلَجُ مَحْمُوْدِ الثَّنَاءِ خَصَصْتُهُ   بِأَفْضَلِ أَقْوَالِي وَأَفْضَلِ أَحْمُدِيْ

ترجمہ: وہ صبح کی طرح روشن اور خوب تعریف کا مستحق ہے۔ میں نے اپنے بہترین کلام اور اعلیٰ ترین تعریفوں کے لئے اسی کو منتخب کیا ہے۔

حمد، ذم کا متضاد ہے کہا جاتا ہے ''حَمِدْتُّ الرَّجُلَ '' میں نے اس آدمی کی تعریف کی۔ جس کی تعریف کی جائے اس کو حمید بھی کہہ سکتے ہیں اور محمود بھی، اس کا مصدر تحمید، حمد سے زیادہ بلیغ ہے اور حمد شکر سے زیادہ وسیع معنی رکھتا ہے۔ ''مُحَمَّدٌ'' وہ ہوتا ہے جس میں قابلِ تعریف خصائل کثرت سے پائے جاتے ہوں، شاعر کہتا ہے:

---

[1] روح المعاني: سورة الفاتحة، ج ١ ص ١٠٠

إِلَى الْمَاجِدِ الْقَرْمِ الْجَوَادِ الْمُحَمَّدِ

اس سردار کی طرف جو بہت محترم، بڑا سخی اور خوبیوں والا ہے۔

یہی نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رکھا گیا، اسی پر ایک شاعر کہتا ہے:

فَشَقَّ لَهُ مِنِ اسْمِهِ لِيُجِلَّهُ فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَهٰذَا مُحَمَّدُ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اپنے نام سے نکالا ہے، چنانچہ عرش والا محمود ہے (جس کی تعریف کی جاتی ہے) اور یہ محمد جس میں قابل تعریف خصائل کی کثرت ہے۔ ❶

میری (امام قرطبی رحمہ اللہ کی) رائے میں صحیح یہ ہے کہ حمد سے مراد ممدوح کی صفات کی بنا پر اس کی ایسی تعریف ہے جو اس کے کسی احسان کے بغیر کی جائے، اور شکر سے مراد وہ تعریف ہے جو اس کے احسان کے بدلے میں کی جائے۔ اس فرق کی وجہ سے ہمارے علماء کہتے ہیں کہ حمد کے معنی میں شکر سے زیادہ وسعت ہے کیونکہ حمد کا اطلاق ثنا، تحمید اور شکر تینوں پر ہوتا ہے، جب کہ شکر میں تخصیص ہے کیونکہ وہ صرف بھلائی کرنے والے کے بدلے کے طور پر کہا جاتا ہے۔ اس طرح آیت کریمہ میں حمد کا معنی زیادہ وسیع ہوا کیونکہ اس میں شکر کے علاوہ دیگر معانی بھی شامل ہیں، لفظ حمد رضا اور خوشی کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے: بلوته فحمدته (میں نے اسے آزمایا تو اس کی کارکردگی سے خوش ہوا) ارشاد باری تعالیٰ: مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (پسندیدہ مقام) کا بھی یہی معنی ہے۔ ❷

حمد کی تعریف

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) حمد اور مدح کی تعریف فرماتے ہیں:

هو الثناء على الجميل الاختياري من نعمة أو غيرها.

---

❶ تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ١ ص ١٣٣

❷ تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ١ ص ١٣٣

ترجمہ: حمد افعالِ جمیلہ اختیاریہ پر زبان سے تعریف کرنا خواہ یہ تعریف نعمت کے مقابلے میں ہو یا نہ ہو۔

مدح کی تعریف

والمدح: هو الثناء على الجميل مطلقًا تقول حمدت زيدًا على علمه وكرمه، ولا تقول حمدته على حسنه، بل مدحته. ❶

ترجمہ: مدح مطلقاً افعال جمیلہ پر تعریف کرنا (خواہ اختیاریہ ہوں یا غیر اختیاریہ) آپ ''حمدت زيدا علي علمه وكرمه'' (میں نے زید کی تعریف کی اس کے علم اور سخاوت کی وجہ سے) تو کہہ سکتے ہیں مگر ''حمدت زيدا على حسنه'' (میں نے زید کی تعریف کی اس کے حسن کی وجہ سے) نہیں کہہ سکتے بلکہ اس موقع پر ''مدحته'' کہیں گے۔

شکر کی تعریف

جميع ما أنعم الله به على عبده إلى ما خلق لأجله.

ترجمہ: یعنی اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کو ان مقاصد میں صرف کرنا جس کے لئے ان کو پیدا کیا گیا ہے۔

چھٹی بحث: حمد ومدح اور شکر کے درمیان فرق اوران کے درمیان نسبتیں

حمد اور مدح کے درمیان فرق

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ٦٠٦ھ) فرماتے ہیں کہ حمد اور مدح کے درمیان چند وجوہ

---

❶ التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج ١ ص ٣٠

سے فرق ہے: ا.....لفظ مدح عام ہے اس کے ذریعے سے تعریف جاندار اور بے جان دونوں کی جاتی ہے، جیسے آپ کسی خوبصورت موتی یا یاقوت کو دیکھ کر اس کی تعریف کرو، اب یہ مدح کہلائے گی لیکن اسے حمد نہیں کہا جائے گا۔۲.....مدح کبھی احسان سے پہلے بھی ہوتی ہے اور کبھی احسان کے بعد بھی، بخلاف حمد کے وہ احسان کے بعد ہوتی ہے۔۳.....لفظ مدح کا اطلاق منہی عنہ پر بھی ہوتا ہے (یعنی وہ کام جس سے شارع نے روکا ہوا) جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَنْ نَحْثِيَ فِيْ وُجُوْهِ الْمَدَّاحِيْنَ التُّرَابَ.

ترجمہ: ہم مدح کرنے والوں کے منہ کو مٹی سے بھر دیں۔

بخلاف حمد کے اس کا شریعت نے مطلقاً حکم دیا ہے، جیسا کہ روایت میں ہے:

مَنْ لَمْ يَحْمَدِ النَّاسَ لَمْ يَحْمَدِ اللّٰهَ. ❶

ترجمہ: جو لوگوں کی تعریف نہیں کرتے وہ اللہ تعالی کی بھی تعریف نہیں کرتے۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) نے حمد اور مدح کے درمیان چھ فرق ذکر کئے ہیں، اہلِ علم حضرات تفصیلاً دیکھیں: ❷

حمد اور شکر کے درمیان فرق

علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حمد باعتبار مورد کے خاص ہے اور باعتبار متعلق کے عام ہے، جب کہ شکر باعتبار مورد کے عام اور باعتبار متعلق کے خاص ہے:

مورد الحمد في المشهور خاص ومتعلقه عام والشكر بالعكس موردا ومتعلقا. ❸

حمد و مدح اور شکر کے درمیان باعتبار استعمال کے یہ فرق ہے کہ حمد و مدح دونوں کے

---

❶التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ۱ ص

❷روح المعاني: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۹۴، ۹۵

❸روح المعاني: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۹۶

مقابلے میں ذم آتا ہے جبکہ شکر کے مقابلے میں کفر آتا ہے۔ دلیل یہ ہے کہ حمد و مدح کہتے ہیں ذکرِ محاسن کو، اور ذم کہتے ہیں ذکرِ قبائح کو اور ظاہر ہے کہ محاسن اور قبائح میں تقابل ہے، اور شکر کہتے ہیں اظہارِ نعمت "بإتيان الفعل الذي ينبئ عن تعظيم المنعم" اور کفر کہتے ہیں کتمانِ نعمت کو اور ظاہر ہے کہ اظہار و کتمان میں تقابل ہے۔

چنانچہ علامہ زمخشری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

والحمد نقيضه الذم والشكر نقيضه الكفران. ❶

ترجمہ: حمد کی نقیض ذم ہے اور شکر کی نقیض کفرانِ نعمت ہے۔

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں:

والذم نقيض الحمد و الكفران نقيض الشكر. ❷

حمد اور مدح کے درمیان عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے

حمد اور مدح کے درمیان عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے حمد خاص ہے اور مدح عام ہے، پس جہاں حمد صادق آئے تو وہاں مدح بھی صادق آئے گی لیکن اس کا عکس نہیں ہوگا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

أما المدح فهو أعم من الحمد، لأنه يكون للحي وللميت وللجماد أيضا كما يمدح الطعام والمال ونحو ذلك. ❸

ترجمہ: مدح حمد سے عام ہے، اس لئے کہ مدح زندہ، مردہ، بے جان، جاندار، ہر ایک کی کی جاتی ہے (بخلاف حمد کے) جیسا کہ کھانا، مال اور اس کے مثل چیزوں کی مدح کی جائے۔

---

❶ الكشاف: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۵۲

❷ التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۱

❸ تفسير ابن كثير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۲۱

حمد اور شکر کے درمیان عموم وخصوص من وجہ کی نسبت ہے

حمد اور شکر کے درمیان نسبت عموم وخصوص من وجہ کی ہے، عموم وخصوص من وجہ کی نسبت پائے جانے کے لئے تین مادوں کا ہونا ضروری ہے، ایک مادہ اجتماعی اور دو مادے افتراقی ہوں۔ مادہ اجتماعی جہاں دونوں پائے جائیں جیسے کسی نے دعوت کی اور مدعو نے زبان سے کہہ دیا آپ کا شکریہ یہاں حمد بھی پائی گئی کیونکہ ثناء زبان سے ہوئی اور شکر بھی پایا گیا کیونکہ نعمت کے مقابلے میں ہے، دوسرا مادہ جہاں حمد پائی جائے اور شکر نہ پایا جائے جیسے آپ نے یوں ہی کسی کی زبان سے تعریف کردی، تیسرا مادہ یہ ہے کہ آپ نے کسی کی دعوت کی اور اس نے ہاتھ پاؤں کے ذریعہ آپ کی خدمت کردی:

وعلى كل حال بينه وبين الحمد عموم وخصوص من وجه. ❶

لفظ ”للّٰہ“ میں لام تخصیص کے لئے ہے

علامہ محمد بن علی شوکانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۵۰ھ) فرماتے ہیں کہ لام جو لفظ اللہ پر داخل ہے یہ لام اختصاص کے لئے ہے:

واللام الداخلة على الإسم الشريف هي لام الاختصاص. ❷

خطیب شربینی رحمہ اللہ (متوفی ۹۷۷ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ ”للّٰہ“ میں لام اختصاص کے لئے ہے:

لأنّ لام لله للاختصاص. ❸

---

❶ روح المعانی: سورة الفاتحة، ج ا ص ۹۶

❷ فتح القدير: سورة الفاتحة، ج ا ص ۱۹

❸ السراج المنير: سورة الفاتحة، ج ا ص ۸

ساتویں بحث:"الحمد للّٰہ" کے جملے میں چار وجہ سے حصر کا معنی پایا جاتا ہے

۱......تفسیر القرآن بالقرآن کے ماتحت اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو قرآن کریم کے دوسرے مقامات پر حصر کے جملوں کے ساتھ ادا فرمایا ہے۔

جیسے: لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَى وَالْآخِرَةِ (القصص: ۷۰)

وَ لَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْأَرْضِ وَ عَشِيًّا وَ حِينَ تُظْهِرُونَ. (الروم: ۱۸)

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْأَرْضِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (الجاثية: ۳۶)

۲......الحمد معرف باللام الجنس مبتداء ہے اور یہ ترکیب حصر المبتدا علی الخبر کے لئے مفید ہوتی ہے:

لأن المبتداء المعرف باللام الجنس يكون مقصودا في الخبر. ❶

۳......علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) فرماتے ہیں:

اللام للاختصاص يقال الدار لزيد والجملة الخبرية الاسمية دالة على الاستمرار. ❷

لفظ "للّٰہ" میں لام اختصاص کے لئے ہے (جیسے) کہا جاتا ہے "الدار لزید" گھر زید کے لئے خاص ہے، (کوئی اور اس کی ملکیت میں شریک نہیں ہے) (الحمد مبتدأ اور للہ خبر ہے) یہ جملہ خبریہ اسمیہ استمرار اور دوام پر دلالت کرتا ہے۔

۴...... یہ جملہ اسمیہ ہے اور جملہ اسمیہ میں استمرار اور دوام کا معنی ہوتا ہے، علامہ

---

❶ حاشية على شرح الجامي: ص ۱۱

❷ التفسير المظهري: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۵

آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

الجملة الإسمية على الثبوت والدوام بخلاف الفعلية فإنها تدل على التجدد والحدوث. ❶

ترجمہ: جملہ اسمیہ میں استمرار اور دوام کا معنی ہوتا ہے، بخلاف جملہ فعلیہ کے کہ اس میں تجدد اور حدوث کا معنی پایا جاتا ہے۔

آٹھویں بحث: ''الحمد لله'' میں جملہ فعلیہ سے اسمیہ کی طرف عدول کیوں کیا؟

نحات نے قاعدہ بیان کیا ہے اگر مصدر کے بعد فعل کا فاعل یا مفعول بطورِ اضافت یا حرفِ جر کے ساتھ مذکور ہو اور وہ مفعولِ مطلق بیان نوع کے لئے نہ ہو تو ایسی صورت میں فعل کا حذف کرنا قیاساً واجب ہے۔ تو ''**الحمد لله**'' اصل میں ''**نحمد الله حمدا لله**'' تھا ''**حمدا**'' مفعول مطلق ہے اور لفظ ''**الله**'' مفعول ہے، اور وہ مصدر کے بعد ہے بطور حرفِ جر کے لہٰذا اس کے فعل ''**نحمد**'' کا حذف کرنا واجب ہے۔ نصب سے رفع کی طرف عدول کرنے کے دو فائدے ہیں۔ ثبوتِ حمد، عمومِ حمد، پس جملہ اسمیہ ثبوتِ حمد پر اسمیہ ہونے کی وجہ سے اور عمومِ حمد پر الف لام ہونے کی وجہ سے دلالت کرتا ہے۔ جملہ اسمیہ میں استمرار اور دوام کا معنی ہوتا ہے بخلاف جملہ فعلیہ کے کہ اس میں تجدد اور حدوث کا معنی ہوتا ہے۔ فعل میں عموم اور ثبوت نہیں ہوتا، عموم تو اس لئے نہیں ہوتا کہ اس میں نسبت الی الفاعل ہوتی ہے جو متعین ہے اس لئے اس میں عموم نہیں ہوتا، فعل میں ثبوت اور دوام اس لئے نہیں ہوتا کیونکہ فعل زمانہ متعین کے ساتھ مقترن ہوتا ہے جبکہ جملہ اسمیہ زمانے سے خالی ہوتا ہے اسی

❶ روح المعاني: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۰۱

وجہ سے ''الحمد للّٰہ'' میں جملہ فعلیہ سے اسمیہ کی طرف عدول کیا گیا ہے:

والعدل بها عن النصب إلى الرفع على الابتداء للدلالة على ثبات المعنى واستقراره.❶

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں:

وأصله النصب وقد قرئ به وإنما عدل إلى الرفع ليدل على عموم الحمد وثباته له دون تجدده وحدوثه وهو من المصادر التي تنصب بأفعال مضمرة لا تكاد تستعمل معها.❷

ترجمہ: ''الحمد'' کی اصل حالت نصب ہے چنانچہ ایک قراءت نصب کی بھی ہے اور نصب سے رفع کی طرف عدول اس لئے کیا گیا تاکہ جملہ عمومِ حمد اور ثباتِ حمد پر دلالت کرے، حدوث وتجدد پر دلالت نہ کرے، اور یہ ''الحمد'' ایسے مصادر کے قبیل سے ہے جو افعالِ محذوفہ کی وجہ سے منصوب ہوتے ہیں، اور افعال کے ساتھ مذکور ہو کر مستعمل نہیں ہوتے۔

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی رحمہ اللہ (متوفی ۷۱۰ھ) فرماتے ہیں:

والعدول عن النصب إلى الرفع للدلالة على ثبات المعنى واستقراره.❸

ترجمہ: نصب سے رفع کی طرف عدول اس لئے کیا تاکہ یہ معنی کے ثبوت اور استقرار پر دلالت کرے۔

حمد کے ساتھ لفظ اللہ کے ذکر کرنے میں کیا حکمت ہے؟

''الحمد للّٰہ'' فرمایا حمد کے ساتھ دیگر صفات خالقیت، رزاقیت کو ذکر نہیں کیا،

---

❶ الكشاف: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۵۲

❷ التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۱

❸ مدارك التنزيل: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۹

اس کی حکمت یہ ہے کہ تا کہ اس وہم کو دور کیا جائے کہ حمد کسی صفت کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ حمد ذات باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔

خطیب شربینی رحمہ اللہ (متوفی ۹۷۷ھ) فرماتے ہیں کہ اگر یہ کہا جائے کہ حمد کے ساتھ لفظ اللہ کو کیوں خاص کیا؟ ''الحمد للخالق'' یا دیگر صفات میں سے کوئی صفت حمد کے ساتھ کیوں ذکر نہیں کی؟

جواب یہ دیا گیا کہ تا کہ یہ وہم نہ ہو حمد کا اختصاص (اللہ تعالیٰ کے لئے) کسی خاص وصف کے استحقاق کی وجہ سے ہے نہ کہ دیگر وصف کی وجہ سے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ حمد کا اختصاص کسی خاص صفت مثلاً خالقیت، رازقیت وغیرہ کی وجہ سے نہیں ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے لئے تعریف اس لئے خاص ہے کہ وہ خالق ہے یا رازق ہے، نہیں بلکہ حمد ذات باری تعالیٰ کے ساتھ اس کی ذات کی وجہ سے خاص ہے، اس کے اوصاف کی وجہ سے نہیں ہے:

فإن قيل: لم خص الحمد بالله ولم يقل الحمد للخالق أو نحو من بقية الصفات؟ أجيب: بأن لا يتوهم اختصاص استحقاق الحمد بوصف دون وصف. ❶

الحمد للہ کی فضیلت سے متعلق روایات

علامہ شوکانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۵۰ھ) نے ''الحمد للّٰہ'' کی فضیلت سے متعلق تیرہ (۱۳) روایات نقل کی ہیں، اہل علم حضرات اصل کتاب کی طرف مراجعت فرمائیں، دیکھئے: ❷

---

❶ السراج المنير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۹

❷ فتح القدير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۰

نویں بحث: الحمدللہ جملہ خبریہ ہے یا انشائیہ؟

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں:

اختلف في جملة الحمد هل هي إخبارية أم إنشائية فالذي عليه معظم العلماء أنها إخبارية كما يقتضيه الظاهر. ❶

ترجمہ: اہل علم کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ ''الحمد لله'' یہ جملہ خبریہ ہے یا انشائیہ؟ کبار اہلِ علم کی رائے یہ ہے کہ یہ جملہ خبریہ ہے جیسا کہ ظاہر کلام اس بات کا متقاضی ہے۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ کی رائے بھی یہی ہے کہ یہ جملہ خبریہ ہے انشائیہ نہیں ہے:

ولكني أقول أن الجملة هنا إخبارية. ❷

الحمدللہ سے پہلے لفظ ''قُوْلُوْا'' محذوف نکالنا

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ ''الحمد لله'' سے پہلے لفظ قولوا محذوف نکالنا میرے نزدیک ضعیف ہے، حضرت نے اس کے ضُعف کی تین وجہیں نقل کیں۔

۱..... ''الحمد لله'' کے جملہ میں اس بات کی خبر دینا ہے کہ تمام تعریفیں اللہ تعالی کے ساتھ خاص ہیں، یہ جملہ تام ہے یہاں محذوف نکالنے کی کوئی حاجت نہیں ہے (کلام کے اندر حذف خلافِ اولی ہوتا ہے، جب بغیر محذوف نکالے جملہ مکمل ہے تو حذف کی ضرورت نہیں)۔

۲..... ''الحمد لله'' یہ جملہ دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالی تمام تعریفات کا مستحق ہے اپنی ذات اور اپنے افعال کی وجہ سے، چاہے مخلوق اس کی تعریف کرے یا نہ کرے، اور جو

---

❶ روح المعاني: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۰۲

❷ روح المعاني: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۰۳

استحقاقِ حمد ذات کی وجہ سے ہو وہ بلند وبالا اور عظمت شان پر دلالت کرتی ہے (بہ نسبت اس تعریف کے جو آدمی غیر کو حکم دے کہ وہ تعریف کرے، تعریف کا صیغہ امر کے ذریعے غیر کو حکم دینا گویا ایک گُنا جبر ہے کہ تم نے تعریف کرنی ہے، بخلاف استحقاقِ حمد کی صورت میں وہاں انسان خود مجبور ہوتا ہے کہ اللہ تعالی کے انعامات واحسانات اور نظام کائنات پر غور وفکر کرنے کی وجہ سے۔ انسان یہ کہنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ تمام تعریفات اللہ تعالی کے لئے ہیں)۔

۳.....اگر لفظ ''قولوا'' محذوف نکالیں تو صیغہ امر کی وجہ سے حمد کرنا ضروری ہوگا اور نہ کرنے والا سزا اور عتاب کا مستحق ہوگا، بخلاف اس کے کہ محذوف عبارت نہ نکالی جائے تو اس صورت میں حمد کرنے والا ثواب کا مستحق ہوگا اور نہ کرنے والے پر عتاب اس قدر نہ ہوگا جیسے کہ حذف کی صورت میں ہے، جیسے اگر والد اپنے بیٹے کو کہے ''اعمل کذا و کذا'' یہ کام کرو، فلاں کام کرو تو اس صورت میں کرنا ضروری اور لازمی ہوگا نہ کرنے کی صورت میں عاصی اور گناہ گار ہوگا کیونکہ حکم کی بجا آوری کی مخالفت ہے، بخلاف اس کے کہ باپ اپنے بیٹے سے کہے ''إن کذا و کذا'' اگر تم یہ کام کرو تو بہتر ہے، اس صورت میں بیٹا اگر فرماں بردار ہے اور حکم کی بجا آوری کرے تو تعریف اور ثواب کا مستحق ہوگا، اور اگر کہنا نہ مانے تو اس کا گناہ پہلی صورت سے بہت کم ہوگا اس طرح یہاں بھی:

من الناس من قال: تقدير الكلام قولوا الحمد لله، وهذا عندي ضعيف، الأول: أن قوله الحمد لله إخبار عن كون الحمد حقا له وملكا له، وهذا كلام تام في نفسه، فلا حاجة إلى الإضمار. الثاني: أن قوله الحمد لله يدل على كونه تعالى مستحقا للحمد بحسب ذاته وبحسب أفعاله سواء حمدوه أو لم يحمدوه، لأن ما بالذات أعلى وأجل مما بالغير. الثالث: ذكروا مسألة في الواقعات وهي أنه لا ينبغي للوالد أن يقول لولده

إعمل كذا و كذا، لأنه يجوز أن لا يمتثل أمره فيأثم، بل يقول إن كذا و كذا يجب أن يفعل، ثم إذا كان الولد كريما فإنه يجيبه ويطيعه، وإن كان عاقا لم يشافهه بالرد، فيكون إثمه أقل، فكذلك ههنا. ❶

''الحمد للّٰه'' کے ساتھ ''رب العالمین'' کی صفت لانے میں کیا حکمت ہے؟

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں:

أنه تعالى لم يقل الحمد للّٰه خالق العالمين، بل قال: الحمد للّٰه رَبّ العالمين والسبب فيه أن الناس أطبقوا على أن الحوادث مفتقرة إلى الموجد والمحدث حال حدوثها، لكنهم اختلفوا في أنها حال بقائها هل تبقى محتاجة إلى المبقي أم لا؟ فخصه سبحانه بالذكر تنبيها على أن كل ما سوى اللّٰه فإنه لا يستغنى عنه لا في حال حدوثه ولا في حال بقائه. ❷

ترجمہ: اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ جتنے بھی حوادث وممکنات ہیں وہ اپنے وجود میں واجب الوجود کی طرف محتاج ہیں، اب اس میں اختلاف ہے کہ آیا اپنے باقی رہنے میں بھی غیر کی طرف محتاج ہیں یا نہیں، تو اللہ تعالیٰ نے لفظ رب استعمال فرما کر اس بات کی تنبیہ کردی کہ حوادث جتنے بھی ہیں وہ اپنے وجود میں ذات باری تعالیٰ کے محتاج ہیں اسی طرح باقی رہنے میں بھی محتاج ہیں۔

---

❶ التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ١ ص ١٩٥، ١٩٦

❷ التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الثالث، ج ١ ص ١٦١، ١٦٢

دسویں بحث: لفظ رب کے متعلق تحقیق

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ (متوفی ۵۰۲ھ) فرماتے ہیں کہ رب اصل میں تربیت کرنے کو کہتے ہیں کہ کسی چیز کی آہستہ آہستہ اس طور پر تربیت ونشو ونما کی جائے کہ وہ اپنے حدِ کمال کو پہنچ جائے:

الرب في الأصل التربية و هو إنشاء الشيء حالا فحالا إلى حد التمام. ❶

علامہ ابن منظور رحمہ اللہ (متوفی ۷۱۱ھ) نے لفظ رب کے چھ معانی نقل کئے ہیں، لفظ رب کا اطلاق لغت میں مالک، سید، مدبر، تربیت کرنے والا، نگرانی کرنے والا، انعامات دینے والا، ان چھ معانی پر ہوتا ہے:

الرَّبُّ يُطْلَق في اللغة على المالكِ والسَّيِّدِ والمُدَبِّر والمُرَبِّي والقَيِّمِ والمُنْعِمِ ❷.

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) نے لفظ "رب" کے چار معانی نقل کئے ہیں:

فالرب: المالک. وفي الصحاح: والرب اسم من أسماء الله تعالى ولا يقال في غيره إلا بالإضافة. والرب: السيد. ومن قوله تعالى: اذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّک. وفي الحديث: "أن تلد الأمة ربتها" أي سيدتها والرب: المصلح والمدبر والجابر والقائم. والرب: المعبود ومنه قول الشاعر:

أَرَبٌّ يَبُوْلُ الثَّعْلَبَانُ بِرَأْسِهِ　　لَقَدْ ذَلَّ مَنْ بَالَتْ عَلَيْهِ الثَّعَالِبُ. ❸

---

❶ المفردات فی غریب القرآن: کتاب الراء، رب، ص ۱۹۰

❷ لسان العرب: حرف الراء، رب، ج ۱ ص ۳۹۹

❸ تفسیر القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ۱ ص ۱۸۲

ترجمہ: ا.....مالک، صحاح میں ہے کہ ''رب'' اللہ تعالی کے اسماء حسنی میں سے ہے اور جب یہ ذات باری تعالی کے علاوہ کسی اور کے لئے استعمال ہو تو اس میں کسی خاص چیز کی طرف اضافت ضروری ہے (یعنی غیر اللہ کے لئے اضافت کے بغیر استعمال درست نہیں ہے)۔

۲.....رب آقا کو بھی کہتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے ''اُذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّکَ'' (یوسف:۴۲) یعنی اپنے آقا کے پاس میرا ذکر کرنا، اور حدیث میں ''أَنْ تَلِدَ الْأَمَةُ رَبَّتَهَا'' کہ کنیز اپنی مالکن کو جنم دے گی۔

۳.....اصلاح کرنے والا، کام کی تدبیر کرنے والا، طاقت کا مالک، باقی رہنے والا سب شامل ہیں۔

۴.....رب کا ایک معنی معبود بھی ہے جیسا کہ شاعر کہتا ہے: وہ کیا معبود ہو سکتا ہے جس کے سر پر لومڑیاں آکر پیشاب کر جائیں، وہ تو بہت حقیر ہوتا ہے جس پر لومڑیاں پیشاب کر جائیں:

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ رب تین معانی میں استعمال ہوتا ہے:

ا.....ایسا مالک (جو اُمور میں) تصرف کرنے والا ہو۔۲.....لغت میں لفظ رب کا اطلاق سید (آقا) پر ہوتا ہے۔۳.....کاموں کی درستگی کے لئے تصرف کرنے والا۔ یہ تمام معانی اللہ تعالی کے حق میں مراد لینا درست ہے:

والرب هو: المالک المتصرف، ويطلق في اللغة على السيد، وعلى المتصرف للإصلاح، وكل ذلک صحيح في حق الله تعالى. ❶

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ ''رب'' اصل میں مصدر

---

❶ تفسیر ابن کثیر: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۲۴

ہےاوراس کا معنی تربیت کرنا ہے، رب کہتے ہیں جو کسی شی کو اپنی ازلی استعداد کی وجہ سے آہستہ آہستہ اس کے کمال تک پہنچائے:

الـرب في الأصل مصدر بمعنى التربية وهي تبلغ الشيء إلى كماله بحسب إستعداده الأزلي شيئا فشيئا. ❶

لفظِ رب کے متعلق اہلِ علم کی تین آراء ہیں

ا......مصدر ۲......صفتِ مشبہ کا صیغہ ۳......اسم فاعل کا صیغہ

اگر لفظ رب کو مصدر قرار دیا جائے تو اس پر یہ اعتراض ہوگا کہ لفظ اللہ علمِ ذاتی ہے اور مصدر کا حمل ذات پر کرنا جائز نہیں؟

جواب: یہاں مصدر کا حمل ذات پر مبالغۃً ہے۔

جیسے "زیـــد صـــوم" گویا اللہ تعالی ربوبیت کے اتنے اعلی مقام پر ہیں کہ سراپا ربوبیت ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ رب صفتِ مشبہ کا صیغہ ہے، اس کا مصدر "رب یـرب" باب نصر سے ہے جیسے کہ "نـم یـنم فهو نم" صفتِ مشبہ ہے باب نصر سے، چونکہ باب نصر سے صفتِ مشبہ کا آنا نادر تھا اس لئے اس کی ایک نظیر بیان کر دی۔ اب اس پر اشکال وارد ہوتا ہے کہ "رب یـرب" باب نصر سے متعدی ہے اور صفتِ مشبہ متعدی سے نہیں آتا لہٰذا اب یہ صفت مشبہ کیسے ہوگا؟

جواب: اس کو بمنزلہ فعلِ طبعی مان کر باب "کَـرُمَ" کی طرف منتقل کر لیا گیا اور باب "کَرُمَ" لازمی ہے لہٰذا اب اس سے صفتِ مشبہ کا آنا درست ہے:

ثـم وصف به للمبالغة كالصوم و العدل وقيل: هو نعت من ربه يربه فهو رب كقولك نم ينم فهو نم. ❷

---

❶روح المعاني: سورة الفاتحة، ج ١ ص ١٠۴

❷التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج ١ ص ٣٢

ویجوز أن یکون وصفاً بالمصدر للمبالغة کما وصف بالعدل. ❶

وصف به الفاعل مبالغة کالعدل وقیل صفة مشبهة من ربه یربه مثل نمه ینمه بعد جعله لازما بنقله إلی فعل بالضم کما هو المشهور. ❷

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ رب اسم فاعل سے مبالغہ کا صیغہ ہے یا اسم فاعل کا صیغہ ہے، انہوں نے صفت مشبہ والے قول کو لفظ ''قیل'' سے ذکر کر کے اس کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ ایک قول یہ ہے کہ لفظ ''رب'' صفت مشبہ کا صیغہ ہے ''شرح التسهیل'' میں ہے کہ یہ مراد لینا درست نہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ یا تو اسم فاعل سے مبالغہ کا صیغہ ہے یا اسم فاعل کا صیغہ ہے اور اصل میں ''راب'' تھا پس الف کو حذف کیا گیا جیسے کہ عرب کے لوگ کہتے ہیں ''رجل بار وبر'' یہ آدمی بہت نیکوکار ہے، تو الف کے ساتھ بھی ذکر کرتے ہیں اور حذف الف کے ساتھ بھی۔ یہی بات امام ابوحیان رحمہ اللہ نے بھی کہی ہے اور اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ یہاں اس کی اضافت مفعول کی طرف ہے:

وقیل هو صفة مشبهة وفي شرح التسهیل أنه ممنوع والظاهر أنه من مبالغة اسم الفاعل أو هو اسم فاعل وأصله راب فحذفت ألفه کما قالوا رجل بار وبر قاله أبو حیان ویؤیده إضافته إلی المفعول. ❸

تربیت دو قسم پر ہے

۱......جسمانی ۲......روحانی

---

❶مدارک التنزیل: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۰

❷تفسیر أبي السعود: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۱

❸روح المعاني: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۰۴

جسمانی تربیت کا دار و مدار عمدہ غذا کے استعمال اور صاف وشفاف غذاؤں کے ساتھ موسم کے مطابق پھل فروٹ کے استعمال پر ہے۔ روحانی تربیت کا مقصد یہ ہے کہ انسان کی عاداتِ رذیلہ چھوٹ جائیں اور بہترین صفات سے انسان آراستہ ہوجائے اور اچھی عادات اس کو حاصل ہوجائیں، مثلاً بخل دور ہوکر سخاوت آئے، تکبر کی جگہ تواضع آئے، اس کا تعلق کُتبِ سماویہ اور انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا تعلق دونوں کے ساتھ ہے:

الرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ. (الرحمن: ۱ تا ۴)

تربیت کے لئے دو رکن نہایت اہم ہیں۔

۱......شئی کو اس کے مُضِرّات سے بچانا، مثلاً درخت کو کیڑا نہ لگے۔ ۲......اس کے منافع ضروریہ اس کو پہنچانا، مثلاً پودے کو پانی دینا، کھاد دینا، تو اللہ تعالیٰ نقصان سے بچانے والا بھی اور نفع پہنچانے والا بھی ہے۔

خالق اور مخلوق کی پرورش میں پانچ فرق

۱......ایک انسان دوسرے انسان کی کسی نہ کسی غرض کی وجہ سے پرورش کرتا ہے، اگر ماں باپ اولاد کی پرورش کرتے ہیں تو اس غرض سے کہ یہ بڑھاپے میں ہمارا سہارا بن سکیں۔ مالدار غریبوں کی پرورش کرتے ہیں تو اس غرض سے کہ لوگ ہمیں سخی کہیں یا اللہ کے ہاں ہمیں اس کا اجر ملے۔ بادشاہ اپنے ماتحتوں کی، آقا اپنے غلاموں کی پرورش اس لئے کرتے ہیں تاکہ ان سے اپنی اغراض ومقاصد حاصل کرسکیں۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ایسی ہے جو بغیر کسی اغراض کے مخلوق کی پرورش کرتی ہے۔

۲......بندہ کسی کی پرورش کرتا ہے تو اس کے مال میں کمی ہوتی ہے، ختم ہونے کے خوف سے بڑی احتیاط سے کام کرتا ہے، اگر آمدنی کم ہوجائے تو بہت سے خادموں کو نوکری

سے نکال دیتے ہیں جبکہ حق تعالیٰ کے خزانے میں کبھی کوئی کمی واقع نہیں ہوتی اسی لئے حق تعالیٰ کی پرورش سے کبھی کوئی نہیں نکلا۔

۳......مخلوق جب کسی کی پرورش کرتی ہے تو اس پر احسان جتلاتی ہے بغیر مانگے اس کو نہیں دیتی مگر حق تعالیٰ بغیر مانگے عطا فرماتے ہیں بغیر احسان جتلائے سب کچھ دیتے ہیں، وہ تو ایسی کریم ذات ہے جب ہم ماں کے پیٹ میں تھے اور ہمیں مانگنے کا شعور بھی نہ تھا تب بھی وہ ہماری پرورش کر رہا تھا۔

۴......مخلوق سب کی پرورش نہیں کرسکتی جبکہ ذاتِ باری تعالیٰ سب کو نوازتا ہے ہر ایک کی سن کر اس کو عطا کرتا ہے۔

۵.....کوئی شخص کتنا ہی سخی کیوں نہ ہو، لیکن زیادہ مانگنے والوں سے آخر تنگ آجاتا ہے لیکن ربِ کریم سے جتنا ہی زیادہ مانگا جائے اتنا ہی وہ خوش ہوتے ہیں بلکہ نہ مانگنے والوں سے ناراض ہوجاتے ہیں۔

جن اشیاء سے جسم کو فائدہ ہوتا ہے ان سے عموماً روح کو نقصان ہوتا ہے

جن چیزوں سے جسم کی تربیت ہوتی ہے اس سے روح کو نقصان پہنچتا ہے، مثلاً عمدہ قسم کے کھانے، مرغن غذائیں کھانا اس سے بظاہر جسم کو فائدہ ہوتا ہے لیکن اس سے روح مردہ ہوجاتی ہے، روح زندہ ہوتی ہے کثرتِ عبادت سے لیکن اس سے جسم کمزور ہوتا ہے جسم کو نقصان ہوتا ہے، تو اللہ تعالیٰ دونوں کی تربیت کرتا ہے، شریعت نے دونوں کی حدیں مقرر کیں، نہ حد سے زیادہ کھایا جائے نہ بہت کثرت سے عبادت کی جائے کہ جس سے جسم کو نقصان ہو، نیز جسم کی تربیت والدین اور اطباء کے ذریعے ہوتی ہے جبکہ روح کی تربیت انبیاء واولیاء کے ذریعے ہوتی ہے۔

ہر چیز اپنے وجود اور بقاء میں اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ٦٠٦ھ) فرماتے ہیں:

رَبّ العالمين إشارة إلى أن كل ما سواه فهو مفتقر إليه محتاج في وجوده إلى إيجاده، وفي بقائه إلى إبقائه. ❶

ترجمہ: ''**رب العالمین**'' میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ جو بھی ہے وہ سب اپنے وجود اور باقی رہنے میں اللہ کے محتاج ہیں۔

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ٦٨٥ھ) فرماتے ہیں:

فيه دليل على أن الممكنات كما هي مفتقرة إلى المحدث حال حدوثها فهي مفتقرة إلى المبقي حال بقائها. ❷

ترجمہ: آیت اس سلسلہ میں دلیل ہے کہ ممکنات جس طرح اپنے موجود ہونے میں ایک ایسی ذات کی طرف محتاج ہیں جو انہیں وجود بخشے، اسی طرح اپنی بقا میں اس ذات کی طرف محتاج ہیں جو انہیں باقی رکھے۔

فرعون کا ربوبیت سے متعلق سوال پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جامع جواب

جب فرعون نے کہا ''**وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ**'' (الشعراء: ۲۳) تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ''**رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنْ كُنْتُمْ مُوقِنِينَ**'' (الشعراء: ۲۴) یعنی رب وہ ہے جس کی تربیت سبع سماوات اور سبع ارضین اور کل عالم کو محیط ہے، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس ارشاد کے بعد شاید فرعون کو یہ تردد ہوا کہ تربیت کو صرف ذات خداوندی میں منحصر کر دینا کیسے صحیح ہوسکتا ہے جبکہ ہم والدین اور آفتاب اور ماہتاب کی

---

❶ التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الثالث، ج ۱ ص ۱٦۱

❷ التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۸۲

تربیتوں کا بھی روزانہ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں، اس لئے موسیٰ علیہ السلام دوبارہ جواب کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا "رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ" (الشعراء: ۲۶) یعنی تمہارے آباء واجداد کی تربیت اصلی اور ذاتی نہیں بلکہ عطیہ الٰہی ہے تمہارا اور تمہارے تمام آباء اولین کا حقیقی رب اور پروردگار وہی ہے، اور تیسری بار فرمایا "رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنْ كُنتُمْ تَعْقِلُونَ" (الشعراء: ۲۸) یعنی آفتاب و ماہتاب کو اپنی کھیتوں کو مربی سمجھنا غلط ہے۔ اس لئے کہ خود آفتاب و ماہتاب اور ان کے نور کو اسی رب العالمین نے پیدا کیا ہے، تو موسیٰ علیہ السلام نے پہلی آیت میں یعنی "رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا" میں اللہ کی ربوبیت کا تمام امکنہ مختلفہ کو محیط ہونا بیان فرمایا، اور دوسری آیت "رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ" میں اس کی ربوبیت کا ماضی اور حال اور مستقبل کے تمام اوقات اور ازمنہ مختلفہ کو محیط ہونا بیان فرمایا، اور تیسری بار "رَبُّ الْمَشْرِقِ" فرما کر اس کی ربوبیت کا تمام اوضاع اور حالات تمام تغیرات اور کیفیات کو محیط ہونا بیان فرمایا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ کی ربوبیت کسی شخص اور کسی زمان کسی مکان اور کسی حالت اور وضع کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ سب کو عام اور محیط ہے اسی لئے وہی لائق عبادت اور مستحق حمد و ثناء ہے۔ ❶

نظامِ ربوبیت سے توحید پر استدلال

جو رب العالمین تمام کائنات کی پرورش کر رہا ہے اور جس کی ربوبیت کا اعتراف ہمارے دل کے ایک ایک ریشے میں موجود ہے، اس کے سوا کون اس کا مستحق ہوسکتا ہے کہ بندگی و نیاز کا سر اس کے سامنے جھکایا جائے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ. (البقرة: ۲۱)

---

❶ معارف القرآن کاندھلوی: ج ا ص ۱۴، ۱۵

نظامِ ربوبیت سے وحی اور رسالت کی ضرورت پر استدلال

جس رب العالمین نے ہماری پرورش کے لئے ربوبیت کا ایسا انتظام قائم کر رکھا ہو کیا ممکن ہے کہ اس نے ہماری روحانی فلاح وسعادت کے لئے کوئی قانون کوئی نظام کوئی قاعدہ مقرر نہ کیا ہو۔ جس طرح ہماری جسم کی ضرورتیں ہیں اس طرح ہماری روح کی بھی ضرورتیں ہیں، پھر کیسے ممکن ہے کہ جسم کی نشو ونما کے لئے تو اس کے پاس سب کچھ ہو لیکن روح کی نشو ونما کے لئے اس کے پاس کچھ نہ ہو، جو پروردگار اجسام کی پرورش کے لئے آسمان سے موسلا دھار پانی برسائے لیکن ارواح کی پرورش کے لئے ایک قطرہ فیض بھی نہ رکھے کیا یہ ممکن ہے؟ جو زمین کی موت کو زندگی سے بدل دیتا ہے پھر کیا ہماری روح کو زندگی سے نہیں بدل سکتا، جو ستاروں کی روشن علامتوں سے خشکی وتری کی ظلمتوں میں ہماری رہنمائی کرسکتا ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ ہماری روحانی زندگی کی تاریکیوں کے لئے اس کے پاس کوئی روشنی نہ ہو۔

گیارہویں بحث: لفظ رب کا اطلاق بغیر اضافت کے غیر اللہ کے لئے جائز نہیں

۱......امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ (متوفی ۵۰۲ھ) فرماتے ہیں:

ولا يقال الرب مطلقا إلا لله تعالى. ❶

اگر لفظ ''رب'' کو مطلقاً (بغیر اضافت) کے ذکر کیا جائے تو اس کا اطلاق صرف اللہ پر ہوگا (مخلوق پر اطلاق کے لئے اضافت ضروری ہے جیسے ''رب الدار'' وغیرہ)۔

۲......قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں:

---

❶ المفردات: كتاب الراء، رب، ص ۱۹۰

ولا يُطلَق غيرَ مُضافٍ إلّا على اللّٰه عزّ وجل. ❶

بغیر اضافت کے اس کا اطلاق نہیں کیا جائے گا مگر صرف اللہ تعالیٰ پر۔

۳......علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی رحمہ اللہ (متوفی ۷۱۰ھ) فرماتے ہیں:

ولم يطلقوا الرب إلا في اللّٰه وحده وهو في العبد مع التقييد إنه ربي أحسن مثواي. ❷

لفظ ''رب'' کا اطلاق نہیں کیا جائے گا مگر صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر۔ بندے پر اطلاق کے لئے اضافت ضروری ہے جیسے ''إِنَّـهٗ رَبِّیْ أَحْسَنَ مَثْوَایَ'' یعنی یہ میرا آقا ہے جس نے مجھے بہترین ٹھکانہ دیا۔

۴......علامہ ابن منظور رحمہ اللہ (متوفی ۷۱۱ھ) فرماتے ہیں:

ولا يُطلَق غيرَ مُضافٍ إلّا على اللّٰه عزّ وجل. ❸

لفظ ''رب'' کا اطلاق بغیر اضافت کے صرف اللہ پر ہوگا۔

۵......حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

ولا يستعمل الرب لغير اللّٰه، بل بالإضافة تقول: رب الدار رب كذا. ❹

لفظ ''رب'' کو غیر اللہ کے لئے استعمال نہیں کیا جائے گا، البتہ اضافت کے ساتھ کرنا درست ہے، جیسے ''رب الدار'' ''رب كذا'' وغیرہ۔

---

❶التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۲

❷مدارك التنزيل: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۰

❸لسان العرب: حرف الراء، رب، ج ۱ ص ۳۹۹

❹تفسير ابن كثير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۳۴

بارہویں بحث: قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام کی وہ دعائیں جن میں لفظ ''رب'' مذکور ہے

تمام انبیاء علیہم السلام کی دعائیں جو قرآن کریم میں حکایۃً وارد ہیں یا تعلیمًا فرمائی گئی ہیں ان سب میں یہی اسم ''رب'' مذکور ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی دعا ہے:

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ. (الأعراف:۲۳)

ترجمہ: اے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم یقیناً نامراد لوگوں میں شامل ہو جائیں گے۔

اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کی دعا ہے کہ انہوں نے موذی قوم کی ایذاء سے بچنے کے لئے دعا کی:

فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانْتَصِرْ. (القمر: ۱۰)

ترجمہ: پس اس نے اپنے رب کو پکارا کہ میں بے بس ہوں پس تو میری مدد کر۔

نیز فرمایا:

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ. (المؤمن:۲۶)

ترجمہ: یعنی اے پروردگار! میری مدد فرما کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا ہے۔

نیز ان کو یہ دعاء سکھائی کہ کشتی سے سلامتی سے اترنے کے لئے یوں دعاء کرنا:

وَقُلْ رَبِّ أَنْزِلْنِي مُنْزَلًا مُبَارَكًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ. (المؤمنون: ۲۹)

ترجمہ: ''اے پروردگار! اتار مجھ کو اتارنا برکت کا اور تو بہتر اتارنے والا ہے۔

طلبِ ولد کے لئے حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا:

رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِيْنَ. (الأنبياء: ۸۹)

ترجمہ: اے رب! مت چھوڑ مجھے اکیلا اور آپ سب سے بہتر وارث ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام نے شریروں کے مقابلے میں یوں دُعا کی:

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِی عَلَی الْقَوْمِ الْمُفْسِدِينَ. (العنكبوت: ۳۰)

ترجمہ: پروردگار! ان مفسد لوگوں کے مقابلے میں میری مدد فرمایئے۔

حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام نے جب خانہ کعبہ کی تعمیر کی تو یہ دعا فرمائی:

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّکَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ. (البقرة: ۱۲۷)

ترجمہ: پروردگار! ہم سے یہ عمل قبول فرما بیشک تو دعاؤں کو سننے والا (اور نیتوں اور کیفیتوں کا) جاننے والا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے جب سب مقاصد پورے ہو چکے تو خاتمہ بالخیر کے لئے یوں دعا کی:

رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِی مِنَ الْمُلْکِ وَعَلَّمْتَنِی مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ أَنْتَ وَلِيِّ فِی الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ تَوَفَّنِی مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِی بِالصَّالِحِينَ. (يوسف: ۱۰۱)

ترجمہ: اے پروردگار! تو نے مجھے کسی قدر حکومت بھی بخشی اور تو نے مجھے خوابوں کی تعبیر کا علم بھی سکھایا ہے، اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے تو ہی میرا پروردگار ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، مجھے ایمان کی حالت میں موت دے اور زمرہ صالحین میں شامل فرما۔

جب بنی اسرائیل فرعون کے مظالم سے تنگ آ گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے

ان کو صرف اللہ پر بھروسہ کرنے کا حکم دیا اور یہ دعا مانگی:

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ، وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ. (یونس: ۸۵، ۸۶)

ترجمہ: پروردگار! ہم کو ظالم لوگوں کا تختہ مشق نہ بنا اور ہمیں اپنی رحمت سے ان کافر لوگوں سے نجات دے۔

حضرت داود علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ (ص: ۲۴)

ترجمہ: اس لئے انہوں نے اپنے پروردگار سے معافی مانگی، جھک کر سجدے میں گر گئے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا یوں بیان فرمائی:

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِنْ بَعْدِي. (ص: ۳۵)

ترجمہ: اے میرے رب! میری بخشش فرما دے، اور مجھے ایسی بادشاہت عطا کر کہ میرے بعد کسی اور کے لئے مناسب نہ ہو۔

حضرت ایوب علیہ السلام نے سخت مصیبت اور بیماری کے وقت یوں دعا فرمائی:

وَأَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ. (الأنبياء: ۸۳)

ترجمہ: اور ایوب نے جب اپنے رب کو پکارا کہ مجھے سخت تکلیف پہنچی ہے اور تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کی دعا کی قبولیت کے متعلق فرمایا:

لَوْلَا أَنْ تَدَارَكَهُ نِعْمَةٌ مِنْ رَبِّهِ لَنُبِذَ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ مَذْمُومٌ. (القلم: ۴۹)

ترجمہ: اگر ان کے پروردگار کے فضل نے انہیں سنبھال نہ لیا ہوتا تو انہیں بُری

حالت کے ساتھ اس کھلے میدان میں پھینک دیا جاتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نزول مائدہ کے لئے یوں دعا کی:

قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِنْكَ وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ. (المائدة:۱۱۴)

ترجمہ: اے اللہ! ہمارے رب ہم پر آسمان سے کھانا نازل فرمایئے کہ وہ ہمارے لئے یعنی ہم میں جو اول ہیں اور جو بعد ہیں سب کے لئے ایک خوشی کی بات ہو جاوے، اور آپ کی طرف سے ایک نشان ہو جاوے اور آپ ہم کو عطا فرمایئے اور آپ سب عطا کرنے والوں سے اچھے ہیں۔

یہ وہ دعائیں ہیں جو قرآنِ کریم میں انبیاء سابقین کی مذکور ہیں، اور یہ مندرجہ ذیل حاجات کے متعلق ہیں۔

۱......گناہ کی معافی کے لئے۔

۲......دشمنوں کے شر سے بچنے کے لئے۔

۳......اولاد کی طلب کے لئے۔

۴......عمل کی قبولیت کے لئے۔

۵......بیماری سے شفاء پانے کے لئے۔

۶......مصیبت سے نجات پانے کے لئے۔

۷......کشتی سے سلامتی کے ساتھ کنارے اترنے کے لئے۔

۸......خاتمہ بالخیر کے لئے۔

۹......حصول ملک کے لئے۔

۱۰......طلبِ رزق کے لئے۔

تمام انبیاء علیہم السلام نے اپنی حاجات کے وقت صرف اللہ تعالی سے دعا کی، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امت کے لوگوں کو بھی یہ حاجتیں پیش آئیں تو وہ بھی صرف اللہ تعالی ہی کو پکاریں کیونکہ وہ رب العالمین ہے، پس جو اللہ تعالی کو اپنا حقیقی رب سمجھے گا وہ شرک سے باز رہے گا۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو دعائیں تعلیم دی گئیں وہ بھی اکثر لفظ رب سے شروع ہوتی ہے، مثلاً فرمایا:

وَقُلْ رَبِّ أَعُوذُ بِکَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ. وَأَعُوذُ بِکَ رَبِّ أَنْ يَحْضُرُونِ. (المؤمنون: ۹۷، ۹۸)

ترجمہ: اور آپ یوں دعا کیا کیجئے کہ اے میرے رب! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں شیطانوں کے وسوسوں سے، اور اے میرے رب! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ شیطان میرے پاس آئے۔

جنگ بدر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ۳۱۳ جانثاروں کی حوصلہ افزائی فرمائی اور اس کے متعلق فرمایا:

اِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَنْ يَكْفِيَكُمْ أَنْ يُمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَآئِكَةِ مُنْزَلِينَ. (آل عمران: ۱۲۴)

ترجمہ: اے پیغمبر! وہ وقت بھی یاد کرو جب تم مؤمنوں سے فرما رہے تھے کہ کیا تم کو کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتے نازل کر کے تمہاری مدد کرے۔

اور مؤمن نزولِ امداد کے لئے اپنے پروردگار سے جو التجائیں کرتے تھے اس کا نقشہ یوں کھینچا:

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ. (الأنفال: ۹)

ترجمہ: اس وقت کو یاد کرو جبکہ تم اپنے رب سے فریاد کررہے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری سن لی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضراتِ انبیاء علیہم السلام اور صالحین کی دعاوں میں لفظ ''رب'' مذکور ہے۔

تیرہویں بحث: لفظ ''رب'' قرآن کریم میں پانچ معانی میں استعمال ہوا ہے

۱ ...... وَقَالَ لِلَّذِی ظَنَّ أَنَّهُ نَاجٍ مِنهُمَا اذْكُرْنِی عِندَ رَبِّكَ فَأَنسَاهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ فَلَبِثَ فِی السِّجْنِ بِضْعَ سِنِينَ. (یوسف: ۴۲)

ترجمہ: اوران دونوں میں سے جس کے بارے میں ان کا گمان تھا کہ وہ رہا ہو جائے گا، اس سے یوسف نے کہا کہ اپنے آقا سے میرا بھی تذکرہ کر دینا۔ پھر ہوا یہ کہ شیطان نے اس کو یہ بات بھلادی کہ وہ اپنے آقا سے یوسف کا تذکرہ کرتا، چنانچہ وہ کئی برس قیدخانے میں رہے۔

اس آیت میں لفظ ''رب'' سردار وآقا کے معنی میں ہے۔

۲ ...... إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ رَبَّ هَذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِی حَرَّمَهَا وَلَهُ كُلُّ شَیْءٍ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ. (النمل: ۹۱)

ترجمہ: (اے پیغمبر! ان سے کہہ دو کہ) مجھے تو یہی حکم ملا ہے کہ میں اس شہر کے رب کی عبادت کروں جس نے اس شہر کو حرمت بخشی، اور ہر چیز کا مالک وہی ہے، اور مجھے یہ حکم ملا ہے کہ میں فرماں برداروں میں شامل رہوں۔

فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ. (قریش: ۳)

اس لئے انہیں چاہئے کہ وہ اس گھر کے مالک کی عبادت کریں۔

ان دونوں آیات میں لفظ ''رب'' بمعنی مالک کے استعمال ہوا ہے۔

۳...... اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ. (التوبة: ۳۱)

ترجمہ: انہوں نے اللہ کے بجائے اپنے اَحبار (یعنی یہودی علماء) اور راہبوں (یعنی عیسائی درویشوں) کو خدا بنالیا، اور مسیح ابن مریم کو بھی، حالانکہ ان کو ایک خدا کے سوا کسی کی عبادت کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ اس کے سوا کوئی خدا نہیں، وہ ان کی مشرکانہ باتوں سے بالکل پاک ہے۔

اس آیت میں لفظ ''رب'' بمعنی شارع کے ہے۔

۴..... قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ إِنَّهُ رَبِّيٓ أَحْسَنَ مَثْوَايَ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ. (یوسف: ۲۳)

ترجمہ: یوسف نے کہا: اللہ کی پناہ! وہ میرا مربی ہے اس نے مجھے اچھی طرح رکھا ہے، سچی بات یہ ہے کہ جو لوگ ظلم کرتے ہیں انہیں فلاح حاصل نہیں ہوتی۔

اس آیت میں لفظ ''رب'' بمعنی مربی کے استعمال ہوا ہے۔

۵...إِنَّ اللّٰهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ (آل عمران: ۵۱)

ترجمہ: بے شک اللہ میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار۔ یہی سیدھا راستہ ہے کہ (صرف اسی کی عبادت کرو)

اس آیت میں لفظ ''رب'' بمعنی معبود کے استعمال ہوا ہے۔

لفظ رب پر جب الف لام داخل ہوجائے تو یہ ذات باری کے ساتھ خاص ہوجاتا ہے

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

متى أدخلت الألف واللام على رب اختص الله تعالى به، لأنها للعهد وإن حذفنا منه صار مشتركا بين الله وبين عباده. ❶

ترجمہ: لفظ ''رب'' پر جب الف لام داخل ہوجائے تو پھر یہ ذات باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہوتا ہے، پھر اس کا اطلاق مخلوق پر کرنا جائز نہیں، اس صورت میں الف لام عہد خارجی کے لئے ہوگا، اور اگر الف لام کو حذف کردیا جائے تو اس صورت میں لفظ رب خالق اور مخلوق کے درمیان مشترک ہوجائے گا، البتہ جب مخلوق کے لئے استعمال ہو تو اضافت کے ساتھ ہوگا۔

لفظ رب کے متعلق ایک اہم نکتہ

علامہ محمد امین بن عبداللہ ہرری فرماتے ہیں:

دقيقة في لفظ رب خصوصية لا توجد في غيره من أسمائه تعالى وهو أنک إذا قراء ته طردا كان من أسمائه تعالى وإن قلبته كان من أسمائه تعالى. ❷

ترجمہ: لفظ رب کے اندر ایسی خاصیت پائی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے دیگر اسماء میں نہیں پائی جاتی وہ یہ کہ اگر آپ لفظ رب کو پلٹ دیں تب بھی یہ اللہ کے اسماء میں سے ایک اسم ہوگا (یعنی بَرٌّ) جبکہ اگر دیگر اسمائے باری تعالیٰ کو پلٹ دیں تو پھر وہ اسمائے باری تعالیٰ میں سے نہیں رہتے۔

---

❶ تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ۱ ص ۱۸۲

❷ حدائق الروح والريحان: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۵۶

چودہویں بحث: لفظِ عالمین کی تحقیق

یہ ''عَالَمٌ'' کی جمع ہے، عالم کا لغوی معنی ''ما یعلم به الشیء'' جیسے خاتم کا معنی ''مایختم به'' عرف میں عالم کا معنی ''مایعلم به الصانع'' عرفی معنی میں تخصیص ہے جیسا کہ لغوی معنی میں تعمیم ہے، تو عالم سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کے وجود سے خالقِ کائنات کے وجود پر استدلال کیا جا سکے خواہ وہ انسان ہوں یا دیگر حیوانات، نباتات ہوں یا جمادات ہوں:

و العالم اسم لما یعلم به کالخاتم. ❶

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی رحمہ اللہ (متوفی ۷۱۰ھ) فرماتے ہیں:

والعالم هو ما علم به الخالق من الأجسام والجواهر والأعراض أو كل موجود سوى الله تعالى سمى به لأنه علم على وجوده. ❷

ترجمہ: اجسام، جواہر، اعراض اور ہر وہ موجود چیز جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہے وہ عالم ہے، عالَم کو عالم اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کے وجود پر علامت ہیں۔

عالم کے متعلق اہلِ علم کے دو قول ہیں

۱...... یہ خاتم کی طرح اسم آلہ کا صیغہ ہے۔

۲...... یہ جمع ہے لیکن اس کے لئے کوئی واحد نہیں ہے، اس کے لفظ سے تو گویا لفظاً مفرد ہے، اور معناً جمع ہے جیسے قوم ورھط وغیرہ۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

اختلف أهل التأويل في العالمين اختلافا كثيرًا، فقال قتادة: العالمون

---

❶ التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۲

❷ مدارك التنزيل: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۰

جمع عالم وهو كل موجود سوى الله تعالى ولا واحد له من لفظه مثل رهط وقوم. ❶

ترجمہ: اہل تاویل کا لفظ ''**عالمین**'' کے بارے میں بہت اختلاف ہے، امام قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ عالم کی جمع ہے اور اللہ کے سوا ہر موجود شی عالم ہے، لفظ عالم کا کوئی واحد نہیں جیسا کہ ''**رھط**'' اور ''**قوم**'' وغیرہ کا واحد نہیں آتا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

والعالمين: جمع عالم، وهو كل موجود سوى الله عز وجل، والعالم جمع لا واحد له من لفظه. ❷

ترجمہ: ''**عالمین**'' عالم کی جمع ہے، اللہ کے سوا ہر موجود شی عالم ہے، عالمین جمع ہے اور اس کے لفظ سے اس کا کوئی مفرد نہیں ہے۔

پندرہویں بحث: لفظ عالمین کے مصداق کے متعلق اہلِ علم کے اقوال

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) نے لفظ عالم کے مصداق کے بارے میں اہل علم کے چھ (۶) اقوال نقل کئے ہیں۔

۱.....امام قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''**عالمین**'' عالم کی جمع ہے اور اللہ کے سوا ہر موجود شی عالم ہے۔

۲.....حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عالمین سے مراد جنات اور انسان ہیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''**لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا**'' تاکہ وہ سارے دنیا جہان والوں کے لئے ڈرانے والا ہو۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جانوروں کو

---

❶ تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ۱ ص ۱۸۳

❷ تفسير ابن كثير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۲۴

ڈرانے والے بن کر نہیں آئے (صرف جن وانس کی طرف مبعوث ہوئے)

۳.....امام فراء اور امام ابوعبیدہ رحمہما اللہ کے نزدیک عالم ذوی العقول کو کہتے ہیں اور وہ چار جنسیں ہیں: انسان، جنات، فرشتے اور شیاطین۔

۴.....وہب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے اٹھارہ ہزار (۱۸۰۰۰) عالم پیدا کئے ہیں جن میں سے ایک دنیا ہے۔

۵.....حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مشرق سے مغرب تک دنیا ایک عالم ہے اور اللہ تعالی نے ایسے چالیس ہزار (۴۰۰۰۰) عالم پیدا کئے ہیں۔

۶.....امام مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کل اسی ہزار (۸۰۰۰۰) عالم ہیں جن میں سے چالیس ہزار (۴۰۰۰۰) خشکی میں اور چالیس ہزار (۴۰۰۰۰) سمندر میں ہیں:

قال قتادة: العالمون جمع عالم وهو كل موجود سوى اللّٰه تعالى. وقال ابن عباس: العالمون الجن والإنس، دليله قوله تعالى: ليكون للعالمين نذيرا ولم يكن نذيرا للبهائم. وقال الفراء وأبو عبيدة: العالم عبارة عمن يعقل، وهم أربعة أمم: الإنس والجن والملائكة والشياطين. وقال وهب بن منبه: إن للّٰه عز وجل ثمانية عشر ألف عالم، الدنيا عالم منها. وقال أبو سعيد الخدري: إن للّٰه أربعين ألف عالم، الدنيا من شرقها إلى غربها عالم واحد. وقال مقاتل: العالمون ثمانون ألف عالم، أربعون ألف عالم في البر وأربعون ألف عالم في البحر. ❶

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) نے عالم کے مصداق کے بارے میں اہل علم کے دس (۱۰) اقوال نقل کئے ہیں، اہلِ علم حضرات اصل تفسیر کی طرف مراجعت فرمائیں۔ ❷

---

❶ تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ۱ ص ۱۸۳، ۱۸۴

❷ تفسير ابن كثير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۲۴

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) عالم کے مصداق کے متعلق اہل علم کے اقوال نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

والمناسب للمقام هنا العموم والعوالم كثيرة لا تحصيها الأرقام. ❶

اس مقام پر مناسب یہ ہے کہ ''**عالمین**'' کو عام رکھا جائے، اور عالم اتنی کثرت کے ساتھ ہیں انہیں کوئی شمار نہیں کرسکتا۔

مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۶۳ھ) فرماتے ہیں کہ ''**العالمین**'' میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمومِ بعثت کی طرف اشارہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہر ہر نبی اپنی قوم کی روحانی تربیت کرتے تھے یعنی ان کی بعثت خصوصی تھی، جب نبی آخر الزماں آئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکہ والوں کے پاس بھیجا تا کہ آپ یہاں سے جماعت تیار کر کے اپنا دست بازو بنا کر پھر باہر جا کر دعوت وتبلیغ شروع کریں، پھر اسی جماعت نے روم وفارس کو فتح کیا، تو آپ کی بعثت اقوامِ عالم کی طرف تھی، آپ کی بعثت کوئی علاقائی یا صوبائی نہیں تھی، اس لئے حضرت نے ترجمہ کیا وہ پالنے والا ہے ساری قوموں کا تا کہ حضور علیہ السلام کی ختمِ نبوت اور آپ علیہ السلام کی عمومِ بعثت کی طرف اشارہ ہو کہ آپ سب کی طرف رسول بن کر آئے ہیں۔

لفظ عالمین کو جمع کے صیغے کے ساتھ لانے میں کیا حکمت ہے؟

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں:

وإنما جمعه ليشمل ما تحته من الأجناس المختلفة، وغلب العقلاء منهم فجمعه بالياء والنون كسائر أوصافهم. ❷

---

❶ روح المعاني: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۰۷

❷ التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۲

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے عالمین کو جمع کے صیغے کے ساتھ ذکر فرمایا تا کہ وہ اپنے ماتحت مختلف قسم کی اجناس کو شامل ہو، اوران اجناس مختلفہ میں عقلاء کو غلبہ دیتے ہوئے عالم کو یاءنون کے ساتھ جمع لائے جس طرح عقلاء کے دوسرے اوصاف کی یاءنون کے ساتھ جمع آتی ہے۔

لفظ عالمین کو جمع قلت کے صیغے کے ساتھ کیوں ذکر فرمایا جبکہ مقام جمع کثرت کا تھا؟

عالمین کو جمع قلت کے ساتھ ذکر کیا حالانکہ مقام اس بات کا تقاضا کررہا تھا کہ اس کو جمع کثرت کے صیغے کے ساتھ لاتے ،تو جمع قلت کے صیغے کے ساتھ ذکر کرنا اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ عالم کتنے ہی کثیر کیوں نہ ہوں لیکن ذاتِ باری تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی کے سامنے یہ اقل القلیل ہے ان کی کوئی حیثیت نہیں:

فإن قيل: لم جمع جمع قلة مع أن المقام يستدعي الإتيان بجميع الكثرة،أجيب: بأن فيه تنبيهاً على أنهم وإن كثروا قليلون في جنب عظمته وكبريائه تعالى. ❶

وإنما كان الجمع الواو والنون مع أنه في المشهور جمع قلة والظاهر مستدع لجمع الكثرة تنبيها على أن العوالم وإن كثرت قليلة بل أقل من القليل في جنب عظمة اللّٰه تعالى وكبريائه. ❷

لفظ عالم ذوی العقول اور غیر ذوی العقول سب کو شامل ہے پھر واو نون کے ساتھ اس کی جمع کیوں لائی گئی؟

جواب: یہاں جمع لانے میں عقلاء کو ان کی شرافت کی وجہ سے غلبہ دیا گیا ہے غیر

---

❶ السراج المنير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۹

❷ روح المعاني: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۰۸

عقلاء پر، لہٰذا جس طرح عقلاء کی دیگر صفات کی جمع واونون کے ساتھ لائی جاتی ہے اسی طرح عالم کی جمع بھی واونون کے ساتھ لائی گئی:

وغلب العقلاء منهم فجمعه بالياء والنون كسائر أوصافهم. ❶

لفظ عالمین میں الف لام کونسا ہے؟

علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۳ھ) فرماتے ہیں:

والتعريف فيه للاستغراق بقرينة المقام الخطابي فإنه إذا لم يكن عهد خارجي ولم يكن معنى للحمل على الحقيقة ولا على المعهود الذهني تمحض التعريف للاستغراق لجميع الأفراد. ❷

ترجمہ: ''**العالمین**'' میں الف لام استغراق کا ہے، اور قرینہ اس پر یہ مقام خطاب ہے کہ الف لام عہد خارجی کا نہیں ہے، اور نہ ہی یہ الف لام جنس پر محمول ہوسکتا ہے اور نہ عہد ذہنی پر، تو اب یہ متعین ہوگیا کہ یہ الف لام استغراق کا ہے مقصود اس سے تمام افراد کا احاطہ کرنا ہے۔

لفظ عالمین کو جمع کے صیغے کے ساتھ کیوں ذکر کیا؟

علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۳ھ) فرماتے ہیں کہ عالم کو جمع کے صیغے کے ساتھ لایا اس لئے کہ اگر اس کو مفرد کے صیغے کے ساتھ لاتے تو یہ وہم ہوتا ہے کہ الف لام عہد خارجی کے لئے یا جنس کے لئے ہے، تو مطلب یہ ہوتا کہ اللہ تعالیٰ معہود جنسِ عالم یا مخصوص جنس کا رب ہے، تو جمع کے صیغے کے ساتھ لایا تا کہ تصریح ہو اس بات پر کہ یہ صیغہ جمع استغراق کے لئے ہے تا کہ تمام مخلوقات کو شامل ہو:

وإنما جمع العالم ولم يؤت به مفردا لأن الجمع قرينة على الاستغراق. ❸

---

❶ التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج ١ ص ٣٢

❷ التحرير والتنوير: سورة الفاتحة، ج ١ ص ١٦٨

❸ التحرير والتنوير: سورة الفاتحة، ج ١ ص ١٦٨

سولھویں بحث: لفظ عالمین قرآن کریم میں تین معانی میں استعمال ہوا ہے

لفظ عالم قرآن کریم میں تین معانی میں استعمال ہوا ہے۔

۱ ...... تَبَارَکَ الَّذِی نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَی عَبْدِهٖ لِیَکُونَ لِلْعَالَمِینَ نَذِیرًا. (الفرقان: ۱)

ترجمہ: بڑی شان ہے اس ذات کی جس نے اپنے بندے پر حق و باطل کا فیصلہ کر دینے والی یہ کتاب نازل کی تاکہ وہ دنیا جہاں کے لوگوں کو خبردار کردے۔

اس آیت میں عالمین سے مراد جنات اور انسان ہیں۔

۲ ...... قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِینَ (الشعراء: ۲۳)

ترجمہ: فرعون نے کہا: اور یہ رب العالمین کیا ہے؟

اس آیت میں عالم سے مراد کل ماسوی اللہ ہے۔

۳...... أَتَأْتُونَ الذُّکْرَانَ مِنَ الْعَالَمِینَ (الشعراء: ۱۶۵)

ترجمہ: کیا دنیا جہاں کے سارے لوگوں میں تم ہو جو مردوں کے پاس جاتے ہو۔

یَا بَنِی إِسْرَائِیلَ اذْکُرُوا نِعْمَتِیَ الَّتِی أَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَأَنِّی فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعَالَمِینَ (البقرة: ۴۷)

ترجمہ: اے بنی اسرائیل! میری وہ نعمت یاد کرو جو میں نے تم کو عطا کی تھی، اور یہ بات (یاد کرو) کہ میں نے تم کو سارے جہانوں پر فضیلت دی تھی۔

ان دونوں آیتوں میں عالم سے مراد اہل العصر الواحد یعنی ایک زمانے کے لوگ ہیں۔

افعال کا خالق کون ہے؟

مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بناء پر اس کی تعریف کی جاتی ہے اور ان نعمتوں میں سے ایک ایمان بھی ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ ایمان بھی دیگر نعمتوں کی طرح اللہ تعالیٰ کا فعل اور اسی کی مخلوق ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ''رَبِّ الْعَالَمِينَ'' میں اس کی دلیل موجود ہے۔ جب اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کو پالنے والا ہے تو سارے جہاں اس کی مخلوق ہیں۔ انہی میں سے ایمان بھی ہے۔ اس سے فرقہ قدریہ کی بھی تردید ہو جاتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ایمان انسان کا اپنا پیدا کیا ہوا ہے۔

الرحمٰن الرحیم کا ماقبل کے ساتھ ربط

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالی نے اپنی صفت ''رب العلمین'' ذکر فرمانے کے بعد ''الرحمن الرحیم'' کا ذکر اس لئے فرمایا کہ ''رب العلمین'' میں ملکیت و ربوبیت کا ذکر سن کر ایک طرح کا خوف پیدا ہوتا ہے جبکہ ''الرحمن الرحیم'' میں اس خوف کو کم کرنے اور رغبت دلانے کا پہلو نمایاں ہے، یہاں ان دونوں صفات کو یکجا فرما دیا تاکہ اطاعت کا شوق پیدا کرنے اور نافرمانی سے بچنے میں بہترین معاون ثابت ہو۔ یہی اسلوب درج ذیل ارشادات باری تعالی میں بھی اختیار کیا گیا:

نَبِّئْ عِبَادِيْ أَنِّيْ أَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ وَ أَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيْمُ.

(السجدة: ۴۹، ۵۰)

ترجمہ: میرے بندوں کو خبر کر دیجئے کہ میں یقیناً بڑا مغفرت والا ہوں، بڑا رحمت والا ہوں، اور یہ کہ میرا عذاب بھی بڑا دردناک عذاب ہے۔

اور ارشاد فرمایا:

غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِی الطَّوْلِ. (المؤمن: ۳)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ گناہ معاف کرنے والا ہے، توبہ قبول کرنے والا ہے، سخت سزا دینے والا ہے، اور بڑی طاقت والا ہے۔

قوله تعالى: الرحمن الرحيم وصف نفسه تعالى بعد رب العالمين، بأنه الرحمن الرحيم، لأنه لما كان في اتصافه برب العالمين ترهيب قرنه بالرحمن الرحيم، لما تضمن من الترغيب، ليجمع في صفاته بين الرهبة منه والرغبة إليه، فيكون أعون على طاعته و أمنع، كما قال: نبئ عبادى أني أنا الغفور الرحيم وأن عذابي هو العذاب الأليم. وقال: غافر الذنب وقابل التوب شديد العقاب ذي الطول. ❶

قال القرطبي انما وصف نفسه بالرحمن الرحيم بعد قوله رب العالمين ليكون باب الترغيب بعد الترهيب. ❷

سترہویں بحث: پچیس (۲۵) آیات جن میں حمد اور ربوبیت کو اکٹھا ذکر کیا گیا ہے

وہ آیات جن میں حمد اور ربوبیت کو اکٹھا ذکر کیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ قرآن کریم میں حمد اور ربوبیت کی اس مناسبت کا خصوصیت سے لحاظ رکھا گیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تقریباً چھ (٦) مقامات پر حکم ہوا ہے۔

ا ..... فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ. (الحجر: ۹۸)

ترجمہ: تم اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے رہو، اور سجدہ بجالانے والوں میں شامل رہو۔

---

❶تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ا ص ۱۸۴

❷تفسير ابن كثير: سورة الفاتحة، ج ا ص ۱۲۵

۲.....فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ کَانَ تَوَّابًا (النصر: ۳)

ترجمہ: تو اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو اور اس سے مغفرت مانگو۔ یقین جانو وہ بہت معاف کرنے والا ہے۔

۳..... فَاصْبِرْ عَلَى مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا وَمِنْ آنَاءِ اللَّيْلِ فَسَبِّحْ وَأَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّکَ تَرْضَى (طه: ۱۳۰)

ترجمہ: (اے پیغمبر!) یہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں تم ان پر صبر کرو، اور سورج نکلنے سے پہلے اور اسے کے غروب ہونے سے پہلے اپنے رب کی تسبیح اور حمد کرتے رہو، اور رات کے اوقات میں بھی تسبیح کرو، اور دن کے کناروں میں بھی تاکہ تم خوش ہو جاؤ۔

۴.....فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِکَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ (غافر: ۵۵)

ترجمہ: (اے پیغمبر!) صبر سے کام لو، یقین رکھو کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور اپنے قصور پر استغفار کرتے رہو، اور صبح و شام اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے رہو۔

۵.....فَاصْبِرْ عَلَى مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ (ق: ۳۹)

ترجمہ: (اے پیغمبر!) جو کچھ یہ لوگ کہہ رہے ہیں تم اس پر صبر کرو اور اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے رہو، سورج نکلنے سے پہلے بھی اور سورج ڈوبنے سے پہلے بھی۔

۶.....وَاصْبِرْ لِحُکْمِ رَبِّکَ فَإِنَّکَ بِأَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ حِينَ تَقُومُ (الطور: ۴۸)

ترجمہ: اور تم اپنے پروردگار کے حکم پر جمے رہو، کیونکہ تم ہماری نگاہوں میں ہو اور

جب تم اٹھتے ہو اس وقت اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کیا کرو۔

تین مقامات پر فرشتوں کے متعلق ذکر کیا کہ وہ بھی اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں:

۷.....وَتَرَى الْمَلَائِكَةَ حَافِّينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (زمر: ۷۵)

ترجمہ: اور تم فرشتوں کو دیکھو گے کہ عرش کے گرد حلقہ بنائے ہوئے اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کر رہے ہوں گے، اور لوگوں کے درمیان برحق فیصلہ کر دیا جائے گا، اور کہنے والے کہیں گے کہ تمام تر تعریف اللہ کی ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

۸.....الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَحْمَةً وَعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِينَ تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ (المومن: ۷)

ترجمہ: وہ (فرشتے) جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں، اور جو اس کے گرد موجود ہیں وہ سب اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے رہتے ہیں، اور اس پر ایمان رکھتے ہیں، اور جو لوگ ایمان لے آئے ہیں ان کے لئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! تیری رحمت اور علم ہر چیز پر حاوی ہے، اس لئے جن لوگوں نے توبہ کر لی ہے اور تیرے راستے پر چل پڑے ہیں ان کی بخشش فرما دے اور انہیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔

۹.....تَكَادُ السَّمَاوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلَائِكَةُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ (الشوری: ۵)

ترجمہ: ایسا لگتا ہے کہ آسمان اوپر سے پھٹ پڑیں گے اور فرشتے اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کر رہے ہیں۔

۱۰.....تہجد گزار عابدوں کے متعلق فرمایا:

إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِهَا خَرُّوا سُجَّدًا وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ (السجدة: ۱۵)

ترجمہ: ہماری آیتوں کے ذریعے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے ہیں اور تکبر نہیں کرتے۔

۱۱.....خود اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت کے بارے میں فرمایا:

فَلِلَّهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمَاوَاتِ وَرَبِّ الْأَرْضِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (الجاثية: ۳۶)

ترجمہ: غرض تعریف تمام تر اس کی ہے جو سارے آسمانوں کا بھی مالک ہے، زمین کا بھی مالک، اور تمام جہانوں کا بھی مالک۔

قرآن کریم میں بہت سے مقامات پر اللہ تعالیٰ نے ربوبیت اور رحمت کو اکٹھا ذکر فرمایا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ قرآن کریم میں ربوبیت اور رحمت کی مناسبت و ربط کو خصوصی طور پر ملحوظ رکھا گیا ہے کہ سارا سلسلہ تربیت محض رحمت کے تقاضے سے ہے کسی کے سابقہ استحقاق یا اس سے آئندہ کی توقع کی نظر سے نہیں۔ چنانچہ ہم چند مقامات یہاں نقل کرتے ہیں۔

۱۲.....حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ کی قبولیت کے متعلق فرمایا:

فَتَلَقَّى آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ. (البقرة: ۳۷)

ترجمہ: پھر آدم نے اپنے پروردگار سے (توبہ کے) کچھ الفاظ سیکھ لئے (جن کے ذریعے انہوں نے توبہ مانگی) چنانچہ اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی، بے شک وہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ. (الأعراف: ۲۳)

ترجمہ: دونوں بول اٹھے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم اپنی جانوں پر ظلم کرگزرے ہیں اوراگرآپ نے ہمیں معاف نہ فرمایا، اور ہم پر رحم نہ کیا تو یقیناً ہم نامرادلوگوں میں شامل ہوجائیں گے۔

۱۳.....حضرت نوح علیہ السلام کی دعا یوں ذکر کی:

قَالَ رَبِّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ وَإِلَّا تَغْفِرْ لِي وَتَرْحَمْنِي أَكُنْ مِنَ الْخَاسِرِينَ (هود: ۴۷)

ترجمہ: نوح نے کہا: میرے پروردگار! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ آئندہ آپ سے وہ چیز مانگوں جس کا مجھے علم نہیں، اور اگر آپ نے میری مغفرت نہ فرمائی اور مجھ پر رحم نہ کیا تو میں بھی ان لوگوں میں شامل ہوجاؤں گا جو برباد ہوگئے ہیں۔

۱۴.....حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کی دعا یوں بیان فرمائی:

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ (البقرة: ۱۲۸)

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار! ہم دونوں کو اپنا مکمل فرماں بردار بنالے اور ہماری نسل سے بھی ایسی اُمت پیدا کر جو تیری پوری تابع دار ہو۔ اور ہم کو ہماری عبادتوں کے طریقے سکھا دے اور ہماری توبہ قبول فرمالے، بے شک تو اور صرف تو ہی معاف کردینے کا خوگر (اور) بڑی رحمت کا مالک ہے۔

۱۵.....حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کے لئے دعا کرنے کا وعدہ کیا:

قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (يوسف: ۹۸)

یعقوب نے کہا: میں عنقریب اپنے پروردگار سے تمہاری بخشش کی دعا کروں گا، بے شک وہی ہے جو بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔

۱۶......حضرت یوسف علیہ السلام نے اظہار تواضع وانکساری کے طور پر فرمایا:

وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ (یوسف: ۵۳)

ترجمہ: اور میں دعوی نہیں کرتا کہ میرا نفس بالکل پاک صاف ہے، واقعہ یہ ہے کہ نفس تو برائی کی تلقین کرتا ہی رہتا ہے، ہاں میرا رب رحم فرما دے تو بات اور ہے (کہ اس صورت میں نفس کا کوئی داؤ نہیں چلتا) بے شک میرا رب بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔

۱۷.... حضرت خضر علیہ السلام نے یتیم بچوں کی دیوار جب درست کردی تو حقیقت بتائی:

وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي ذٰلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا (الكهف: ۸۲)

ترجمہ: رہی یہ دیوار تو وہ اس شہر میں رہنے والے دو یتیم لڑکوں کی تھی، اور اس کے پیچھے ان کا ایک خزانہ گڑھا ہوا تھا، اور ان دونوں کا باپ ایک نیک آدمی تھا، اس لئے آپ کے پروردگار نے چاہا کہ یہ دونوں لڑکے اپنی جوانی کی عمر کو پہنچیں اور اپنا خزانہ نکال لیں، یہ سب کچھ آپ کے رب کی رحمت کی بنا پر ہوا ہے، اور میں نے کوئی کام اپنی رائے سے نہیں کیا۔ یہ تھا مقصد ان باتوں کا جن پر آپ سے صبر نہیں ہوسکا۔

۱۸..... بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کی وجہ سے ان پر زوال وارد کرنے کے سلسلے میں فرمایا:

وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَسُومُهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَحِيمٌ (الأعراف: ۱۶۷)

ترجمہ: اور (یاد کرو وہ وقت) جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ وہ ان پر قیامت کے دن تک کوئی نہ کوئی ایسا شخص مسلط کرتا رہے گا جو ان کو بری بری تکلیفیں پہنچائے گا۔ بے شک تمہارا رب جلد ہی سزا دینے والا بھی ہے اور یقیناً وہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان بھی ہے۔

۱۹.....حضرت ذوالقرنین نے یاجوج ماجوج کی روک تھام کے لئے جو دیوار بنائی تو اللہ کا تعالیٰ شکر کر کے فرمایا:

قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّىْ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّىْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّىْ حَقًّا (الکھف: ۹۸)

ترجمہ: ذُوالقرنین نے کہا: یہ میرے رب کی رحمت ہے (کہ اس نے ایسی دیوار بنانے کی توفیق دی) پھر میرے رب نے جس وقت کا وعدہ کیا ہے، جب وہ وقت آئے گا تو وہ اس (دیوار) کو ڈھا کر زمین کے برابر کر دے گا، اور میرے رب کا وعدہ بالکل سچا ہے۔

۲۰.....حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم سے فرماتے ہیں:

وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْآ اِلَيْهِ اِنَّ رَبِّىْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ (ھود: ۹۰)

ترجمہ: تم اپنے رب سے معافی مانگو پھر اس کی طرف رجوع کرو، یقین رکھو کہ میرا رب بڑا مہربان، بہت محبت کرنے والا ہے۔

۲۱.....حضرت زکریا علیہ السلام کو ان کے بڑھاپے میں اولاد بخشنے کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا:

ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا (مریم: ۲)

یہ تذکرہ ہے اس رحمت کا جو تمہارے پروردگار نے اپنے بندے زکریا پر کی تھی۔

۲۲...اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کے فائدے کے لئے دیگر حیوانات کو پیدا کر کے احسان جتلایا:

وَتَحۡمِلُ أَثۡقَالَكُمۡ إِلَى بَلَدٍ لَّمۡ تَكُونُوا بَالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الۡأَنفُسِ إِنَّ رَبَّكُمۡ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ (النحل: ۷)

ترجمہ: اور یہ تمہارے بوجھ لاد کر ایسے شہر تک لے جاتے ہیں جہاں تم جان مشقت میں ڈالے بغیر نہیں پہنچ سکتے تھے، حقیقت یہ ہے کہ پروردگار بہت شفیق، بڑا مہربان ہے۔

۲۳..... کشتی دریا میں اور جہاز سمندر میں محض خدا کی رحمت سے چلتے ہے:

رَبُّكُمُ الَّذِي يُزۡجِي لَكُمُ الۡفُلۡكَ فِي الۡبَحۡرِ لِتَبۡتَغُوا مِن فَضۡلِهِ إِنَّهُ كَانَ بِكُمۡ رَحِيمًا (الإسراء: ٦٦)

ترجمہ: تمہارا پروردگار وہ ہے جو تمہارے لئے سمندر میں کشتیاں چلاتا ہے تا کہ تم اس کا فضل تلاش کرو، یقیناً وہ تمہارے ساتھ بڑی رحمت کا معاملہ کرنے والا ہے۔

۲۴..... اللہ تعالیٰ گناہگاروں کی گرفت میں محض بتقاضائے ربوبیت اور رحمت جلدی نہیں کرتے:

وَرَبُّكَ الۡغَفُورُ ذُو الرَّحۡمَةِ لَوۡ يُؤَاخِذُهُم بِمَا كَسَبُوا لَعَجَّلَ لَهُمُ الۡعَذَابَ بَل لَّهُم مَّوۡعِدٌ لَّن يَجِدُوا مِن دُونِهِ مَوۡئِلًا (الكهف: ۵۸)

ترجمہ: اور تمہارا پروردگار بہت بخشنے والا، بڑا رحمت والا ہے، جو کمائی انہوں نے کی ہے، اگر وہ اس کی وجہ سے انہیں پکڑنے پر آتا تو ان کو جلد ہی عذاب دے دیتا، لیکن ان کے لئے ایک وقت مقرر ہے، جس سے بچنے کے لئے انہیں کوئی پناہ گاہ نہیں ملے گی۔

جنتیوں کو جنت میں تحفہ ملے گا:

سَلَامٌ قَوۡلًا مِّن رَّبٍّ رَّحِيمٍ (یس: ۵۸)

ترجمہ: رحمت والے پروردگار کی طرف سے انہیں سلام کہا جائے گا۔

۲۵..... ان امور کی جامع ایک ہی آیت کافی ہے جس میں ربوبیت اور رحمت کو جمع

کیا ہے اوراس میں یہ ظاہر کیا ہے کہ میری رحمت بھی میرے اپنے وعدے کی وجہ سے ہے نہ کہ کسی اور سبب سے ہے۔ چنانچہ فرمایا:

كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ أَنَّهُ مَنْ عَمِلَ مِنكُمْ سُوءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَصْلَحَ فَأَنَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (الأنعام: ۵۴)

ترجمہ: تمہارے پروردگار نے اپنے اوپر یہ رحمت کا معاملہ کرنا لازم کرلیا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی نادانی سے کوئی برا کام کر بیٹھے، پھر اس کے بعد توبہ کر لے اور اپنی اصلاح کر لے تو اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔

اٹھارہویں بحث: ”الرحمٰن الرحیم“ کو مکرر کیوں ذکر کیا؟

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ ”الرحمن الرحیم“ کو پہلے تسمیہ میں پھر سورہ فاتحہ میں دوبارہ ذکر کرنے کی حکمت یہ ہے کہ اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میری رحمت کی کثرت تمام امور سے بڑھ کر ہے، تو تکرار کے ساتھ وسعتِ رحمت کو بیان کیا، تو گویا میں الہ اور رب ایک مرتبہ ہوں اور رحمٰن ورحیم دو مرتبہ ہوں، تاکہ معلوم ہو جائے کہ میری رحمت کی وسعت تمام امور سے بڑھ کر ہے، لیکن یہ بھی فرما دیا کہ میری کثرتِ رحمت کو دیکھ کر دھوکہ میں نہ پڑھ جانا میں روز جزاء کا مالک بھی ہوں:

فإن قيل: إنه تعالى ذكر الرحمن الرحيم في التسمية مرة واحدة، وفي السورة مرة ثانية فالتكرير فيهما حاصل وغير حاصل في الأسماء الثلاثة فما الحكمة؟ قلنا: التقدير كأنه قيل: أذكر أني إله ورب مرة واحدة، وأذكر أني رحمن رحيم مرتين لتعلم أن العناية بالرحمة أكثر منها بسائر الأمور، ثم لما بين الرحمة المضاعفة فكأنه قال: لا تغتروا بذلک فإني مالک يوم الدين. [1]

---

[1] التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ۱ ص ۲۰۸

فإن قيل: إنه تعالى ذكر الرحمن الرحيم في التسمية ثم ذكرهما مرّة ثانية دون الأسماء الثلاثة الباقية، فما الحكمة في ذلك؟ أجيب: بأن الحكمة في ذلك كأنه قال تعالى: اذكر أني إله ورب مرّة واحدة واذكر أني رحمن رحيم مرّتين ليعلم أنّ العناية بالرحمة أكثر منه بسائر الأمور. ❶

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی رحمہ اللہ (متوفی ۷۱۰ھ) فرماتے ہیں:

وهو دليل على أن التسمية ليست من الفاتحة إذ لو كانت منها لما أعادهما لخلو الإعادة عن الإفادة. ❷

ترجمہ: ''**الرحمن الرحيم**'' کومکرر لانا دلیل ہے کہ تسمیہ سورہ فاتحہ کا جز نہیں، اس لئے کہ اگر تسمیہ سورۂ فاتحہ کا جز ہوتا تو ان کا اعادہ نہ ہوتا اس لئے کہ یہ اعادہ افادے سے خالی ہے۔

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) فرماتے ہیں:

فيه دليل على أن البسملة ليست من الفاتحة كيلا يلزم التكرار. ❸

ترجمہ: ''**الرحمن الرحيم**'' کومکرر لانے سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ تسمیہ سورہ فاتحہ کا جز نہیں ہے تا کہ تکرار لازم نہ آئے۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں:

واستدل بعض ساداتنا بتكرارهما على أن البسملة ليست آية من الفاتحة وليس بالقوي لأن التكرار لفائدة فذكرهما في البسملة تعليل للإبتداء بإسمه عز شأنه وذكرهما هنا تعليل لإستحقاقه تعالى الحمد. ❹

❶السراج المنير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۹

❷مدارك التنزيل: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۰

❸التفسير المظهري: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۶

❹روح المعاني: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۱۰

"الرحمن الرحیم" کے تکرار سے ہمارے بعض اکابر حنفیہ کا استدلال کرنا کہ تسمیہ سورہ فاتحہ کا جز نہیں ہے یہ استدلال قوی نہیں ہے، بلکہ ان صفات کا تکرار خاص فائدے کی وجہ سے ہے "الرحمن الرحیم" کو تسمیہ میں اس لئے ذکر کیا تا کہ کلام کی ابتداء اللہ تعالیٰ کے عظیم الشان نام اور صفات کے ساتھ ہو، اور سورہ فاتحہ میں اس لئے ذکر کیا کہ یہ علت ہیں استحقاقِ حمد اور اختصاصِ حمد کے لئے۔

انیسویں بحث: امام رازی رحمہ اللہ نے "الرحمٰن الرحیم" کی تفسیر میں متعدد واقعات نقل کئے ہیں

حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ کا واقعہ

حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں گھر میں تھا اچانک میرے دل میں خیال آیا، میں گھر سے نکلا اور دریائے نیل کے کنارے پہنچا۔ یکا یک میں نے ایک موٹا تازہ بچھو دیکھا جو ساحل کی طرف جارہا تھا، جب وہ کنارے پر پہنچا تو پانی میں سے ایک مینڈک نکلا اور سطح پر تیرنے لگا، بچھو نے جب اسے دیکھا تو کود کر اس کی پشت پر سوار ہو گیا، مینڈک اسے ایک کنارے سے دوسرے کنارے کی طرف لے چلا۔ حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں کشتی میں سوار ہوا، اور ان کے پیچھے پیچھے چلتا رہا، یہاں تک کہ وہ دریا کے اس پار پہنچ گئے، یہاں پہنچ کر بچھو مینڈک کی پیٹھ سے اترا اور خشکی پر چڑھ گیا، میں بھی دریا سے نکل کر اس کے پیچھے ہولیا، یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ ایک گھنے درخت کی چھاؤں میں ایک نوخیز لڑکا گہری نیند سو رہا ہے، میں نے دل میں کہا کہ بچھو دوسری جانب سے اس نوجوان کو کاٹنے آیا ہے، ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک مجھے ایک زہریلا سانپ دکھائی دیا جو اس سوئے ہوئے لڑکے کی طرف بڑھ رہا تھا، لیکن ابھی وہ لڑکے کے

پاس پہنچا ہی تھا کہ بچھو آگے بڑھا اور سانپ کے سر سے چمٹ گیا یہاں تک کہ تھوڑی ہی دیر میں سانپ کو مارا اور خود بھی مر گیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس نوجوان کو ان سے بچایا:

وروی ذي النون أنه قال: كنت في البيت إذ وقعت ولولة في قلبي، وصرت بحيث ما ملكت نفسي، فخرجت من البيت وانتهيت إلى شط النيل، فرأيت عقربا قويا يعدو فتبعته فوصل إلى طرف النيل فرأيت ضفدعا واقفا على طرف الوادى، فوثب العقرب على ظهر الضفدع وأخذ الضفدع يسبح ويذهب، فركبت السفينة وتبعته فوصل الضفدع إلى الطرف الآخر من النيل، ونزل العقرب من ظهره، وأخذ يعدو فتبعته، فرأيت شابا نائما تحت شجرة، ورأيت أفعى يقصده فلما قربت الأفعى من ذلک الشاب وصل العقرب إلى الأفعى فوثب العقرب على الأفعى فلدغه، والأفعى أيضاً لدغ العقرب، فماتا معا، وسلم ذلک الإنسان منهما. ❶

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ کا واقعہ

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں ایک شخص کے ہاں مہمان ٹھہرا جب کھانے کا وقت آیا تو دسترخوان لگایا گیا، کیا دیکھا کہ اچانک ایک کوا آیا اور ایک روٹی اپنی چونچ میں اٹھا کر لے اڑا، یہ منظر دیکھ کر میں اس کے پیچھے چلنے لگا آخر یہ کیا ماجرا ہے، تو دیکھا وہ کوا ایک جگہ اترا جہاں ایک شخص جس کے دونوں ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، زندگی سے مجبور ہو کر بے حس پڑا ہوا ہے، تو کوے نے روٹی کو اس کے چہرے پر ڈال دیا، تو وہ شخص روٹی کھانے لگا۔ اس واقعہ سے اللہ کی بے انتہاء قدرت اور وسعت رحمت کا اندازہ ہوتا ہے:

حكى عن إبراهيم بن أدهم أنه قال كنت ضيفا لبعض القوم فقدم

---

❶ التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ١ ص ٢٠١

المائدة، فنزل غراب وسلب رغيفا، فاتبعته تعجبا، فنزل في بعض التلال، وإذا هو برجل مقيد مشدود اليدين فألقى الغراب ذلک الرغيف على وجهه❶.

کوے کی نشو ونما کے ابتدائی مراحل

جب کوے کا بچہ انڈے کے چھلکے سے باہر آتا ہے تو اس کے جسم پر کوئی پر نہیں ہوتا، پس اس وقت وہ گوشت کے سرخ لوتھڑے کی مانند ہوتا ہے، پس اس وقت اس بچے کی ماں اس کے قریب نہیں آتی اور نہ ہی اس کی تربیت کرتی ہے۔ اب حشرات الارض، کیڑے مکوڑے، مچھر وغیرہ اس کے اردگرد جمع ہوجاتے ہیں کہ یہ مردہ گوشت کا ٹکڑا ہے جیسے ہی قریب آتے ہیں تو کوے کا یہ بچہ ان کو اپنی غذا بنالیتا ہے۔ کئی دنوں تک اس کی یہی حالت رہتی ہے یہاں تک کہ اس کے جسم پر پر آجاتے ہیں اور پروں کی بدولت اس کے جسم کا گوشت چھپ جاتا ہے، تو اب اس کی ماں لوٹ کر آتی ہے اس وجہ سے عرب کے لوگ یہ الفاظ کہتے ہیں "يا رزاق النعاب في عشه"

ويحكى أن ولد الغراب لما يخرج من قشر البيضة يخرج من غير ريش فيكون كأنه قطعة لحم أحمر، والغراب يفر منه ولا يقوم بتربيته، ثم أن البعوض يجتمع عليه لأنه يشبه قطعة لحم ميت، فإذا وصلت البعوض إليه التقم تلک البعوض واغتذى بها، ولا يزال على هذه الحال إلى أن يقوى وينبت ريشه ويخفى لحمه تحت ريشه، فعند ذلک تعود أمه إليه، ولهذا السبب جاء في أدعية العرب: يا رازق النعاب في عشه.❷

---

❶التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ا ص ۲۰۱

❷التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ا ص ۲۰۱

بیسویں بحث: مَالِک اور مَلِک میں فرق

مالک کہتے ہیں جو اعیان مملوکہ میں اپنی مرضی سے تصرف کرے اور یہ ماخوذ ہے مِلک بکسر المیم سے، اور ملک کہتے ہیں جو مامورین میں امر اور نہی کے ذریعے تصرف کرے اور یہ ماخوذ ہے مُلک بضم المیم سے:

المالک: هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف يشاء من الملک.

والملک: هو المتصرف بالأمر والنهی فی المأمورين من الملک. ❶

امام بغوی رحمہ اللہ (متوفی ۵۱۶ھ) فرماتے ہیں:

المالک والملک هو القادر على اختراع الأعيان من العدم إلى الوجود ولا يقدر عليه أحد غير الله. ❷

ملک وہ قادر ذات ہے جو اعیان کو عدم سے وجود بخشے اور اس پر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی قادر نہیں ہے۔

مَالِک اور مَلِک دونوں قراءتیں صحیح اور متواتر ہیں

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

قرأ بعض القراء: مَلِک يَوْمِ الدِّينِ وقرأ آخرون: مَالِكِ. وكلاهما صحيح متواتر فی السبع. ❸

ترجمہ: بعض قراء ''مَلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ'' پڑھتے ہیں اور بعض ''مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ'' پڑھتے ہیں یہ دونوں قراءتیں صحیح ہیں اور قراءات سبع میں متواتر ہیں۔

---

❶ التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۳

❷ معالم التنزيل: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۷۴

❸ تفسير ابن كثير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۲۵

والمتواتر منها قراءة مالک وملک.❶

علامہ زمخشری اور قاضی بیضاوی رحمہما اللہ کے نزدیک راجح قراءت

علامہ جاراللہ زمخشری رحمہ اللہ (متوفی ۵۳۸ھ) فرماتے ہیں:

ومنهم من قرأ: مالک بالرفع. وملک: هو الاختيار، لأنه قراءة أهل الحرمين، ولقوله: لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ولقوله: مَلِكِ النَّاسِ.❷

ترجمہ: بعض قراء ''مَالِک'' اور بعض قراء ''مَلِک'' پڑھتے ہیں اور یہ دوسری قراءت پسندیدہ ہے، اس لئے کہ اہلِ حرمین کی یہی قراءت ہے، نیز اس لئے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے ''لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ'' اور ''مَلِكِ النَّاسِ''

(ان دونوں آیات میں اللہ تعالی نے اپنے آپ کو یوم جزاء میں صفت ملک کے ساتھ متصف کیا ہے، لہذا ''مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ'' کے اندر بھی ایسی قراءت اختیار کی جائے جس کی وجہ سے ذات باری صفت مُلک کے ساتھ متصف ہو جائے، تا کہ دونوں آیتوں میں تناسب معنوی ہو جائے اور یہ اس وقت ہوسکتا ہے جبکہ ''مَلِک'' پڑھا جائے کیونکہ ''مَلِک'' ''مُلْک'' ہی سے مشتق ہوسکتا ہے ''مِلْک'' سے نہیں، لہذا معلوم ہوا کہ راجح قراءت ''مَلِک'' ہے، ''مالک'' نہیں)۔

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں:

وقرأ الباقون: مَلِكِ وهو المختار لأنه قراءة أهل الحرمين ولقوله تعالى: لمَنِ الملک اليوم ولما فيه من التعظيم.❸

---

❶روح المعاني: سورة الفاتحة، ج ١ ص ١١٢

❷الكشاف: سورة الفاتحة، ج ١ ص ۵۴

❸التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج ١ ص ۳۳

ترجمہ: باقی قراء نے ''مَـلِک'' پڑھا ہے اور یہی پسندیدہ ہے کیونکہ اہل حرمین کی یہی قراءت ہے، نیز اس لئے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے ''لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ'' اور اس لئے بھی کہ اس میں زیادہ تعظیم ہے۔

اکثر صحابہ اور تابعین کے ہاں ''مَالِک'' والی قراءت راجح ہے

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں:

مالک يوم الدين قرأ مالك كفاعل مخفوضا عاصم والكسائي وقراءة كثير من الصحابة منهم أبي وإبن مسعود ومعاذ وإبن عباس والتابعين منهم قتادة والأعمش. ❶

ترجمہ: ''مَالِک'' بروزن ''فاعل'' مجرور ہے، یہ امام عاصم اور امام کسائی رحمہما اللہ کی قراءت ہے، اور یہ اکثر صحابہ کی قراءت ہے، صحابہ میں حضرت ابی بن کعب، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت معاذ بن جبل اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم (اور یہ اکثر) تابعین کی قراءت ہے جن میں امام قتادہ اور امام اعمش رحمہما اللہ بھی ہیں۔

امام کسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں ''مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ'' والی قراءت پڑھتا ہوں، اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے بے انتہا فضل وکرم اور وسعت رحمت پر دلالت کرتی ہے:

قال الكسائي: أقرأ مالك يوم الدين لأن هذه القراءة هي الدالة على الفضل الكثير والرحمة الواسعة. ❷

---

❶ روح المعاني: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۱۱

❷ التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ۱ ص ۲۰۷

اکیسویں بحث: مالک والی قراءت راجح ہونے کی دس عمدہ وجوہات

شیخ التفسیر والحدیث مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۴ھ) نے مالک والی قراءت راجح ہونے کی دس (۱۰) وجوہات نقل کی ہیں۔

۱..... بادشاہت انسانوں کے ساتھ مخصوص ہے اور مالکیت انسان اور غیر انسان سب کو شامل ہے۔

۲.....مالک اپنے مملوک کو فروخت کرسکتا ہے بادشاہ اپنی رعایا کو فروخت نہیں کرسکتا۔

۳.....رعیت بادشاہ کی ملک اور سلطنت سے بھاگ کر نکل سکتی ہے اور مملوک بھاگ کر مالک کی ملکیت سے نہیں نکل سکتا۔

۴.....غلام پر مولا کی خدمت واجب ہے، رعایا پر بادشاہ کی خدمت واجب نہیں۔

۵.....غلام بغیر آقا کی اجازت اور اذن کے کوئی تصرف نہیں کرسکتا اور رعیت بغیر بادشاہ کی اجازت کے کام کرسکتی ہے۔

۶.....غلام کو آقا سے توقع رحم وکرم کی ہوتی ہے اور رعیت کو بادشاہ سے عدل اور انصاف کی امید ہوتی ہے اور بندہ رحم وکرم کا زیادہ محتاج ہے۔

۷..... بادشاہت میں ہیبت زیادہ ہے اور مالکیت میں شفقت اور عنایت زیادہ ہے۔

۸..... بادشاہ کے سامنے جب لشکر پیش ہوتا ہے تو ضعیفوں اور کمزوروں اور بیماروں کو نظر انداز کردیتا ہے اور مالک ضعیف اور کمزور غلاموں پر مزید توجہ کرتا ہے۔

۹..... مالک کو مملوک سے تعلق زیادہ ہوتا ہے بادشاہ کو رعایا سے اتنی محبت اور تعلق نہیں جتنا کہ آقا کو غلام سے ہوتا ہے۔

۱۰.....مالک میں ملک سے ایک حرف زائد ہے اور ایک حرف کی زیادتی سے دس نیکیاں ملتی ہیں۔❶

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ٦٠٦ھ) نے مذکورہ بالا وجوہات میں سے چھ (٦) وجہیں نقل کی ہیں، دیکھئے تفصیلاً:❷

سوال: لفظ اللہ بہ سبب **عَلَم** ہونے کے معرفہ ہے جو کہ موصوف ہے، مگر "**مالک یوم الدین**" اضافتِ لفظی ہونے کی وجہ سے نکرہ ہے جو کہ صفت ہے دونوں میں عدمِ مطابقت ہے، حالانکہ موصوف صفت کے لئے مطابقت ضروری ہے؟

پہلا جواب: اضافت کی دو قسمیں ہیں ۱۔اضافتِ لفظی ۲۔اضافتِ معنوی

۱......اضافتِ لفظی

اضافت لفظی کہتے ہیں صیغہ صفت کا اپنے معمول کی طرف مضاف ہونا۔ اضافتِ لفظی صرف مفید تخفیف ہوتی ہے، یعنی مضاف الیہ سے تنوین ہٹ کر ضمہ آجاتا ہے، لیکن تعریف وتنکیر کے اعتبار سے جس طرح مضاف پہلے نکرہ تھا اسی طرح اضافت کے بعد بھی نکرہ رہتا ہے۔

۲......اضافتِ معنوی

اضافتِ معنوی کہتے ہیں صیغہ صفت کا غیر معمول کی طرف مضاف ہونا۔ اضافتِ معنوی میں اگر مضاف الیہ معرفہ ہوتو اضافت مفید تعریف ہوگی اور اگر مضاف الیہ نکرہ ہوتو اضافت مفید تخصیص ہوگی۔

یہاں اضافت لفظی نہیں کیونکہ اضافتِ لفظی میں صیغہ صفت اپنے معمول کی طرف

---

❶ معارف القرآن کاندھلوی: سورہ فاتحہ، ج۱ص ۱۸

❷ التفسیر الکبیر: سورة الفاتحة، الفصل الرابع، ج ۱ ص ۲۰۴، ۲۰۵

مضاف ہوتا ہے، جبکہ یہاں "مالک"، کا جو مفعولِ حقیقی تھا یعنی "أمور"، اس کو حذف کر دیا گیا ہے، اور لفظِ یوم جو ظرف ہے اس کو توسعاً مفعول بہ کے قائم مقام مان کر مالک کو اس کی طرف مضاف کر دیا گیا ہے۔ ورنہ اصل عبارت: "مالک الأمور یوم الدین" تھی، تو یہاں "إضافة الصفة إلی المعمول" نہیں، اب یہ اضافتِ معنوی ہے۔ اور اضافتِ معنوی مفید تعریف ہوتی ہے، لہٰذا اس کا صفت بننا درست ہے۔

دوسرا جواب: "مالک" صیغہ اسم فاعل ہے، اور اسم فاعل کے عمل کرنے کی شرط یہ ہے کہ وہ حال یا استقبال کے معنی میں ہو اور یہاں "مالک"، ماضی کے معنی میں ہے، یا دوام واستمرار کے معنی میں ہے۔ اگر ماضی کے معنی میں ہو تو ترجمہ ہوگا "ملک الأمور یوم الدین" کیونکہ "ملک "کا یوم جزاء کے اندر واقع ہونا کالمتحقق ہے اسی وجہ سے اس کو بمنزلہ متحقق مان کر صیغہ اسم فاعل کو جو معنی میں مستقبل کے تھا بمنزلہ ماضی کے لیا تاکہ تحقق پر دلالت کرے، جیسے "وَنَادَى أَصْحَابُ الْجَنَّةِ"۔ اگر دوام واستمرار کے معنی میں ہو تو ترجمہ ہوگا "للّٰه الملک فی یوم الجزاء علی وجه الاستمرار" بہرصورت چاہے ماضی کے معنی میں لیں یا استمرار کے معنی میں لیں صیغہ صفت کے عمل کرنے کی شرط نہیں پائی گئی، وہ یہ ہے کہ حال یا استقبال کے معنی میں ہو۔ جب شرط نہیں پائی گئی تو "إضافة الصفة إلی المعمول" نہیں پائی گئی، بلکہ "إضافة الصفة إلی غیر المعمول"، ہوئی، اب یہ اضافتِ معنوی ہے اور اضافتِ معنوی مفید تعریف ہوتی ہے، لہذا اس کا صفت واقع کرنا درست ہے۔

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں کہ اسم فاعل (یعنی لفظ مالک) کو ظرف (یوم) کی طرف مضاف کر دیا، ظرف کو علی سبیل التوسع مفعول بہ کے قائم مقام بنانے کی وجہ سے (اور اس توسیع کی نظیر) عرب کا قول "یا سارق اللیلة أهل

الدار ‘‘(اس مثال میں لفظ’’لیلة‘‘ کو جو کہ ظرف تھا بمنزلہ مالِ مسروق مان کر مفعول بہ کے قائم مقام کردیا گیا، ورنہ اصل عبارت یوں تھی’’یا سارق المال في الليلة ‘‘اے گھر والوں سے رات میں مال کے چرانے والے)اور اضافت کی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالی تمام امور کا یوم جزاء میں مالک ہوگیا، یہ معنی اس انداز پر ہے جس طرح ’’وَنَادَى أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ‘‘وارد ہوا ہے (یعنی آئندہ ہونے والی بات کو بصیغہ ماضی تعبیر کیا گیا)یا معنی یہ ہوں گے کہ پروردگار کے لئے اس دن دائمی بادشاہت ہے (یہ معنی اس لئے بیان کیا گیا)تاکہ مالک کی اضافت معنوی ہوجائے ، جو مالک میں معرفہ کی صفت بننے کی صلاحیت پیدا کردے:

أضاف اسم الفاعل إلى الظرف إجراء له مجرى المفعول به على الاتساع كقولهم: يا سارق الليلة أهل الدار، ومعناه، ملك الأمور يوم الدين على طريقة وَنَادى أصحاب الجنة أوله الملك في هذا اليوم، على وجه الاستمرار لتكون الإضافة حقيقية معدة لوقوعه صفة للمعرفة. ❶

فإن قيل: إضافة اسم الفاعل غير حقيقية فلا تكون معطية معنى التعريف فكيف ساغ وقوعه صفة للمعرفة؟ أجيب: بأنها إنما تكون غير حقيقية إذا أريد باسم الفاعل الحال أو الاستقبال فكان في تقدير الانفصال كقولك: مالك الساعة أو غدا فأما إذا قصد به معنى الاستمرار: أي هو موصوف بذلك دائما فتكون الإضافة حقيقية كغافر الذنب فصح وقوعه صفة للمعرفة. ❷

---

❶التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج ١ ص ٣٣

❷التفسير المنير: سورة الفاتحة، ج ١ ص ١٠

روزِ جزاء کی ضرورت واہمیت

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ٦٠٦ھ) فرماتے ہیں:

واعلم أن من سلط الظالم على المظلوم ثم إنه لا ينتقم منه فذاك إما للعجز أو للجهل أو لكونه راضيا بذلك الظلم، وهذه الصفات الثلاث على الله تعالى محال، فوجب أن ينتقم للمظلومين من الظالمين، ولما لم يحصل هذا الانتقام في دار الدنيا وجب أن يحصل في دار الأخرى بعد دار الدنيا، وذلك هو المراد بقوله: مالک يَوْمِ الدين. [1]

ترجمہ: جب کوئی ظالم ظلم کرتا ہے اور مظلوم اس سے انتقام نہیں لے سکتا، عجز کی وجہ سے یا ناواقف ہونے کی وجہ سے کہ مجھ پر ظلم کس نے کیا؟ یا مظلوم ظالم کے ظلم پر راضی ہے، ان تینوں باتوں کے ساتھ ذات باری تعالیٰ کا متصف ہونا محال ہے، پس ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالم سے انتقام لے، جب دنیا میں ظالم کو اس کے ظلم کی سزا نہیں دی گئی تو ضروری ہے کہ ایک ایسا جہان ہو جہاں ظالم کو اس کے ظلم کی سزا دی جائے، اور مظلوم کی مدد کی جائے پس اسی جہان کو روزِ جزاء کہتے ہیں۔

”مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ“ کی تفسیر قرآنِ کریم سے

”**إن القرآن يفسر بعضه بعضا**“ سورہ انفطار میں اللہ تعالیٰ نے ”مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ“ کی وضاحت فرمائی ہے:

وَمَآ اَدْرٰکَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ثُمَّ مَآ اَدْرٰکَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ یَوْمَ لَا تَمْلِکُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْئًا وَالْاَمْرُ یَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ. (سورة الانفطار: ١٧، ١٨، ١٩)

---

[1] التفسير الكبير: سورة الفاتحه، الفصل الرابع، ج ١ ص ٢٠٤

اور تمھیں کیا پتہ کہ جزا وسزا کا دن کیا چیز ہے؟ ہاں تمھیں کیا پتہ کہ جزا وسزا کا دن کیا چیز ہے؟ یہ وہ دن ہوگا جس میں کسی دوسرے کے لئے کچھ کرنا کسی کے بس میں نہیں ہوگا، اور تمام تر حکم اُس دن اللہ ہی کا چلے گا۔

علامہ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد نسفی رحمہ اللہ (متوفی ۷۱۰ھ) اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِلّٰهِ أي لا أمر إلا للّٰه تعالى وحده فهو القاضي فيه دون غيره. ❶

ترجمہ: اس دن بادشاہت صرف اللہ کی ہوگی، کسی کا کوئی حکم نہیں چلے گا، صرف اللہ کا حکم نافذ ہوگا، پس صرف اللہ ہی اس دن فیصلہ کرنے والا ہوگا کسی اور کے لئے کوئی اختیار نہیں ہوگا۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں:

واللام للاختصاص أي الأمر له تعالى لا لغيره سبحانه لا شركة ولا استقلالًا أي أن التصرف جميعه في قبضة قدرته عز وجل لا غير. ❷

ترجمہ: لفظ ''للّٰہ'' میں لام اختصاص کے لئے ہے، تمام اختیارات صرف اللہ کے ہوں گے کوئی بھی کسی بھی طرح سے اللہ کے ساتھ شریک نہیں ہوگا، یعنی تمام امور میں ہر قسم کے تصرفات اس دن صرف اللہ کے لئے ہوں گے، نہ کہ کسی اور کے لئے۔

علامہ عبدالحق حقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ''نفس''، نکرہ، ''لنفس'' نکرہ، ''شیئا''، نکرہ تینوں نکروں کے عموم نے یہ بات بتا دی کہ اس روز کسی کا بھی کوئی اختیار نہیں ہوگا۔

---

❶ مدارک التنزیل: سورة الفاتحة، ج۳ ص ۶۱۲

❷ روح المعاني: سورة الانفطار، ج ۳۰ ص ۳۸۲

وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ

اس روز اللہ ہی کا اختیار ہوگا۔ ❶

اس آیت میں ''نفس'' نکرہ، ''لنفس'' نکرہ، ''شیئا'' نکرہ یہ تینوں الفاظ نکرہ پھر تحت النفی استعمال ہوا، اور اصول ہے کہ نکرہ تحت النفی عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ نیز ''الأمر'' میں الف لام استغراق کے لئے ہے، اور لفظ ''للّٰہ'' میں لام اختصاص کے لئے ہے۔ اس قدر تاکیدات سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ اس دن کوئی شخص با اختیار نہ کسی کو نفع پہنچا سکے گا نہ نقصان، اس دن بادشاہت صرف اور صرف اللہ رب العزت ہی کی ہوگی۔

''مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ'' کا معنیٰ

امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) نے لفظ ''مالک، قاضی، مُجاز'' تینوں نکرہ تحت النفی کے طور پر استعمال فرمائے، پھر آگے لفظِ غیر کو مطلق ذکر کیا جس سے کوئی مستثنیٰ نہیں، اس بات کی وضاحت کے لئے کہ اُس دن بادشاہت اور ہر قسم کے اختیارات صرف اور صرف ذاتِ باری تعالیٰ کو حاصل ہوں گے، کوئی غیر آپ کے ساتھ کسی بھی طور پر شریک نہیں ہوسکتا:

قال: مالك يوم الدين، أي في ذلك اليوم لا يكون مالك ولا قاض ولا مجاز غيره، سبحانه لا إله إلا هو. ❷

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک ''مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ'' کا معنیٰ یہ ہے کہ آج کے دن کوئی شخص فیصلے کا مالک نہیں ہوگا، جیسے کہ وہ دنیا میں مالک ہوتے ہیں:

عن ابن عباس: مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ يقول: لا يملك أحد في ذلك

---

❶ تفسیر حقانی: سورہ انفطار، ج۵ص۸۱

❷ تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۸۸

اليوم معه حكما، كملكهم في الدنيا. ❶

لفظ مالک کی جگہ قاضی اور حاکم کے نہ لانے میں کیا حکمت ہے؟

قاضی اور حاکم لفظِ مالک کا بدل نہیں ہو سکتے، اس لئے کہ قاضی اور حاکم باوجود وسیع اختیار ہونے کے بھی وہ قانون کے پابند ہوتے ہیں، جو ملکی، سیاسی قانون ہوں ان کے نفاذ کے پابند ہوتے ہیں، اس لئے وہ مطلق اختیار کے مالک نہیں ہوتے، جبکہ مالک کے اختیار مطلق ہوتے ہیں، وہ کسی قانون اور ضابطے کا پابند نہیں ہوتا۔ اس لئے سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے مالک کا ترجمہ شہنشاہ کے ساتھ کیا۔ ❷

خالق اور مخلوق کی مدح میں بلیغ لفظ

امام ابو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر خالق کے حق میں استعمال کرنا مقصود ہو تو ''مَـــالِک'' زیادہ بلیغ ہے، اور مخلوق کے حق میں استعمال کرنا ہو تو ''مَلِک'' زیادہ بلیغ ہے۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ مخلوق میں سے جو مالک ہوگا ضروری نہیں کہ ''مَلِک'' (بادشاہ) بھی ہو مگر جب یہی لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال ہوگا تو وہ مالک بھی ہے اور ''مَلِک'' بھی ہے:

وقال أبو حاتم: إن مالكا أبلغ في مدح الخالق من ملک، و ملک أبلغ في مدح المخلوقين من مالک، والفرق بينهما أن المالک من المخلوقين قد يكون غير ملک وإذا كان الله تعالى مالكا كان ملكا. ❸

---

❶ تفسير ابن كثير: سورة الفاتحة، ج ١ ص ١٢٦

❷ تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، ج ١ ص ١٨٧

❸ تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ١ ص ١٨٥

''یـوم الدین'' کی جگہ ''یـوم القیامۃ'' کیوں نہیں فرمایا، اس میں کیا حکمت ہے؟

''یوم الدین'' اس لئے فرمایا اگر ''یـوم القیامۃ'' فرماتے تو آیت کے درمیان سجع باقی نہ رہتا، آیات میں جو تسلسل ہے وہ ختم ہو جاتا۔ نیز لفظِ دین کے اندر عموم زیادہ ہے، یہ قیامت کے تمام احوال کو شروع سے لے کر آخر تک سب کو شامل ہے، جبکہ لفظ قیامت کے مفہوم میں اس قدر وسعت نہیں ہے:

وإنـمـا قـال مـالـک یوم الدین ولـم یقل یوم القیامۃ مراعاۃ للفاصلۃ وتـرجیحا للعموم فإن الدین بمعنی الجزاء یشمل جمیع أحوال القیامۃ من إبتداء النشور إلی السرمد الدائم. ❶

''مَلِک'' اللہ کی صفت ذاتی ہے، جبکہ ''مَالِک'' اللہ کی صفت فعلی ہے

امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

إن وصف الـلّٰه سبحانه بأنه ملک کان ذلک من صفات ذاته، وإن وصف بأنه مالک کان ذلک من صفات فعله. ❷

ترجمہ: اگر ''مَـلِک'' کہا جائے تو یہ اللہ رب العزت کی صفت ذاتی ہے اور اگر ''مَالِک'' کہا جائے تو یہ اللہ رب العزت کی صفت فعلی ہے۔

''مَلِک'' نام رکھنے کا حکم

ذات باری تعالیٰ کے علاوہ کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ اپنا نام ملک رکھ لے یا ملک

---

❶ روح المعاني: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۱۵

❷ تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ۱ ص ۱۸۸

ہونے کا دعویٰ کرے۔ امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يَقْبِضُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى الْأَرْضَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَيَطْوِي السَّمَاءَ بِيَمِيْنِهِ ثُمَّ يَقُوْلُ: أَنَا الْمَلِكُ أَيْنَ مُلُوْكُ الْأَرْضِ؟ ❶

ترجمہ: قیامت کے اللہ تعالیٰ اپنے دائیں ہاتھ میں زمین اور آسمان لے کر پکارے گا، میں ملک (بادشاہ) ہوں آج زمین کے ملوک (بادشاہ) کہاں ہیں؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے دوسری حدیث منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَخْنَعُ اسْمٍ عِنْدَ اللّٰهِ رَجُلٌ تَسَمَّى بِمَلِكِ الْأَمْلَاكِ. ❷

ترجمہ: اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک سب سے برا نام ملک الاملاک (بادشاہوں کا بادشاہ) ہے۔

حضرت سفیان رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد شہنشاہ اور اس جیسے دوسرے نام ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے شیبانی سے اخنع کا معنی پوچھا تو انہوں نے فرمایا: جو سب سے کمتر اور حقیر ہو۔ ❸

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے ایک اور روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَغْيَظُ رَجُلٍ عَلَى اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَأَخْبَثُهُ وَأَغْيَظُهُ عَلَيْهِ، رَجُلٌ كَانَ

❶ صحيح مسلم: كتاب صفة القيامة والجنة والنار، ج۴ ص۲۱۴۸، رقم الحديث: ۲۷۸۷

❷ صحيح البخاري: كتاب الأدب، باب أبغض الأسماء إلى الله، ج۸ ص۴۵، رقم الحديث: ۶۲۰۶

❸ مسند أحمد: مسند أبي هريرة، ج۱۲ ص۲۸۲، رقم الحديث: ۷۳۲۹

يُسَمَّى مَلِكَ الْأَمْلَاكِ، لَا مَلِكَ إِلَّا اللّٰهُ. ❶

ترجمہ: قیامت کے دن اللہ رب العزت کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور خبیث آدمی وہ ہوگا جس کا نام ملک الاملاک (باشاہوں کا بادشاہ) ہوگا، کیوں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سوا کوئی ملک (بادشاہ) نہیں۔

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لا يجوز أن يتسمى أحد بهذا الاسم ولا يدعى به إلا اللّٰه تعالى. ❷

ترجمہ: مالک نام رکھنا جائز نہیں اور نہ ہی اللہ رب العزت کے علاوہ کسی کو مالک کہہ کر پکارنا جائز ہے۔

بائیسویں بحث: لفظ ''یوم'' کا استعمال

لفظ ''یوم''، تین طرح سے استعمال ہوتا ہے۔

۱......استعمال لغوی ۲......استعمال عرفی ۳......استعمال شرعی

لغت میں لفظ یوم مطلق وقت کے معنی استعمال ہوتا ہے، اور عرف میں طلوعِ شمس سے لے کر غروبِ شمس تک کے لئے، شرع کی اصطلاح میں طلوعِ فجر ثانی اور غروبِ شمس کے درمیان، لیکن یہاں مطلق وقت مراد ہے:

واليوم في العرف عبارة عما بين طلوع الشمس وغروبها من الزمان وفي الشرع عما بين طلوع الفجر الثاني وغروب الشمس والمراد ههنا مطلق الوقت. ❸

---

❶ صحيح مسلم: كتاب الآداب، باب تحريم التسمي بملك الأملاك، ج۳ ص۱۶۸۸، رقم الحديث: ۲۱۴۳

❷ تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج۱ ص۱۸۶

❸ تفسير أبي السعود: سورة الفاتحة، ج۱ ص۲۴

واليـوم في العرف عبارة عما بين طلوع الشمس وغروبها من الزمان وفـي الشـرع عـنـد أهل السنة عبارة عما بين طلوع الفجر الثاني وغروب الشمس ويطلق على مطلق الوقت. ❶

تیئیسویں بحث: لفظ ”دین“ کے معنی کے بارے میں

لفظِ دین کی لغوی تحقیق

دین اعمال کے حساب اور بدلے کو کہتے ہیں ۔حضرت ابن عباس ،حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما،امام ابن جریج ،امام قتادہ اور دیگر کئی علماء رحمہم اللہ سے یہی منقول ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس طرح نقل کیا گیا ہے۔یہی مفہوم ارشاد بارتعالیٰ کا ہے:

يَوْمَئِذٍ يُوَفِّيهِمُ اللَّهُ دِينَهُمُ الْحَقَّ. (النور: ۲۵)

ترجمہ: اس دن اللہ تعالیٰ انہیں ان کا پورا پورا بدلہ دے دیں گے، یعنی اللہ تعالیٰ ان کا حساب چکا دیں گے۔

اسی طرح فرمایا: اَلْيَوْمَ تُجْزَى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ. (الغافر: ۱۷)

ترجمہ: اس دن ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دیا جائے گا۔

نیز فرمایا: اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ. (الجاثیہ: ۲۸)

ترجمہ: آج تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔

اور ارشاد فرمایا: اَئِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ. (الصفت: ۵۳)

ترجمہ: کیا ہمیں بدلہ دیا جائے گا اور ہمارا محاسبہ بھی ہوگا۔

لبید کہتا ہے:

حَصَادُكَ يَوْمًا مَا زَرَعْتَ وَإِنَّمَا　　　يُدَانُ الْفَتٰى يَوْمًا كَمَا هُوَ دَائِنٌ

---

❶ روح المعاني: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۱۳

آج وہی فصل کاٹو گے جو کاشت کی تھی، بے شک ہر آدمی ایک دن اپنے کئے کا بدلہ پاتا ہے۔

ایک اور شاعر نے کہا ہے:

إِذَا مَا رَمَوْنَا رَمَيْنَاهُمْ وَدِنَّاهُمْ مِثْلَ مَايَقْرِضُوْنَا

ترجمہ: جب انہوں نے ہمیں نشانہ بنایا تو ہم نے بھی انہیں نشانہ بنالیا۔ اور جیسا انہوں نے ہم پر قرض چڑھایا ویسا ہم نے ان کا حساب چکا دیا۔

ایک شاعر کہتا ہے:

وَاعْلَمْ يَقِيْنًا أَنَّ مُلْكَكَ زَائِلٌ وَاعْلَمْ بِأَنَّ كَمَا تَدِيْنُ تُدَانُ ❶

ترجمہ: اور یقین رکھو کہ تمہاری بادشاہی ختم ہونے والی ہے، اور جان لو کہ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔

علامہ جاراللہ زمخشری رحمہ اللہ (متوفی ۵۳۸ھ) فرماتے ہیں:

ویوم الدین یوم الجزاء ومنه قولهم كما تدين تدان وبيت الحماسة:
ولم يبق سوى العدوان دناهم كما دانوا. ❷

ترجمہ: ''یوم الدین'' سے مراد یوم الجزاء ہے، اور اس قبیل سے مثل مشہور ہے ''کما تدین تدان'' (جیسا کرو گے ویسا بھرو گے) اور حماسہ کا شعر ''وَلَمْ يَبْقَ سِوَى الْعُدْوَانِ دِنَّاهُمْ كَمَا دَانُوْا'' (سوائے ظلم پر صبر کرنے کے اور کوئی مرحلہ باقی نہ رہا تو ہم نے بھی ان کو ویسا ہی بدلہ دیا جس طرح کہ انہوں نے ہمارے ساتھ کیا)۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

الدين: الجزاء على الأعمال والحساب بها، كذلك قال ابن عباس

---

❶ تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ۱ ص ۱۴۴

❷ الكشاف: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۵۴

وابن مسعود وابن جريج وقتادة وغيرهم. ❶

ترجمہ: دین سے مراد اعمال اور حساب پر بدلہ دینا۔ یہی مطلب بیان کیا ہے حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما اور امام ابن جریج اور امام قتادہ رحمہما اللہ اور ان کے علاوہ حضرات نے۔

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) نے لفظ دین کے تین معانی نقل کئے ہیں:

۱.....بدلے کا دن ۲.....شریعت ۳.....اطاعت

يوم الدين: يوم الجزاء. وقيل: الدين الشريعة وقيل: الطاعة. ❷

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ ''یوم الدین'' سے مراد یوم الجزاء ہے:

والأرجح عندي أن الدين والجزاء بمعنى فيوم الدين هو يوم الجزاء. ❸

لفظ ''دین'' قرآنِ کریم میں چھ معانی میں استعمال ہوا ہے

علامہ مجدالدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی رحمہ اللہ (متوفی ۸۱۷ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ دین قرآن کریم میں چھ معانی میں استعمال ہوا ہے

۱.....توحید اور شہادت ۲.....حساب اور مناقشہ ۳.....شریعت کا حکم ۴.....سیاست ۵.....ملت ۶.....دین اسلام

والدّين ورد في القرآن بمعنى التَّوحيد والشهادة إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللّٰهِ الإِسْلامُ. أَلا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ. أَفَغَيْرَ دِينِ اللّٰهِ يَبْغُونَ أى التوحيد وله نظائر،

---

❶تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ١ ص ١٨٨

❷لتفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج ١ ص ٣٣

❸روح المعاني: سورة الفاتحة، ج ١ ص ١١٣

وبمعنى الحساب و المناقشة مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ. الَّذِينَ يُكَذِّبُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ. وَمَآ أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ أَي الحساب وله نظائر أَيضاً، وبمعنى حكم الشريعة وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللّٰهِ أَى في حكمه، وبمعنى السّياسة فِي دِينِ الْمَلِكِ أَي في سياسته، وبمعنى المِلَّة وَذَلِكَ دِينُ القَيِّمَةِ أَي الملَّة المستقيمة، وبمعنى الإِسلام هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ. ❶

روزِ جزا کے متعلق قرآنِ کریم میں استعمال کئے گئے بتیس (۳۲) کلمات

دین سے مراد یومِ قیامت ہے جسے روزِ جزا سے تعبیر کیا گیا ہے، کیونکہ اس دن کوئی شخص بھی اپنے نیک وبد اعمال پر جزا و سزا کے بغیر نہیں رہے گا، اس دن کے لئے قرآن مجید میں مختلف اصطلاحات بیان ہوئی ہیں، جن میں سے ہر ایک کے ذریعے یومِ قیامت کے مختلف احوال و کیفیات اور اس کے مناظر و حیثیات کا پتہ چلتا ہے، ہم ان میں سے چند کا ذکر یہاں کرتے ہیں:

۱.....یوم الدین (جزا اور انصاف کا دن)

وَمَآ اَدْرٰکَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ. (الانفطار:۱۷)

اور آپ کو کیا معلوم وہ انصاف کا دن کیا ہے۔

۲.....یوم القیامة (قیامت کا دن)

فَاللّٰہُ یَحْکُمُ بَیْنَھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا کَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ. (البقرة:۱۱۳)

ترجمہ: پس اللہ ان کے درمیان قیامت کے دن اس معاملے میں (خود ہی) فیصلہ فرمادے گا جس میں وہ اختلاف کرتے رہتے ہیں۔

۳.....یوم الحشر (گھیرے جانے کا دن)

---

❶ بصائر ذوي التمييز في لطائف الكتاب العزيز: الباب التاسع، ج۲ ص۶۱۷

وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا. (طٰه: ۱۰۲)

ترجمہ: اور اس دن ہم مجرموں کو یوں گھیر لائیں گے کہ ان کے جسم اور آنکھیں نیلگوں (شدتِ خوف اور اندھے پن کے باعث) ہوں گی۔

۴.....یوم البعث (جی اٹھنے کا دن)

فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ. (الروم: ۵۶)

ترجمہ: اور یہ قیامت کا دن ہے (جی اٹھنے کا دن ہے) اور البتہ تم کو اس کا یقین نہ تھا۔

۵.....یوم الجمع (جمع ہونے کا دن)

يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ. (التغابن: ۹)

ترجمہ: جس دن وہ تم کو جمع ہونے (یعنی قیامت) کے دن اکٹھا کرے گا۔

۶.....یوم الحساب (حساب وکتاب کا دن)

اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ. (المؤمن: ۲۷)

ترجمہ: میں تو اپنے اور تمہارے پروردگار کی پناہ میں آچکا ہوں ہر (اس) متکبر سے جو حساب کے دن پر یقین نہ رکھے۔

۷.....الیوم الآخر (آخرت کا دن)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ. (البقرة: ۸)

ترجمہ: اور لوگوں میں سے بعض وہ (بھی) ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ رب العزت پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے حالانکہ وہ (ہرگز) مؤمن نہیں ہیں۔

۸.....یوم عظیم (بڑا دن)

قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ. (الأنعام: ۱۵)

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ بے شک میں (تو) عذاب کے بڑے دن سے ڈرتا ہوں اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں (سو یہ کیسے ممکن ہے)۔

۹.....یوم الیم (دردناک دن)

اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ. (ھود: ۲۶)

ترجمہ: کہ تم اللہ رب العزت کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، میں تم پر ایک دردناک دن کے عذاب (کی آمد) کا خوف رکھتا ہوں۔

۱۰.....یوم عصیب (سختی کا دن)

سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا یَوْمٌ عَصِیْبٌ (ھود: ۷۷)

ترجمہ: وہ ان کے آنے سے پریشان ہوئے اور ان کے باعث (ان کی) طاقت کمزور پڑ گئی اور کہنے لگے یہ بہت سخت دن ہے۔

۱۱.....یوم محیط (احاطہ کرنے والا دن)

اِنِّیْٓ اَرٰىكُمْ بِخَیْرٍ وَّ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ مُّحِیْطٍ. (ھود: ۸۴)

ترجمہ: بے شک میں تمہیں آسودہ حال دیکھتا ہوں اور میں تم پر ایسے دن کے عذاب کا خوف (محسوس) کرتا ہوں جو (تمہارا) احاطہ کر لینے والا ہے۔

۱۲.....یوم المجموع (سب کے جمع کئے جانے کا دن)

ذٰلِكَ یَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ (ھود: ۱۰۳)

ترجمہ: یہ (روزِ قیامت) وہ دن ہے جس کے لئے سب لوگ جمع کئے جائیں گے۔

۱۳.....یوم مشھود (حاضری کا دن)

لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ یَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ. (ھود: ۱۰۳)

ترجمہ: اور یہی وہ دن ہے جب سب کو حاضر کیا جائے گا۔

۱۴.....یوم العذاب (عذاب کا دن)

وَاَنْذِرِ النَّاسَ یَوْمَ یَاْتِیْھِمُ الْعَذَابُ. (إبراھیم:۴۴)

ترجمہ: اور آپ لوگوں کو اس دن سے ڈرائیے جب ان پر عذاب آ پہنچے گا۔

۱۵.....یوم الوقت المعلوم (معین وقت کا دن)

قَالَ فَاِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ. (۳۷،۳۸)

ترجمہ: اللہ نے فرمایا بے شک تو مہلت یافتہ لوگوں میں سے ہے، وقت معین کے دن تک۔

۱۶.....یوم الحسرۃ (حسرت کا دن)

وَاَنْذِرْھُمْ یَوْمَ الْحَسْرَۃِ اِذْقُضِیَ الْاَمْرُ. (مریم: ۳۹)

ترجمہ: اور آپ انہیں حسرت (وندامت) کے دن سے ڈرائیے جب (ہر) بات کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔

۱۷.....یوم الصور (صور پھونکے جانے کا دن)

یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ. (طٰہٰ:۱۰۲)

ترجمہ: جس دن صور پھونکا جائے گا۔

۱۸.....یوم عقیم (کفار کے لئے بے برکت دن)

حَتّٰی تَاْتِیَھُمُ السَّاعَۃُ بَغْتَۃً اَوْیَاْتِیَھُمْ عَذَابُ یَوْمٍ عَقِیْمٍ. (الحج:۵۵)

ترجمہ: یہاں تک کہ اچانک قیامت ان پر آ پہنچے یا اس دن کا عذاب آ جائے جس میں ان کے لئے کوئی خیر و برکت نہ ہو۔

۱۹.....یوم معلوم (مقررہ دن)

لَمَجْمُوْعُوْنَ اِلٰی مِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ. (الواقعۃ:۵۰)

ترجمہ: سب کو جمع کیا جائے گا ایک مقررہ دن کے مقررہ وقت پر۔

۲۰.....یوم الساعۃ (قیامت کی گھڑی کا دن)

وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَۃُ یُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ. (الروم: ۱۲)

ترجمہ: اور جس دن قیامت برپا ہوگی، مجرم آس توڑ کر رہ جائیں گے۔

۲۱.....یوم الفتح (فیصلے کا دن)

قُلْ یَوْمَ الْفَتْحِ لَا یَنْفَعُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِیْمَانُھُمْ وَلَا ھُمْ یُنْظَرُوْنَ. (السجدۃ: ۲۹)

ترجمہ: آپ فرما دیجئے اس فیصلے کے دن کافروں کا ایمان لانا ان کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ اس دن ان کو مہلت دی جائے گی۔

۲۲.....یوم الفصل (فیصلے کا دن)

ھٰذَا یَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِیْ کُنْتُمْ بِہٖ تُکَذِّبُوْنَ. (الصافات: ۲۱)

ترجمہ: یہی وہ فیصلے کا دن ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔

۲۳.....یوم التلاق (ملاقات کا دن)

یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ لِیُنْذِرَ یَوْمَ التَّلَاقِ. (المؤمن: ۱۵)

ترجمہ: وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے وحی بھیجتا ہے تاکہ وہ (لوگوں کو) ملاقات کے دن سے ڈرائے۔

۲۴.....یوم التناد (پکار کا دن)

وَیٰقَوْمِ اِنِّیْ اَخَافُ عَلَیْکُمْ یَوْمَ التَّنَادِ. (المؤمن: ۳۲)

ترجمہ: اور اے میری قوم! مجھے تمہارے بارے میں پکار کے دن کا اندیشہ ہے۔

۲۵.....یوم البطشۃ الکبریٰ (سخت گرفت کا دن)

یَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَۃَ الْکُبْرٰی اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ. (الدخان: ۱۶)

ترجمہ: جس دن ہم سخت پکڑ پکڑیں گے بے شک ہم بدلہ لے کر چھوڑیں گے۔

۲۶.....یوم الوعید (وعید کا دن)

وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ ذٰلِکَ یَوْمُ الْوَعِیْدِ. (قٓ: ۲۰)

ترجمہ: اور صور پھونکا جائے گا، یہی وعید کا دن ہوگا۔

۲۷.....یوم الخروج (خروج کا دن)

ذٰلِکَ یَوْمُ الْخُرُوْجِ. (قٓ: ۴۲)

ترجمہ: یہی نکلنے کا دن ہوگا۔

۲۸.....یوم عسر (سخت دن)

مُّھْطِعِیْنَ اِلَی الدَّاعِ یَقُوْلُ الْکٰفِرُوْنَ ھٰذَا یَوْمٌ عَسِرٌ. (القمر: ۸)

ترجمہ: اس پکارنے والے کی طرف دوڑے چلے جا رہے ہوں گے (اور) کافر کہتے ہوں گے یہ بڑا سخت دن ہے۔

۲۹.....یوم التغابن (ہار جیت کا دن)

ذٰلِکَ یَوْمُ التَّغَابُنِ. (التغابن: ۹)

ترجمہ: وہ ہار جیت کا دن ہوگا۔

۳۰.....یوم عسیر (بہت ہی سخت دن)

فَذٰلِکَ یَوْمَئِذٍ یَّوْمٌ عَسِیْرٌ. (المدثر: ۹)

ترجمہ: سو وہ دن بڑا ہی سخت دن ہوگا۔

۳۱.....الیوم الحق (حق وصداقت کا دن)

ذٰلِکَ الْیَوْمُ الْحَقُّ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ مَاٰبًا. (النبأ: ۳۹)

ترجمہ: یہ دن حق ہے پس جو چاہے اپنے رب کے پاس اپنا ٹھکانہ بنالے۔

۳۲.....الیوم الموعود (وعدے کا دن)

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ. (البروج: ۱، ۲)

اور اس دن کی قسم جس کا وعدہ کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی ملکیت کو یومِ آخرت کے ساتھ کیوں مختص کیا؟

دنیا کے اندر اگرچہ حقیقتاً ملکیت اللہ رب العزت ہی کی ہے، مگر بظاہر انسان بھی مالک نظر آتا ہے جس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ انسان بھی ملکیت میں شریک ہے، اس کے برخلاف آخرت میں کہ وہاں تنہا اللہ رب العزت کا حکم نافذ ہوگا، حقیقت میں بھی اور ظاہر میں بھی، اسی تفرد کی بناء پر مالکیت کی نسبت خاص طور سے یوم آخرت کی طرف کی۔

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ (متوفی ۵۹۷ھ) فرماتے ہیں:

إنما خص يوم الدين لأنه ينفرد يومئذ بالحكم في خلقه. ❶

ترجمہ: ''یوم الدین'' کی تخصیص اس لئے کہ اس دن مخلوق کے بارے میں صرف اللہ تعالی کا فیصلہ نافذ ہوگا۔

امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

فيقال لم خصص يوم الدين وهو مالک يوم الدين وغيره؟ قيل له: لأن في الدنيا كانوا منازعين في الملک، مثل فرعون ونمرود وغيرهما، وفي ذلک اليوم لا ينازعه أحد في ملكه، وكلهم خضعوا له، كما قال تعالى: لمن الملک اليوم فأجاب جميع الخلق: لله الواحد القهار فلذلک قال: مالک يوم الدين، أي في ذلک اليوم لا يكون مالک ولا قاض ولا مجاز غيره، سبحانه لا إله إلا هو. ❷

---

❶ زاد المسير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۹

❷ تفسير قرطبي: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ۱ ص ۱۸۸

اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر روزِ جزاء کا ذکر کیوں فرمایا جبکہ وہ تو ہر چیز کا مالک ہے؟

دنیا میں تو فرعون نمرود وغیرہ اوران جیسے دوسرے اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں بادشاہت کا دعویٰ کرتے تھے مگر روز جزا کے دن اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں بادشاہت کا دعویدار کوئی بھی نہیں ہوگا، ہرکوئی اس کے سامنے عاجز ہوگا، اس روز اللہ تعالیٰ پوچھیں گے ''لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ'' آج کے دن بادشاہت کس کی ہے؟ تو تمام مخلوق جواب دے گی ''لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ'' اس اللہ رب العزت کی ہے جو یکتا اور غالب ہے، اسی بناء پر ارشاد فرمایا ''مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ'' اس دن اس کے بغیر نہ کوئی مالک ہوگا، نہ کوئی فیصلہ کرنے والا، اور نہ ہی کوئی بدلہ دینے والا ہوگا، اس کی ذات پاک ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں کہ یوم کی دین کی طرف اضافت کر کے تخصیص کی، یہ اضافت یا تو عظمت کی وجہ سے ہے یا اس لئے کہ اس دن تمام معاملات میں صرف اللہ تعالیٰ کے فیصلے نافذ ہوں گے:

وتخصيص اليوم بالإضافة: إما لتعظيمه أو لتفرده تعالى بنفوذ الأمر فيه. ❶

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی رحمہ اللہ (متوفی ۷۱۰ھ) فرماتے ہیں:

والتخصيص بيوم الدين لأن الأمر فيه لله وحده. ❷

ترجمہ: ''یوم الدین'' کی تخصیص اس وجہ سے کی ہے اس دن تمام معاملات میں صرف اللہ رب العزت کا فیصلہ نافذ ہوگا۔

وقوعِ قیامت سے پہلے روز جزاء کی ملکیت کا کیا مطلب؟

امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

---

❶ التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۴

❷ مدارک التنزیل: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۰

إن قال قائل: كيف قال مالک يوم الدين ويوم الدين لم يوجد بعد، فكيف وصف نفسه بملک ما لم يوجده قيل له: اعلم أن مالكا اسم فاعل من ملک يملک، واسم الفاعل في كلام العرب قد يضاف إلى ما بعده وهو بمعنى الفعل المستقبل ويكون ذلک عندهم كلاما سديدا معقولا صحيحا، كقولک: هذا ضارب زيد غدا أي سيضرب زيدا. وكذلک: هذا حاج بيت اللّٰه في العام المقبل، تأويله سيحج في العام المقبل، أفلا ترى أن الفعل قد ينسب إليه وهو لم يفعله بعد، وإنما أريد به الاستقبال، فكذلک قوله عزوجل: مالک يوم الدين. ❶

ترجمہ: سوال یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے ”مالک یوم الدین“ کیسے فرمایا حالانکہ قیامت تو ابھی تک قائم نہیں ہوئی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ”مَالِک مَلَکَ یَمْلِکُ“ سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے اور اسم فاعل کی اضافت کلام عرب میں بعد میں آنے والی چیز کی طرف بھی ہوسکتی ہے، اور یہ فعل مستقبل کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، عربوں کے نزدیک یہ اسلوب بالکل معقول اور صحیح ہے، جیسا کہ کہا جاتا ”ضَارِبُ زَیْدٍ غَدًا“ یہ شخص زید کو کل مارے گا۔ اسی طرح ”حَاجَّ بَیْتَ اللّٰهِ فِي الْعَامِ الْمُقْبِلِ“ کا مطلب یہ ہے کہ آدمی آئندہ سال حج کرے گا۔ ان مثالوں سے معلوم ہوا کہ فعل کبھی فاعل سے صادر ہونے سے پہلے ہی اس کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کا صدور مستقبل میں ہوگا۔ اسی طرح ”مالک یوم الدین“ بھی مستقبل کے معنی میں ہے۔

سورہ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پانچ نام ذکر کئے ہیں

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں:

---

❶ تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ١ ص ١٨٧

أنه تعالى ذكر في هذه السورة من أسماء نفسه خمسة: اللّٰه، والرب، والرحمن والرحيم، والمالك. والسبب فيه كأنه يقول: خلقتك أولاً فأنا إله. ثم ربيتك بوجوه النعم فأنا رب، ثم عصيت فسترت عليك فأنا رحمن، ثم تبت فغفرت لك فأنا رحيم، ثم لا بدّ من إيصال الجزاء إليك فأنا مالك يوم الدين. ❶

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے سورہ فاتحہ میں اپنے پانچ نام ذکر کئے ہیں:

۱......اللّٰہ ۲......رب ۳......الرحمن ۴......الرحیم ۵......مالک.

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے میرے بندے! میں نے تمہیں پیدا کیا، پس میں تمہارا معبود ہوں، پھر میں نے تمہاری تربیت کی، پس میں تمہارا رب ہوں۔ اے بندے! تو نے نافرمانی کی، میں نے تیرے گناہوں پر پردہ ڈالا، پس میں رحمٰن ہوں، تو نے توبہ کی میں نے تیرے گناہوں کو معاف کیا، پس میں رحیم ہوں، پھر ضروری ہے کہ تجھے تیرے اعمال کا بدلہ دیا جائے، پس میں روز جزا کا مالک ہوں۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے عمدہ حسنِ سلوک سے ایک مجوسی مسلمان ہو گیا

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ٦٠٦ھ) فرماتے ہیں:

روي أن أبا حنيفة كان له على بعض المجوس مال فذهب إلى داره ليطالبه به، فلما وصل إلى باب داره وقع على نعله نجاسة، فنفض نعله فارتفعت النجاسة عن فعله ووقعت على حائط دار المجوسي فتحير أبو حنيفة وقال: إن تركتها كان ذلك سبباً لقبح جدار هذا المجوسي، وإن حككتها انحدر التراب من الحائط، فدق الباب فخرج إليه وظن أنه يطالبه

❶ التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ۱ ص ۲۰۸

بـالـمـال، فـأخـذ يـعتـذر، فـقـال أبـو حنيفة، ههنا ما هو أولى، وذكر قصة الـجـدار، وأنـه كيف السبيل إلى تطهيره فقال المجوسي: فأنا أبدأ بتطهير نـفسـي فـأسـلـم فـي الـحـال، والـنكتة فيه أن أبا حنيفة لما احترز عن ظلم الـمـجـوسـي فـي ذلک الـقـدر القليل من الظلم فلأجل تركه ذلک انتقل المجوسي من الكفر إلى الإيمان. ❶

ترجمہ: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ایک مجوسی کے ذمے کچھ رقم تھی، امام صاحب اس کے مطالبے کے لئے اس کے گھر کی طرف جارہے تھے، جب دروازے کے قریب پہنچے تو آپ کے جوتے سے معمولی نجاست اٹھ کر مجوسی کی دیوار پر لگ گئی، امام صاحب پریشان ہوگئے کہ اب کیا کیا جائے؟ اگر اس نجاست کو چھوڑ دیا جائے تو دیوار قبیح نظر آئے گی، اور اگر اس کو ہٹایا جائے تو ضرورت سے زائد مٹی گر جائے گی۔ اسی پریشانی کے عالم میں امام صاحب نے مجوسی کے دروازے پر دستک دی، مجوسی یہ سمجھا کہ شاید امام صاحب اپنی رقم کے مطالبے کے لئے آئے ہیں۔ امام صاحب نے پیغام بھیجا کہ اُس سے اہم مسئلہ درپیش آیا، جب مجوسی گھر سے باہر آیا تو امام صاحب نے سارا قصہ اس کو سنایا اور فرمایا کہ اب کیسے ممکن ہے کہ اس دیوار کو پہلے کی طرح صاف ستھرا کیا جائے اور نجاست کو ہٹایا جائے؟ مجوسی نے امام صاحب کے اس حسنِ سلوک سے متاثر ہوکر کہا کہ پہلے میں اپنے آپ کو پاک کرتا ہوں، چنانچہ وہ مسلمان ہوگیا۔

---

❶ التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ۱ ص ۲۰۴

چوبیسویں بحث: عبادت کا لغوی و اصطلاحی معنی

عبادت کی لغوی تحقیق

یہ ''عبد'' سے مشتق ہے اسی سے عبودیت ہے، امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ (متوفی ۵۰۲ھ) فرماتے ہیں:

العبوديّة إظهار التذلّل، والعبادة أبلغ منها لأنها غاية التذلّل ولا يستحقها إلا من له غاية الإفضال، وهو اللّٰه تعالى ولهذا قال: ألا تعبدو إلا إياه. (1)

ترجمہ: عبودیت، عاجزی اور خشوع وخضوع کے اظہار کو کہتے ہیں اور عبادت کا لفظ اس سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ یہ عاجزی اور فروتنی کی انتہاء کا نام ہے اور اس کا مستحق صرف وہی ہوسکتا ہے جو بلندی اور فضل وکمال کی انتہاء کا مالک ہو اور وہ ہستی صرف باری تعالیٰ کی ہے، اس لئے اس نے ارشاد فرمایا کہ سوائے اس کے کسی اور کی عبادت نہ کرو۔

عبادت انتہائی درجہ کا خشوع اور خضوع اور انتہائی ذلت کو ظاہر کرنا۔ اسی مناسبت کی وجہ سے اس راستے کو جو بہت زیادہ استعمال ہو ''طریق معبد'' کہا جاتا ہے۔ کیونکہ معبد کے معنی مذلل کے ہیں یعنی پیروں سے روندا ہوا اور ذلیل کیا ہوا راستہ، چونکہ عبادت کے معنی انتہائی تذلیل کے ہیں اسی وجہ سے لفظ عبادت صرف اللہ رب العزت ہی کے لئے استعمال ہوتا ہے، اسی وجہ سے غیر اللہ کے لئے شرعاً اور عقلاً بالکل اس کا استعمال جائز نہیں، اس لئے کہ انتہائی خشوع اور خضوع کے مستحق وہ ذات ہے جو بڑے بڑے انعامات عطا کرنے والی ہے۔ مثلاً وجود وحیات جیسی نعمتوں کا انعام کرنا اور ان انعامات کا منعم صرف ذات باری تعالیٰ ہے۔ لہٰذا عبادت کی مستحق بھی صرف ذات باری تعالیٰ ہے، اسی وجہ سے غیر اللہ کے

---

(1) المفردات في غريب القرآن: كتاب العين، ص ۳۲۲

لئے سجدہ ریز ہونا حرام ہے اس لئے کہ سجدہ کہتے ہیں ”وضع الجبهة والأنف على الأرض “یعنی پیشانی اور ناک کو زمین پر ٹیک دینا، گویا سجدہ کے اندر اشرف الاعضاء کو زمین پر رکھا جاتا ہے۔ پس اگر غیر اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہو تو اشرف الاعضاء کا ارذل الاشیاء کے سامنے جھکانا لازم آئے گا جو عقلاً اور شرعاً درست نہیں۔

علامہ زمخشری رحمہ اللہ (متوفی ۵۳۸ھ) فرماتے ہیں:

والعبادة أقصى غاية الخضوع والتذلل. ❶

ترجمہ: عبادت کہا جاتا ہے انتہائی درجے کے خشوع اور خضوع کو۔

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی رحمہ اللہ (متوفی ۷۱۰ھ) فرماتے ہیں:

والعبادة أقصى غاية الخضوع والتذلل. ❷

ترجمہ: عبادت کہا جاتا ہے انتہائی درجے کے خضوع وخشوع کو۔

امام خازن رحمہ اللہ (متوفی ۷۴۱ھ) نے عبادت کے معنی کی وضاحت کرتے ہوئے اس کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

العبادة غاية التذلل من العبد ونهاية التعظيم للرب. ❸

ترجمہ: بندے کی طرف سے انتہائی عاجزی اور رب کریم کے لئے انتہائی تعظیم کے اظہار کو عبادت کہتے ہیں۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں:

والعبادة أعلى مراتب الخضوع ولا يجوز شرعا ولا عقلا فعلها إلا لله تعالى لأنه المستحق لذلك لكونه موليا لأعظم النعم من الحياة والوجود

---

❶ الكشاف: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۵۶

❷ مدارك التنزيل: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۱

❸ تفسير الخازن: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۰

وتوابعهما ولذلک يحرم السجود لغيره سبحانه لأن وضع أشرف الأعضاء على أهون الأشياء وهو التراب موطىء الأقدام والنعال غاية الخضوع. ❶

ترجمہ: عبادت خشوع وخضوع کا سب سے اعلی مرتبہ ہے، شرعاً اور عقلاً عبادت جائز نہیں ہے سوائے اللہ تعالی کے، اس لئے کہ وہی ذات عبادت کی مستحق ہے، کیونکہ اس نے تمام بڑی نعمتیں عطا کیں جن میں حیات وجوداور ان کے مثل نعمتیں، اسی وجہ سے غیر اللہ کے لئے سجدہ کرنا حرام ہے، اس وجہ سے کہ اس میں اشرف الاعضاء (پیشانی) کو اہون الاشیاء (مٹی) پر رکھنا ہے، اور اس مٹی کو قدموں اور جوتوں سے روندا جاتا ہے، (تو اس حقیر شی پر انسان اپنے جسم کے معزز عضو پیشانی کو رکھتا ہے تب جا کر عبادت ادا ہوتی ہے) اور یہ انتہائی خشوع وخضوع والی کیفیت ہے۔

عبادت کا اصطلاحی معنی

هو فعل اختياري يكون النفس كارهة له لتحصيل مجرد رضاء الباري.

ترجمہ: یعنی عبادت وہ فعل اختیاری ہے جو خلاف نفس ہو محض ذات باری تعالیٰ کو حاصل کرنے کے لئے کیا گیا ہو۔

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں:

العبادة عبارة عن الفعل الذي يؤتى به لغرض تعظيم الغير. ❷

ترجمہ: عبادت عبارت ہے اس فعل سے جس کو ادا کیا جائے غیر کی تعظیم کی وجہ سے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) عبادت کی اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

---

❶ روح المعاني: سورة الفاتحة، ج ا ص ٦ ١ ١

❷ التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ا ص ٢٠٨

وفي الشرع: عبارة عما يجمع كمال المحبة والخضوع والخوف. ❶

ترجمہ: عبادت کمالِ محبت، خوفِ خدا، خشوع اور خضوع کے مجموعے کا نام ہے۔

عبادت کی جامع تعریف

العبادة عبارة عن الاعتقادوالشعور بأن للمعبود سلطة يقدر بها على النفع والضرر فكل ثناء وتعظيم يصاحبه هذا الاعقتاد والشعورفهي عبادة.

ترجمہ: یعنی عبادات اس اعتقاد اور شعور کا نام ہے کہ معبود کو ایک غیبی تسلط حاصل ہے جس کی وجہ سے وہ نفع ونقصان پر قادر ہے اس لئے ہر تعریف اور ہر پکار اور ہر تعظیم جو اس مذکورہ اعتقاد وشعور کے ساتھ ہو وہ عبادت ہے۔

غائب سے خطاب کی طرف عدول کیوں کیا؟

غائب سے خطاب کی طرف عدول اس لئے کیا کہ عرب والے عادتاً کلام میں تفنن کو پسند کرتے ہیں، یعنی مختلف اسالیبِ بیان سے کلام کو تعبیر کرنا اور ایک اسلوب سے دوسرے اسلوب کی طرف منتقل ہونا، اوراس انتقال کے دو فائدے ہیں:

۱......کلام میں جدت پیدا ہوتی ہے جیسا کہ مقولہ ہے ''**كل جديد لذيذ**''

۲......سامع کو کلام سننے میں رغبت پیدا ہوتی ہے۔

علامہ جاراللہ زمخشری رحمہ اللہ (متوفی ۵۳۸ھ) فرماتے ہیں:

فإن قلت لم عدل عن لفظ الغيبة إلى لفظ الخطاب قلت هذا يسمى الالتفات في علم البيان قد يكون من الغيبة إلى الخطاب ومن الخطاب إلى الغيبة ومن الغيبة إلى التكلم. ❷

---

❶ تفسير ابن كثير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۲۸

❷ الكشاف: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۵۶

ترجمہ:اگر یہ سوال کیا جائے کہ غائب سے خطاب کی طرف عدول کیوں کیا؟ میں کہتا ہوں اسے علم بیان کی اصطلاح میں ''التفات'' کہا جاتا ہے،اور یہ التفات کبھی غائب سے خطاب کی طرف،اور کبھی خطاب سے غائب کی طرف،اور غائب سے تکلم کی طرف ہوتا ہے۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں:

وهي التفنن في الكلام والعدول من أسلوب إلى آخر تطرية له وتنشيطا للسامع. ❶

ترجمہ: یہ کلام میں تفنن ہے،ایک اسلوب سے دوسرے اسلوب کی طرف منتقل ہونا کلام میں جدت پیدا کرنے اور سامع کو راغب کرنے کے لئے ہے۔

''إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ'' کا معنی

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

عن ابن عباس: إياك نعبد يعني: إياك نوحد ونخاف ونرجو يا ربنا لا غيرك وإياك نستعين على طاعتك وعلى أمورنا كلها. ❷

ترجمہ:''إِيَّاكَ نَعْبُدُ'' کے معنی ہیں:اے ہمارے رب! ہم خاص آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے ڈرتے ہیں اور آپ ہی سے امید رکھتے ہیں۔''وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ'' کا معنی ہے: اے ہمارے رب! ہم اپنے تمام کاموں میں آپ کی اطاعت کرتے ہیں اور آپ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

علامہ جار اللہ زمخشری رحمہ اللہ (متوفی ۵۳۸ھ) فرماتے ہیں:

والمعنى نخصك بالعبادة ونخصك بطلب المعونة. ❸

---

❶ روح المعاني: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۲۰

❷ تفسير ابن كثير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۲۸

❸ الكشاف: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۵۶

اس کا معنی یہ ہے کہ ہم خاص صرف آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں۔

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں:

واعلم أن قولک إیاک نعبد معناہ لا أعبد أحدا سواک. ❶

ترجمہ: جان لیں کہ ''ایاک نعبد'' کا معنی ہے میں آپ کے سوا کسی کی بھی عبادت نہیں کرتا۔

عبادت اور استعانت کے ذریعے باطل فرقوں سے نجات

''نَعْبُدُ'' کا مفہوم ہے ہم اطاعت کرتے ہیں۔ عبادت اطاعت اور عاجزی ہی کو کہتے ہیں اور ''طریق معبد'' اس راستے کو کہتے ہیں جسے چلنے کے لئے برابر کیا گیا ہو، یہ امام ہروی رحمہ اللہ کا قول ہے اور ایک مکلّف آدمی جب ''اِیَّاکَ نَعْبُدُ'' کہتا ہے تو وہ اس کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور حقِ عبادت کا اقرار ہوتا ہے، جب کہ بہت سے لوگ اللہ رب العزت کے سوا بتوں وغیرہ کو بھی پوجتے ہیں۔

''إِیَّاکَ نَسْتَعِینُ'' کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم تجھ ہی سے مدد، تائید اور توفیق مانگتے ہیں۔ امام سلمی رحمہ اللہ اپنی کتاب ''حقائق التفسیر'' میں لکھتے ہیں کہ میں نے محمد بن عبداللہ بن شاذان سے سنا اور انہوں نے ابوحفص فرغانی سے سنا کہ جس نے ''إِیَّاکَ نَعْبُدُ وَإِیَّاکَ نَسْتَعِینُ'' کا اقرار کرلیا اس نے جبر وقدر کے (باطل فرقوں کے عقائد) سے نجات پالی۔ ❷

سورۂ فاتحہ کا لُب لباب

انہی پر عبدیت (بندگی) اور توحید کا دارومدار ہے، اسی بنا پر کسی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک سو چار کتابیں اتاری ہیں۔ جن کا خلاصہ تورات، انجیل اور قرآن میں اور ان

---

❶ التفسیر الکبیر: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ۱ ص ۲۰۸

❷ تفسر القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ۱ ص ۱۴۵

تینوں کے معانی قرآن میں یکجا جمع ہیں، اور پھر پورے قرآن کا مضمون مفصل (حجرات تا والناس) میں موجود ہے۔ ان تمام کے معانی سورۂ فاتحہ میں ہیں اور سورۂ فاتحہ کا لب لباب ''اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ'' میں آ گیا ہے۔ یہ دونوں کلمے رب اور بندے کے درمیان منقسم (بٹے ہوئے) ہیں۔ ''اِیَّاکَ نَعْبُدُ'' رب کے لئے ہے اور ''وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ'' بندے کے لیے۔ ❶

عبادت کا مفہوم دو بنیادوں پر قائم ہے

ا.....انتہائی عاجزی اور غایت درجہ کی محبت، اہلِ عرب کا قول ہے ''طریق معبد اي مذلل ''یعنی ذلیل پامال راستہ۔ عبادت میں خضوع (جھکاؤ) کا ہونا لازمی ہے۔ اگر آپ نیکی سے رشتہ محبت بغیر خضوع کے قائم کیا تو اسے عبادت کہیں گے، اس طرح خضوع بلا محبت عبادت نہیں ہو سکتا۔

۲.....مشرکین عرب توحید ربوبیت کے قائل تھے لیکن پھر بھی ان کی توحید اللہ رب العزت کے ہاں مقبول نہیں ہوئی۔ کیوں کہ جب اس کی محبت ہی کا انکار کر دیا، تو پھر اس کی الوہیت کا بھی انکار ہو گیا۔ اب رب ماننا اور نہ ماننا یکساں ہے۔

استعانت اپنے اندر دو اصولوں کو سمیٹے ہوئے ہے:

ا.....اللہ رب العزت کی ذات پر بھروسہ اور اطمینان۔ ۲.....اللہ رب العزت پر اعتماد

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان کسی شخص سے مطمئن تو ہوتا ہے لیکن اپنے معاملات میں اس پر اعتماد کرنے کا اسے موقعہ ہی پیش نہیں آتا۔ بعض اوقات مجبوری کی وجہ سے اسے ایسے شخص پر اعتماد کرنا پڑتا ہے جو بھروسہ کے لائق نہیں ہے۔ توکل میں ثقہ (بھروسہ، اطمینان) اور اعتماد دونوں داخل ہیں۔ یہی اس آیت کی حقیقت ہے۔ ❷

---

❶ مدارج السالكين: فصل سرّ الخلق والأمر والشرائع، ج ١ ص ٩٥

❷ مدارج السالكين: فصل سرّ الخلق والأمر والشرائع، ج ١ ص ٩٥، ٩٦

''إِیَّاکَ''، مفعول بہ کی تقدیم حصر اور اختصاص کے لئے ہے

نحوی قاعدے کی روشنی میں دیکھا جائے تو ''إِیَّاکَ'' کومؤخر ہونا چاہئے تھا اس لئے کہ لفظ ''إِیَّاکَ'' ''نَعۡبُدُ'' کا مفعول بہ ہے اور ظاہر ہے کہ معمول عامل سے موخر ہوتا ہے لیکن یہاں ''إِیَّاکَ'' کواس لئے مقدم کیا گیا تا کہ یہ حصر کے معنی پر دلالت کرے، کیونکہ قاعدہ ہے ''**تقديم ما حقه التاخير يفيد الحصر والاختصاص**'' نیز ''إِیَّاکَ'' سے مراد اللہ تعالیٰ ہیں لہٰذا تعظیم کی وجہ سے مقدم کیا گیا ہے۔ باری تعالیٰ تمام کائنات کا مبداء ہے اور جب مبداء کائنات ہے تو وجود کے اعتبار سے مقدم ہوگا، لہٰذا ذکر میں بھی مقدم کردیا گیا تا کہ وجود ذکری وجود طبعی کے موافق ہوجائے ''إِیَّاکَ'' کومقدم کر کے عابد کواس بات پر تنبیہ کرنا چاہتے ہیں کہ اولا اور بالذات نظر معبود پر ہونی چاہئے عبادت پر نہیں ہاں معبود سے منتقل ہوکر عبادت کی طرف صرف اس حیثیت سے ہونی چاہئے کہ یہ ایک نسبت اور تعلق ہے ہمارے اور معبود کے درمیان اس حیثیت سے ہونی چاہئے کہ وہ ہم سے صادر ہو رہی ہے، اور اس تنبیہ کی وجہ یہ ہے کہ عارف کو درجہ وصول تک پہنچانا مقصود ہے اور وصول اس وقت متحقق ہوسکتا ہے جبکہ ذات باری تعالیٰ سے ملاحظہ میں بالکل استغراق ہوجائے اور اپنی اور دوسروں کی ذات واحوال سے بالکل بے خبر ہوجائے۔

علامہ جاراللہ زمخشری رحمہ اللہ (متوفی ۵۳۸ھ) فرماتے ہیں:

تقديم المفعول لقصد الاختصاص. ❶

ترجمہ: مفعول کومقدم کرنا اختصاص اور حصر کی وجہ سے ہے۔

علامہ قاضی ابوالسعود محمد بن محمد رحمہ اللہ (متوفی ۹۸۲ھ) فرماتے ہیں:

تقديم المفعول فيهمالما ذكر من القصر والتخصيص. ❷

---

❶ الكشاف: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۵۶

❷ تفسير أبي السعود: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۶

ترجمہ:قصر اور اختصاص کی وجہ سے''إِیَّاکَ''جومفعول بہ ا سے دومرتبہ مقدم کیا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ''إِیَّـاکَ''جومفعول بہ اسے مقدم کیا، اہتمام اور حصر کی وجہ سے اسے مکرر لایا اب معنی ہوگا: ہم عبادت نہیں کرتے مگر صرف آپ کی، اور ہم بھروسہ نہیں کرتے مگر صرف آپ پر، یہ کمالِ اطاعت ہے، دین مکمل انہی دو باتوں کی طرف لوٹتا ہے:

وقدم المفعول وهو إياک، وكرر للاهتمام والحصر، أي: لا نعبد إلا إياک، ولا نتوكل إلا عليک، وهذا هو كمال الطاعة. والدين يرجع كله إلى هذين المعنيين. ❶

مفعول کی تقدیم اور فعل کی تاخیر میں حکمت

اگر کوئی کہے کہ فعل سے مفعول پہلے کیوں لایا گیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مفعول کی اہمیت واضح کرنے کے لئے ایسا کیا گیا، کیوں کہ اہلِ عرب اہم چیز کو پہلے ذکر کرتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ ایک دیہاتی نے کسی کو گالی دی تو گالی سننے والے نے کچھ پرواہ نہیں کی۔ اس پر گالی دینے والے نے کہا''إِیَّاکَ عَنِّيْ''یعنی میں تجھ ہی کو گالی دیتا ہوں۔ سننے والے نے جواب دیا:وَعَـنْکَ أَعْـرِضُ (میں تجھ سے منہ موڑتا ہوں) یہاں دونوں نے اہم بات کو پہلے ذکر کیا۔ اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ بندے اور بندگی کا ذکر معبود سے پہلے نہ ہو اس لئے یہ جائز نہیں کہ کوئی''نَعْبُدُکَ وَنَسْتَعِیْنُکَ'' یا''نَـعْبُدُ اِیَّاکَ وَنَسْتَعِیْنُ اِیَّـاکَ''کہے اور فعل کو مفعول پر مقدم کرلے بلکہ یہاں اسلوب قرآن کی پیروی ضروری ہے۔ عجاج شاعر کہتا ہے:

إِیَّاکَ أَدْعُوْ أَفتَقَبَّلْ مُلْقِيْ   وَاغْفِرْ خَطَایَايَ وَکَثُرَ وَرَقِيْ ❷

---

❶تفسير ابن كثير: سورة الفاتحة، ج ا ص ۱۲۸

❷تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ا ص ۱۴۵

ترجمہ: آپ ہی سے دعا کرتا ہوں، میری عاجزی قبول کیجئے اور میرے رزق میں برکت دیجیے۔

پچیسویں بحث: صیغہ ”نعبد“ جمع متکلم ذکر کرنے کی حکمت

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں:

لو قال إياك أعبد لكان ذلك تكبرًا ومعناه أني أنا العابد أما لما قال إياك نعبد كان معناه أني واحد من عبيدك، فالأول تكبر، والثاني تواضع، ومن تواضع لله رفعه الله. ❶

اگر ”أَعْبُدُ“ فرماتے تو اس صورت میں معنی ہوتا: میں ہی اللہ رب العزت کی عبادت کرنے والا ہوں، تو اس میں تکبر کی آمیزش ہوتی اس لئے ”نَعْبُدُ“ فرمایا کہ میں آپ کے بندوں میں سے ایک بندہ ہوں اس میں تواضع ہے، اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص تواضع اختیار کرے اللہ تعالیٰ اس کو بلند مقام عطا کرتے ہیں۔

”نَعْبُدُ“ جمع متکلم ذکر فرمایا اس کی حکمت یہ ہے کہ اپنی عبادت کو مؤحدین مؤمنین کی عبادت میں شامل کیا جائے۔ اپنی حاجت کو ان کی حاجت کے ساتھ ملایا جائے تا کہ ان کی عبادت وحاجت کی برکت سے ہماری بھی عبادت وحاجت قبول ہو جائے۔ وہ اس طور پر کہ جب تمام کی عبادتوں میں اپنی عبادت کو شامل کر کے دربار الٰہی میں پیش کرے گا یا تو اللہ تعالیٰ سب کو رد فرمائے گا یا سب کو قبول فرمائے گا اور یا بعض کو قبول فرمائے گا اور بعض کو رد کردے گا۔ یہ تو نہیں ہوسکتا کہ سب کو رد کردے، کیونکہ ان میں اللہ رب العزت کے ایسے برگزیدہ بندے بھی ہیں جن کی حاجات اور دعاؤں کو رد نہیں کیا جاسکتا، اور بعض کو رد فرمائیں اور بعض کو قبول فرمائیں یہ بھی نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ یہ شان رحیمی وکریمی سے بعید ہے کہ اچھوں اور بروں میں امتیاز کر کے صرف نیکو کاروں کی عبادت کو قبول کیا جائے اور گناہ

---

❶ التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ص ۲۱۲

گاروں کی عبادت کو رد کیا جائے، اور یہ کیسے ہوسکتا ہے جب کہ بندے کو حکمِ شرعی ہے صَفقہ واحدہ کے تحت بائع نے دس کپڑوں کو فروخت کیا اب ان میں سے بعض عیب دار نکلے تو اب مشتری کو یہ حق نہیں کہ عیب دار کو واپس کرے اور صحیح کو اپنے پاس رکھے کیونکہ صفقہ واحدہ کے تحت بیع ہوئی ہے یا تو سب کو خریدے یا سب کو چھوڑ دے۔ تو پھر ذات باری تعالیٰ جو کہ اکرم الاکرمین ہے، جود وسخا کا خزینہ ہے، اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے کہ وہ اس طرح امتیاز کی نظر ڈال سکتا ہے؟ ہرگز نہیں، اگر چہ وہ قادر اس پر بھی ہے، پس جب دونوں شقیں باطل ہوگئیں تو ساری دعاؤں کا قبول ہونا ثابت ہوگیا، پس جب بندہ "إِيَّاكَ نَعْبُدُ وإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" کہتا ہے کہ خدایا میری عبادت انتہائی ناقص ہے جس طرح عبادت کا حق تھا اس طرح مجھ سے نہ ہوسکی مگر میں نے اپنی عبادت کو تیرے پیارے بندوں کی عبادت میں شامل کردیا۔ آپ کی شانِ رحیمی سے یہ بات بہت بعید ہے کہ تو ہماری عبادت کے نقص پر نظر ڈالے بلکہ تو ان اولیاء وصالحین کے طفیل ہماری عبادات کو بھی قبول فرما۔ اسی نکتہ کی وجہ سے جماعت کے ساتھ نماز کو مشروع کیا گیا تا کہ بندے اکھٹے ہوکر عبادت ودُعا کریں اور وہ ذاتِ باری تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہو۔

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں:

أدرج عبادته في تضاعيف عباداتهم وخلط حاجته بحاجتهم لعلها تقبل ببركتها ويجاب إليها ولهذا شرعت الجماعة. [1]

ترجمہ: قاری (پڑھنے والے) نے اپنی عبادت کو دوسرے مؤمنین کی عبادتوں کے ساتھ شامل کیا اور اپنی حاجت کو ان کی حاجت کے ساتھ ملا دیا شاید کہ اس کی عبادت ان کی عبادت کی برکت کی وجہ سے قبول ہوجائے اور ان کی حاجات کے ساتھ اس کی حاجت بھی

---

[1] التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۶

پوری کردی جائے، اوراسی حکمت کے پیش نظر نماز باجماعت مشروع ہوئی۔

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں:

والتقدير كأن العبد يقول: إلهي إن لم تكن عبادتي مقبولة فلا تردني لأني لست بوحيد في هذه العبادة بل نحن كثيرون فإن لم أستحق الإجابة والقبول فأتشفع إليک بعبادات سائر المتعبدين فأجبني. ❶

ترجمہ: بندہ کہتا ہے الٰہی اگر میری عبادت قبولیت کے لائق نہیں تو آپ میری عبادت کو رد نہ کریں، اس لئے کہ اس عبادت میں میں اکیلا نہیں ہوں بلکہ بہت سارے لوگ اس میں میرے ساتھ شریک ہیں، پس میری عبادت اجابت اور قبولیت کے لائق نہیں تو میں تمام عبادت گزاروں کی عبادت کے سبب آپ کی بارگاہ صمدیت میں اپنی عبادت پیش کرتا ہوں آپ اسے قبول کریں۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں:

لو قال إياک أعبد لكان ذلک بمعنى أنا العابد ولما قال إياک نعبد كان المعنى أني واحد من عبيدک وفرق بين الأمرين كما يرشدک إليه قوله تعالى حكاية عن الذبيح عليه السلام ستجدني إن شاء اللّٰه من الصابرين وقوله تعالى حكاية عن موسى ستجدني إن شاء اللّٰه صابرا فصبر الذبيح لتواضعه بعد نفسه واحدا من جمع ولم يصبر الكليم لإفراده نفسه مع أن كلا منهما عليهما السلام. ❷

ترجمہ: اگر ''إِيَّاکَ نَعْبُدُ'' (میں آپ ہی کی عبادت کرتا ہوں) کہا جاتا تو اس کا معنی ہوتا میں عبادت کرنے والا ہوں، لیکن ''إِيَّاکَ نَعْبُدُ'' کا معنی ہے میں آپ کے بندوں میں سے ایک بندہ ہوں۔ ان دونوں عبادتوں کے درمیان فرق کو آپ حضرت اسماعیل اور

---

❶ التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ۱ ص ۲۱۳

❷ روح المعاني: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ۱ ص ۲۱۳

حضرت موسیٰ علیہما السلام کے واقعے سے ملاحظہ فرمائیں، حضرت اسماعیل علیہ السلام نے (بوقت ذبح اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا: سَتَجِدُنِیْ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ) ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پاؤ گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا: ''سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا '' آپ عنقریب مجھے صبر کرنے والا پاؤ گے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے تواضع کی وجہ سے اپنے آپ کو صابرین کی جماعت میں سے ایک فرد کے طور پر ذکر کیا، جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے آپ کو تنہا صبر کرنے والوں میں ذکر کیا (اس لئے وہ تینوں واقعات جو حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ پیش آئے تھے) ان پر صبر نہ کر سکے، باوجودیکہ دونوں حضرات انبیاء علیہم السلام میں سے ہیں۔

''نَعْبُدُ'' و ''نَسْتَعِینُ'' کی ضمیر جمع کے مصداق کی تعیین

جمع متکلم کی ضمیر کثرتِ افراد کے لئے ہے تو اب اس موقع پر کثرت افراد کس طور پر ہوں گے، تو اس کی صورت یہ ہے کہ قاری دو حال سے خالی نہیں یا تو خارجِ صلوٰۃ ہوگا یا داخلِ صلوٰۃ، اگر خارجِ صلوٰۃ ہے تو ضمیرِ جمع کا مصداق خود متکلم اور تمام موٴحدین وموٴمنین ہوں گے، اب موٴمنین کے اندر بشر اور حفاظت کرنے والے فرشتے بھی داخل ہوں گے، اور اگر داخلِ صلوٰۃ ہے تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں منفرد ہے یا جماعت کے ساتھ اگر منفرد ہے تو ضمیرِ جمع کا مصداق خود اور حفاظت کرنے والے فرشتے ہوں گے، اور اگر جماعت کے ساتھ ہے تو خود اور حاضرینِ جماعت ہوں گے۔

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ٦٠٦ھ) فرماتے ہیں:

فكان المراد بقوله نعبد هو وجميع الملائكة الذين يعبدون الله. ❶

ترجمہ: ''نَعْبُدُ'' صیغہ متکلم سے مراد وہ متکلم اور تمام فرشتے جو اللہ رب العزت کی عبادت کرتے ہیں۔

---

❶ التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ۱ ص ۲۱۲

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ٦٨٥ھ) فرماتے ہیں کہ ''نَعْبُدُ'' اور ''نَسْتَعِيْنُ'' میں جو ضمیر متکلم پوشیدہ ہے اس سے خود پڑھنے والا اور فرشتے جو اس پر نگران مقرر ہیں اور حاضرین جماعت مراد ہیں:

والضمير المستكن في الفعلين للقارئ ومن معه من الحفظة، وحاضري صلاة الجماعة. ❶

الضمير في الفعلين للقاري ومن معه من الحفظة وحاضري الجماعة. ❷

حمد میں ''للّٰه'' کی تاخیر اور ''إِيَّاكَ'' کی تقدیم میں کیا حکمت ہے؟

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ٦٠٦ھ) فرماتے ہیں:

والنكتة أن الحمد لما جاز لغير اللّٰه في ظاهر الأمر كما جاز للّٰه، لا جرم حسن تقدم الحمد أما ههنا فالعبادة لما لم تجز لغير اللّٰه لا جرم قدم قوله إياك على نعبد. ❸

ترجمہ: کسی شخص کی خوبیوں پر اس کی تعریف کرنا جائز ہے لیکن غیر اللہ کے لئے عبادت کرنا بالکل جائز نہیں ہے، تو ''إِيَّاكَ'' کو مقدم کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ عبادت غیر اللہ کے لئے بالکل جائز نہیں اسی وجہ سے معمول کو عامل پر مقدم کیا، جبکہ مدح دوسرے کے لئے جائز ہے اسی وجہ سے وہاں معمول کو موخر کیا۔

معبود کے لئے دو صفات کا ہونا ضروری ہے

شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمہ اللہ (متوفی ۱۴۰۰ھ) فرماتے ہیں کہ

---

❶التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج ١ ص ٣٦

❷روح المعاني: سورة الفاتحة، ج ١ ص ١١٩

❸التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ١ ص ٢١٢

معبود صرف وہی ہوسکتا ہے جس میں دو صفتیں ہوں:

ا......وہ عالم الغیب ہو کائنات کا ذرہ ذرہ اس پر منکشف ہو اور زمین وآسمان کی ساری مخلوق کے ظاہر و باطن سر و علانیہ کو وہ اچھی طرح جانتا ہو۔

۲......وہ مالک ومختار متصرف فی الامور اور اقتدار اعلیٰ کا مالک ہو، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جہاں کہیں اپنے لیے استحقاقِ عبادت و پکار کا ذکر فرمایا وہاں انہی دونوں صفتوں کو اس کی علت قرار دیا، اور جہاں کہیں غیر اللہ سے عبادت اور پکار کی نفی کی ہے وہاں غیر اللہ سے انہی دونوں صفتوں کی نفی فرمائی ہے۔ ❶

عبودیت کا مقام بہت اعلیٰ ہے

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں:

في شرف العبودية: قوله تعالى: سُبْحَانَ الذى أسرى بِعَبْدِهِ لَيْلًا ولولا أن العبودية أشرف المقامات، وإلا لما وصفه اللّٰه بهذه الصفة فى أعلى مقامات المعراج الآية الثالثة: في شرف العبودية: أن عيسى أول ما نطق قال: إِنِّى عَبْدُ اللّٰه وصار ذكره لهذه الكلمة سببا لطهارة أمه، ولبراءة وجوده عن الطعن، وصار مفتاحا لكل الخيرات، ودافعا لكل الآفات، الآية الرابعة: قوله تعالى لموسى عليه السلام إِنِّنِى أَنَا اللّٰه لا إله إِلا أَنَا فاعبدنى أمره بعد التوحيد بالعبودية، لأن التوحيد أصل، والعبودية فرع، والتوحيد شجرة، والعبودية ثمرة، فهذه الآيات دالة على شرف العبودية. ❷

ترجمہ: ا......اگر عبودیت کا مقام اعلیٰ نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ

---

❶ جواہر القرآن: سورہ فاتحہ، ج ا ص ۸

❷ التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ا ص ۲۱۴

علیہ وسلم کو معراج کے مقام پر عبودیت کے مقام کے ساتھ متصف نہ فرماتے۔

۲......حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سب سے پہلے جس بات پر تکلم فرمایا وہ ہے "إِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ"، یعنی میں اللہ رب العزت کا بندہ ہوں، یہی کلمہ ان کی والدہ سے تہمت کے ازالے کا سبب بنا، ہر بھلائی کا کام کرنے کے لئے اور آفات سے بچنے کے لئے یہ کلمہ بمنزلہ مفتاح کے ہے۔

۳......حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ فرمادیں کہ بیشک میں ہی اللہ ہوں میرے علاوہ کوئی معبود نہیں پس آپ میری ہی عبادت کریں، اس آیت میں اللہ تعالی نے توحید کے بعد عبودیت کا حکم دیا تو معلوم ہوا کہ توحید اصل ہے اور عبودیت فرع ہے، توحید شجرہ ہے اور عبودیت اس کا ثمرہ ہے، پس یہ آیات عبودیت کے مقام ومرتبے پر دلالت کرتی ہیں۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

وقد سمى اللّٰه رسوله بعبده في أشرف مقاماته الحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِى أَنزَلَ عَلَى عَبْدِهِ الكِتَابَ وَأَنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوهُ سُبْحَانَ الَّذِى أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلا فسماه عبدًا عند إنزاله عليه وقيامه في الدعوة وإسرائه به. [1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر کو عبد کے لقب سے انہی موقعوں پر پکارا جہاں اپنی بڑی بڑی نعمتوں کا ذکر فرمایا، مثلاً قرآنِ پاک کے نزول کے موقع پر، دعوت الی اللہ کے موقع پر، معراج کے موقع پر۔

کیا مقامِ عبودیت مقامِ رسالت سے افضل ہے؟

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں:

ومنهم من قال: العبودية أشرف من الرسالة، لأن بالعبودية ينصرف

[1] تفسير ابن كثير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۲۹

من الخلق إلى الحق، وبالرسالة ينصرف من الحق إلى الخلق. ❶

ترجمہ: بعض حضرات نے کہا ہے کہ مقام عبودیت مقام رسالت سے اعلیٰ ہے، کیونکہ عبادت میں نسبت مخلوق سے خالق کی طرف ہوتی ہے اور رسالت میں نسبت خالق سے مخلوق کی طرف ہوتی ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

وقد حكى فخر الدين في تفسيره عن بعضهم: أن مقام العبودية أشرف من مقام الرسالة، وهذا القول خطأ، والتوجيه أيضًا ضعيف لا حاصل له، ولم يتعرض له فخر الدين بتضعيف ولا رده. ❷

ترجمہ: امام رازی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں بعض حضرات سے یہ بات نقل کی ہے کہ مقام عبودیت مقام رسالت سے اعلی ہے، یہ قول درست نہیں اور اس کی توجیہ کرنا بھی ضعیف ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، (لیکن تعجب ہے کہ) امام رازی رحمہ اللہ نے اس قول کو نہ ضعیف قرار دیا اور نہ اس کو رد کیا۔

عابدین کی چار قسمیں ہیں

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (متوفی ۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

عبادت میں دو باتیں مطلوب ہیں: ۱.....اخلاص ۲.....اتباع

اخلاص سے مراد یہ ہے کہ عابد ایسا موحد ہو کہ شرک سے کوسوں دور ہو، اتباع سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی کامل اطاعت ہو جو بدعات رسم ورواج سے بالکلیہ پاک ہو۔

---

❶ التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ۱ ص ۲۱۴

❷ تفسير ابن كثير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۲۹

عابدین کی چار قسم ہیں:

پہلی قسم: وہ عبادت گزار جن میں اخلاص اور اتباع دونوں صفات کامل درجے کے پائے جائیں جیسے حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔

دوسری قسم: جن میں نہ اخلاص ہو اور نہ اتباع، جیسے مشرکین، یہود ونصاری۔

تیسری قسم: وہ عابد جن میں اخلاص ہو لیکن اتباع نہ ہو جیسے جاہل عبادت گزار۔

چوتھی قسم: جو بظاہر متبع ہوں لیکن مخلص نہ ہوں بلکہ ریا کار ہوں جیسے منافقین، یہ لوگ قلبی طور پر مؤمن نہیں تھے صرف زبان سے دعویٰ کرتے تھے، پس یہاں ''اِیَّاکَ نَعْبُدُ'' میں عابدین کی پہلی قسم مطلوب ہے جو مخلص بھی ہوں اور متبعِ سنت بھی ہوں۔ ❶

چھبیسویں بحث: عبادت کو استعانت پر مقدم کرنے کی دس اہم وجوہات

۱......عبادت کو استعانت پر مقدم کر کے اس بات کو بتلانا ہے کہ سائل کو سوال کرنے سے پہلے مسؤ ول عنہ کے پاس کوئی وسیلہ یعنی ایسی چیز جس سے مسؤ ول عنہ خوش ہو، مثلاً ہدیہ، ثناء وغیرہ بھیجنا چاہئے کیونکہ تحفے کو پہلے بھیجنا اپنی مراد کی مقبولیت کے واسطے زیادہ داعی ہے، یہاں پر عبادت وسیلہ ہے اور استعانت سوال ہے اور وسیلہ کو سوال پر مقدم کیا جاتا ہے، لہٰذا اسی وجہ سے عبادت کو استعانت پر مقدم کیا گیا ہے۔

۲......عبادت اور استعانت سے نہ تو باری تعالیٰ کا معبود ہونا ظاہر کرنا ہے اور نہ مستعان ہونا ظاہر کرنا ہے، بلکہ اپنی تذلل اور خاکساری کو ظاہر کرنا ہے اور صورت اس تذلل کی بندے نے یہ اختیار کی کہ عبادت کی نسبت اپنی طرف کر کے اپنے آپ کو عابد اور اللہ رب العزت کو معبود بنایا۔ اب اس سے بندے کے دل میں یہ ایک وہم ہوسکتا تھا کہ میں نے

---

❶ مدارج السالکین: فصل لا یکون العبد متحققا بإیاک نعبد إلا بمتابعة الرسول، ج ۱ ص ۱۰۴، ۱۰۵

عبادت جیسی بڑی چیز کو بارگاہ الٰہی میں پیش کیا اور اس کی وجہ سے میں بڑے انعام کا مستحق ہو گیا گویا اس قسم کا تکبر دل میں آ سکتا تھا، تو اس وہم کو دور کرنے کے لئے بعد میں فرمایا ''إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ'' کہ عبادت بھی ہماری مدد سے ہے، یعنی عبادت بھی بغیر معونت باری تعالیٰ کے مکمل نہیں ہو سکتی، پس اسی نکتے کی وجہ سے عبادت کو استعانت پر مقدم کیا۔

۳.....عبادت امانت ہے جیسے قرآن کریم میں ہے:

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا. (الأحزاب: ۷۲)

ترجمہ: ہم نے یہ امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی، تو انہوں نے اس کے اُٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے، اور انسان نے اس کا بوجھ اُٹھا لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا ظالم، بڑا نادان ہے۔

تو اس مہتم بالشان عمل کی ادائیگی کے لئے اس کو مقدم کیا گیا۔

۴.....عبادت کے ذریعے جس قدر اللہ رب العزت کا تقرب حاصل ہوتا ہے اور انسان اللہ رب العزت کے قریب ہوتا ہے استعانت میں اس طرح نہیں ہے۔

۵.....عبادت اللہ رب العزت کو مطلوب ہے جبکہ استعانت بندے کو مطلوب ہے، تو بندے کو چاہئے کہ اس چیز کو مقدم کرے جو ذاتِ باری تعالیٰ کو مطلوب ہو وہ عبادت ہے۔

۶.....عبادت انسان پر ہمیشہ لازم ہے کبھی اس سے سبکدوشی نہیں ہر حال میں اس کی ادائیگی ضروری ہے، جیسے نماز کہ کسی صورت میں اس کا چھوڑنا جائز نہیں، اگر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے پر قادر نہیں تو بیٹھ کر نماز پڑھے اور اگر بیٹھ کر بھی نماز ادا کرنے کی قدرت نہ ہو تو لیٹ کر پڑھنے کا حکم ہے۔ لہٰذا عبادت کی ادائیگی ضروری ہے اور عبادت ہی کی غرض سے اللہ تعالیٰ نے انسان اور جنات کو پیدا کیا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذاریات: ۵۶)

ترجمہ: اور میں نے جنات اور انسانوں کو اس کے سوا کسی اور کام کے لئے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔

۷......عبادت کی یومِ جزاء کے ساتھ خصوصی مناسبت ہے اسی وجہ سے اس کو یوم الجزاء کے فوراً بعد ذکر کیا، پہلے شرک و بدعت سے خلاصی کے لئے توحید اور عبادت ہے پھر رسوخ کے لئے استعانت ہے۔

۸......سالکین کے مقام کی انتہا "إِيَّاكَ نَعْبُدُ" پر ہوتی ہے اس کے بعد اس پر تمکین طلب کی جاتی ہے "إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ" کے ذریعے۔

۹......اسلام نے ابتداء عبادت کا حکم دیا ہے استعانت کا حکم بعد الرسوخ ہے۔

۱۰......عبادت کو استعانت پر اس لئے مقدم کیا تا کہ رؤس آیات کی موافقت ہو جائے۔ رؤس آیات کہتے ہیں آیت کے ان آخری حروف کو جو ایک خاص کیفیت کے ساتھ متصف ہوں، اور یہاں خاص کیفیت آخری حرف سے پہلے "یاء" کا ساکن ہونا ہے، اگر عبادت کو موخر کرتے اور استعانت کو مقدم کرتے تو آیات کے درمیان جو تسلسل اور روانی ہے وہ باقی نہ رہتی اسی وجہ سے عبادت کو استعانت پر مقدم کیا۔ [1]

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کی نگاہ میں تقدیم کی وجوہات

سورۂ فاتحہ میں عبادت استعانت پر چند وجوہ کی بناء پر مقدم ہے:

۱.....عبادت اصل غرض و غایت ہے، انسان کی پیدائش ہی اسی مقصد کے لئے ہوئی ہے اور استعانت عبادت کے لئے ایک وسیلہ اور ذریعہ ہے یہاں غایت کو وسیلہ پر مقدم رکھا گیا ہے۔

---

[1] روح المعاني: سورة الفاتحة، ج۲ ص ۱۱۹ / تفسير أبي السعود: سورة الفاتحة، ج۱ ص ۲۶ / التحرير والتنوير: سورة الفاتحة، ج۱ ص ۱۸۶

۲.....''إِيَّاكَ نَعْبُدُ'' کا تعلق صفتِ الوہیت سے ہے اور اس کا نام اللہ ہے، اور ''وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ '' کا تعلق صفتِ ربوبیت سے ہے اس کا نام رب ہے۔ کیونکہ ابتدائے سورت میں اللہ رب پر مقدم ہے اس لئے عبادت کو استعانت پر مقدم کیا گیا۔

''اِيَّاكَ نَعْبُدُ'' یہ اللہ تعالیٰ کا حصہ ہے۔ اس لئے اس کا شمار و اتصال حمد و ثنا کے ساتھ ہی مناسب ہے۔ ''وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ'' یہ بندے کا حصہ ہے اس بنا پر اس کا ذکر ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ'' کے ساتھ موزوں ہے۔

۳.....عبادت مطلقہ (کاملہ) کا مفہوم اپنے اندر استعانت کو بھی لئے ہوئے ہے۔ لیکن استعانت کا مفہوم اس قدر وسیع اور عام نہیں ہے کہ ہر عابد، مستعین (طالب مدد) ہے لیکن ہر مستعین عابد نہیں ہے۔ کیونکہ بہت سے شہوت پرست اغراض کے بندے اللہ رب العزت سے مدد تو طلب کرتے ہیں، لیکن عبادت سے ان کی زندگی خالی ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے عبادت کامل حیثیت رکھتی ہے اور اس وجہ سے اس کو اللہ رب العزت کا حصہ قرار دیا گیا ہے۔

۴.....استعانت عبادت کا ایک جز ہے اور عبادت کا درجہ کل کے برابر ہے۔

۵.....استعانت کے معنی ہیں اللہ رب العزت سے طلب کرنا اور عبادت یہ اللہ رب العزت کی طرف سے مطالبہ ہے۔

۶.....عبادتِ کامل کا وقوع صرف مخلصوں ہی سے ہوسکتا ہے۔ باقی رہی استعانت تو اس میں اخلاص ضروری نہیں، اس کا صدور مخلص، غیر مخلص دونوں سے ہوسکتا ہے۔

۷.....عبادت اس کا حق ہے جو اس نے اپنے بندوں پر لازم ٹھہرایا ہے اور استعانت کے معنی ہیں عبادت پر مدد طلب کرنا۔ اس کی حیثیت صدقہ و خیرات کی سی ہے، ظاہر بات ہے کہ صدقہ کی طلب سے زیادہ فرض کی ادائیگی ضروری ہے۔

۸.....عبادت اس کی نعمت پر شکر کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ اس کا شکر ادا

کیا جائے اور استعانت تمہارے اوپر اس کی مہربانی پر توفیق کا نام ہے۔ جب تم اس کی عبودیت (بندگی) کے پابند اور اس کی غلامی قبول کرلو گے تو پھر وہ عبادت پر تمہاری اعانت کرے گا۔ گویا اس کی عبادت وغلامی اعانت کے حصول کا سبب ہے، اب جس قدر بھی بندہ بندگی میں مشغول ہوگا اسی قدر اللہ تعالیٰ کی اعانت اس کے شاملِ حال ہوگی۔

اس سے معلوم ہو کہ عبادت دو اعانتوں کے درمیان گری ہوئی ہے۔ ایک اعانت، عبادت کی ادائیگی اور پابندی پر اور دوسری اعانت، آئندہ کی عبادت پر۔ اسی طرح عبادت واعانت کا سلسلہ جاری رہتا ہے یہاں تک کہ پیغامِ اجل آ پہنچتا۔

عبادت کا تعلق اس کی رضا اور محبت سے ہے اور استعانت کا معاملہ اس کی مشیت کے ساتھ ہے، یہ سارا جہاں اس کی مشیت کے ماتحت ہے، فرشتے، شیاطین، مؤمن، کافر اور ان کی اطاعت ومعصیت سب کا تعلق اسی مشیت سے ہے۔ لیکن مؤمنین کے ایمان اور اطاعت کے ساتھ مشیت کے علاوہ اللہ رب العزت کی محبت ورضا بھی وابستہ ہے، اس بنا پر کفار اہلِ مشیت اور مؤمنین اہلِ محبت ہوئے۔

مذکورہ لطائف ونکات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ''اِیَّاکَ نَعْبُدُ'' کی تقدیم ''وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِینُ'' پر اپنے اندر کس قدر خوبی اور جمال لئے ہوئے ہے۔ ❶

''اِیَّاکَ'' کی تقدیم فعل پر

اِیَّاکَ (معبود) کو فعل ''نَعْبُدُ'' اور ''نَسْتَعِیْنُ'' پر مقدم کرنے کے چند اسباب ہیں:

۱..... باری تعالیٰ کا ادب ملحوظ ہے۔

۲..... اس کی طرف انتہائی توجہ اور تعلق کا اظہار ہے۔

---

❶ مدارج السالکین: الفاتحة واشتمالها علی جمیع معاني القرآن، ج ۱ ص ۵۹، ۶۰

۳.....کلام میں تخصیص پیدا کرنا مقصود ہے۔

''إِيَّاكَ نَعْبُدُ'' کے معنی ہیں ''لَا نَعْبُدُ إِلَّا إِيَّاكَ'' اسی طرح ''إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ''، یعنی ''لَا نَسْتَعِيْنُ إِلَّا إِيَّاكَ'' (ہم نہیں عبادت کرتے مگر تیری اور ہم نہیں مدد چاہتے مگر تجھ سے)۔

اس قسم کے محاورات سمجھنے کے لئے ذوقِ عربیت کی ضرورت ہے۔اگر کسی نے دس غلام آزاد کئے ہوں تو وہ صرف ایک کو یہ نہیں کہہ سکتا کہ ''إِيَّاكَ أَعْتَقْتُ '' (صرف تجھ ہی کو میں نے آزاد کیا ہے۔)

اسی قاعدہ کی روشنی میں ''اِيَّایَ فَاتَّقُوْن'' اور ''اِيَّایَ فَارْهَبُوْن'' میں غور کیجیے ان کے معنی ہیں کہ مجھ ہی سے ڈرو اور میرا ہی تقویٰ اختیار کرو۔ میرے سوا کسی دوسرے کا ڈر اور تقویٰ نہ رکھو۔

''اِيَّاكَ'' سے اصل ذات اور حقیقت کی طرف اشارہ ہے ''اِيَّاكَ اَحْبَبْتُكَ'' کے معنیٰ ہیں کہ میں نے تیری ذات ہی کو چاہا۔ یہ بات ''اَحْبَبْتُكَ'' سے نہیں پیدا ہوسکتی، بس یہی فرق ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ'' اور ''نَعْبُدُكَ''، میں سمجھ لیجیے۔دوبارہ ''اِيَّاكَ'' لانے سے کلام میں قوت اور زور پیدا ہو گیا ہے۔ مثلاً آپ نے کسی بادشاہ سے کہا:

إِيَّاكَ أُحِبُّ وَإِيَّاكَ أَخَافُ.

ترجمہ: میں تجھ ہی کو چاہتا ہوں اور تجھ ہی سے ڈرتا ہوں۔

اس اندازِ بیان میں خوف و محبت کا بادشاہ کے ساتھ مخصوص ہونے کا جو زور اور اہتمام پایا جاتا ہے، وہ آپ کو ''إِيَّاكَ أُحِبُّ وَإِيَّاكَ أَخَافُ'' کے علاوہ میں نہیں مل سکتا۔ ❶

❶ مدارج السالکین: الفاتحة واشتمالها على جميع معاني القرآن، ج ۱ ص ۲۰

لفظ ''إِيَّاکَ''، کومکرر کیوں ذکر فرمایا؟

لفظ ''إِيَّاکَ''، کومکرر اس لئے ذکر فرمایا تاکہ اس بات کی تصریح ہوجائے کہ جس طرح ذاتِ باری تعالیٰ مستقلاً معبود ہے اسی طرح مستقلاً مستعان بھی ہے، کیونکہ اگر حرفِ واو کے ذریعے ذکر کرتے تو یہ وہم ہوسکتا تھا کہ معبود اور مستعان کا مجموعہ تو ذاتِ باری تعالیٰ پر منحصر ہے، لیکن ہر ایک تنہا تنہا ذاتِ باری تعالیٰ پر منحصر نہیں بلکہ غیر کے اندر بھی پایا جاسکتا ہے، تو اس وہم کو دور کرنے کے لئے لفظ ''إِيَّاکَ''، کومکرر ذکر فرمایا اور بتلادیا کہ جس طرح مجموعہ ذات باری تعالیٰ پر منحصر ہے اسی طرح تنہا تنہا عبادت اور استعانت بھی ذات باری تعالیٰ پر منحصر ہے، تو ضمیر کومکرر لاکر اس بات کی وضاحت کردی کہ اللہ رب العزت ہی مستعان ہے:

وكرر الضمير للتنصيص على أنه المستعان به لا غير. ❶

وتكرير الضمير المنصوب للتنصيص على تخصيصه تعالى بكل واحدة من العبادة والإستعانة ولإبراز الاستلذاذ بالمناجاة والخطاب. ❷

''إِيَّاکَ نَعْبُدُ'' میں حصر حقیقی ہے اور ''إِيَّاکَ نَسْتَعِينُ'' میں حصر ادعائی ہے

علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۳ھ) فرماتے ہیں کہ ''إِيَّاکَ نَعْبُدُ'' میں حصر حقیقی ہے جبکہ ''إِيَّاکَ نَسْتَعِينُ'' میں حصر ادعائی ہے:

فالحصر في إِيَّاکَ نَعْبُدُ حقيقي والقصر في إِيَّاکَ نَسْتَعِينُ ادعائي. ❸

---

❶ التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۷

❷ تفسير أبي السعود: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۶

❸ التحرير والتنوير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۸۶

''نَسْتَعِینُ'' کی صرفی تحقیق

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

وأصـل نستعين نستعون، قلبت حركة الواو إلى العين فصارت ياء، والمصدر استعانة. ❶

''نَسْتَعِینُ'' اصل میں ''نَسْتَعْوِنُ'' تھا واو کی حرکت عین کو منتقل کر دی گئی اور واو کو یاء سے بدل دیا، اس کا مصدر ''**استعانة**'' ہے۔

استعانت کا مفہوم

۱.....مافوق الاسباب ۲.....ماتحت الاسباب

۱......مافوق الاسباب کا مطلب یہ ہے کہ عالمِ اسباب کی چیزوں سے قطع نظر کر کے اگر کسی کو نفع یا نقصان پہنچے تو وہ صرف اللہ رب العزت ہی کی طرف سے ہوگا، مثلاً: اگر کسی شخص نے کسی دوسرے کو زہر دے کر مار دیا یا تلوار یا بندوق سے اسے قتل کر دیا یا دریا میں ڈبو دیا، یا آگ میں جھونک دیا اور وہ مر گیا تو یہ کہا جائے گا کہ یہ عالمِ اسباب کے ماتحت ہوا، اسی طرح بھوکے کو کھانا کھلانا یا پیاسے کو پانی دے دینا یا بیمار کو دوائی دے دینا اور اس کی بظاہر مایوس کن حالت سنور گئی تو یہی کہا جائے گا کہ سلسلہ اسباب و مسببات کے مطابق ہوا ہے، مگر ان تمام تر چیزوں کی عدم موجودگی میں جب کوئی بظاہر سبب نظر نہ آتا ہو اور ہم دیکھیں کہ کسی کو نفع یا نقصان ہو رہا ہے یا ہم اپنی تدبیر کے موافق منافع اور سودمند چیزیں ہی استعمال اور اختیار کرتے ہیں، لیکن وہ تمام ہمارے خلاف واقع ہو تو یہ کہا جائے گا کہ یہاں ایک ایسی زبردست قدرت کا ہاتھ ہے جس کے سامنے کسی کا بس و چارہ نہیں اور یہ معاملہ مافوق الاسباب ہوگا۔

---

❶ تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ۱ ص ۱۹۱

۲...... ماتحت الاسباب استعانت کا جواز شرعی نصوص سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی زندہ کے پاس موجود شخص سے ایسی چیز کی طلب کرے جو عادتاً اس کے بس اور اختیار میں ہو اس کو ماتحت الاسباب یا ظاہری استعانت کہا جاتا ہے، اور اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں جیسے سورہ مائدہ میں حق تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى (المائدۃ: ۲)

ترجمہ: نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو۔

ستائیسویں بحث: استعانت کی پانچ اقسام

حضرت مولانا خیر محمد جالندہری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: استعانت کی پانچ صورتیں ہیں۔

دو خالصتاً کفر اور شرک ہیں، اور دو حرام ہیں مگر چوتھی صورت میں کفر کا شبہ قوی ہے اور پانچویں صورت مباح وجائز ہے۔ تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

استعانت کی پہلی اور دوسری صورت کفر اور شرک ہے

۱...... کسی غیر اللہ کو فاعل مستقل اور قادر بالذات سمجھ کر مدد چاہنا۔

۲...... کسی کو قادر بعطاءِ الٰہی مان کر مستقل بالعرض سمجھ کر مدد چاہنا۔ یعنی یہ اعتقاد کرنا کہ خدا تعالیٰ نے اس مخلوق کو ایسی قدرت اور اختیار دیا ہے کہ جو امور طاقتِ بشریہ سے باہر ہے ان میں جس طرح چاہے تصرف کرے اور جس کو چاہے دے اور جس کو چاہے محروم کر دے، وہ بعد عطاءِ الٰہی کے ان امور میں مستقل اور مختار ہے۔ حق تعالیٰ کے علم وارادہ کو اب اس میں کچھ دخل نہیں یہ دونوں صورتیں کفر اور شرک ہیں۔ مشرکینِ عرب بھی ملائکہ اور بتوں کے متعلق یہی عقیدہ رکھتے تھے اور کہا کرتے تھے:

مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللّٰهِ زُلْفَى. (الزمر: ۳)

ترجمہ: ہم تو ان کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہم کو اللہ کا مقرب بنا دے۔

استعانت کی تیسری اور چوتھی صورت حرام ہے

۳......عقیدے میں اس غیر کو نہ مستقل بالذات سمجھے اور نہ مستقل بالعرض لیکن معاملہ اس کے ساتھ مستقل بالذات کا کرے، مثلاً اس کو یا اس کی قبر کو سجدہ کرے یا اس کے نام کی نذر مانے۔

۴......استعانت بالغیر میں اس غیر کے مستقل سمجھنے کا ایہام ہوتا ہو، جیسے روحانیات سے مدد مانگنا اگرچہ یہ شخص مستقل نہ سمجھتا ہو لیکن چونکہ مشرکین ارواح کو فاعلِ مستقل سمجھ کر مدد مانگتے ہیں اسی لئے ان کے شعار کا اظہار اور تائید ہوگی، یہ دو صورتیں حرام ہیں بلکہ چوتھی صورت کے کفر ہونے کا قوی شبہ ہے۔

استعانت کی پانچویں صورت مباح و جائز ہے

جو امور طاقتِ بشریہ کے تحت داخل ہوں اور کارخانہ عالم کے اسباب کے ساتھ مربوط و متعلق ہوں اور کسی شخص کو ان کے فاعلِ مستقل ہونے کا توہم بھی نہ ہوتا ہو، خواہ امورِ عادیہ سے ہوں جیسے روٹی کی امداد سے بھوک رفع کرنا، اور پانی کی امداد سے پیاس رفع کرنا، اور دواء سے مرض کا علاج کرنا وغیرہ، اور خواہ امورِ شرعیہ سے ہوں جیسے: دعا ورقیہ اور تعویذ اور صبر و نماز وغیرہ یہ صورت استعانت کی جائز و مباح ہے۔ [1]

اس موضوع پر سیر حاصل بحث کے لئے مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوری رحمہ اللہ کے رسائلِ چاندپوری میں رسالہ ''سبیل السداد فی مسئلۃ الاستمداد'' ج ۲ ص ۷۱ سے ۱۱۰ تک کا مطالعہ کریں۔

---

[1] آثار خیر: ص ۲۹۸ تا ۳۰۰

اٹھائیسویں بحث: اہلِ بدعت کا استعانت بالغیر پر استدلال اور اس کا کئی وجوہ سے ابطال

مولوی نعیم الدین مراد آبادی اپنی تفسیر میں ''اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ'' کے تحت لکھتا ہے کہ استعانت خواہ بواسطہ ہو یا بلا واسطہ ہر طرح اللہ رب العزت کے ساتھ خاص ہے، حقیقی مستعان وہی ہے باقی آلات وخدام واحباب وغیرہ عون الٰہی کے مظہر ہیں، بندے کو چاہئے کہ اس پر نظر رکھے اور ہر چیز میں دست قدرت کو کارکن دیکھے، اس سے یہ سمجھنا کہ اولیاء وانبیاء سے مدد چاہنا شرک ہے عقیدہ باطلہ ہے۔ کیونکہ مقربانِ حق کی امداد، امداد الٰہی ہے استعانت بالغیر نہیں ہے، اگر اس آیت کے وہ معانی ہوتے جو وہابیہ نے سمجھے ہیں تو قرآن پاک میں ''فَأَعِینُونِی بِقُوَّةٍ'' اور ''اِسْتَعِینُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلاۃِ'' کیوں وارد ہوتا؟ احادیث میں اہل اللہ سے استعانت کی تعلیم کیوں دی جاتی؟ [1]

یہ تفسیر کئی وجوہ کی بناء پر باطل ہے

۱......پہلی وجہ تو یہ ہے کہ عربی کا ایک مبتدی طالبِ علم بھی جانتا ہے کہ یہاں ''نَسْتَعِینُ'' کا مفعول اور معمول ''اِیَّاکَ'' ضمیر منفصل کی صورت میں محض اس لئے مقدم ہے کہ حصر کا فائدہ دے اور استعانت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات اور صفات میں مختص ہو جائے، ابتدائی جملوں میں خود مولوی نعیم الدین نے بھی کافی حد تک اس کا اقرار بھی کیا ہے۔ مگر اس سے ان کی بریلویت اور بدعت کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور اس سے ان کے عقیدے پر ضرب لگتی ہے تو فوراً پینترا بدل کر یہ لکھا کہ اس سے یہ سمجھنا اولیاء اور انبیاء سے مدد مانگنا شرک ہے عقیدہ باطلہ ہے۔ انہوں نے قرآنِ کریم کی تفسیر میں تحریف کر کے اپنے لئے چور دروازہ کھولا ہے۔

---

[1] کنزالایمان: ص ۱، مکتبہ رضویہ کراچی

۲......دوسری وجہ یہ ہے کہ مولوی نعیم الدین نے جو تفسیری احتمال "إِيَّاکَ نَسْتَعِينُ" کا بیان کیا ہے وہی احتمال بعینہ "اِيَّاکَ نَعْبُدُ" میں بھی جاری ہوسکتا ہے، مثلاً ایک شخص حضراتِ انبیاء کرام واولیاءِ عظام کو سجدہ کرتا ہے یا نماز وروزہ یا قربانی وغیرہ ان کے نام کی کرتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ درحقیقت تو میں عبادت بواسطہ یا بلاواسطہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ادا کررہا ہوں مگر ان حضرات کو صرف تقرب الٰہی کا مظہر سمجھتا ہوں تو کیا یہ تفسیر صحیح ہے؟ اگر یہ صحیح ہے پھر غیر اللہ کی عبادت کیوں صحیح نہیں؟ اور کس دلیل سے؟ اور اگر یہ غلط ہے تو پھر غیر اللہ سے استعانت کا عقیدہ کس طرح صحیح ہے؟ تو جس طرح عبادت غیر اللہ کی باطل ہے اسی طرح مافوق الاسباب استعانت بھی باطل ہے۔

۳......تیسری وجہ یہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۷۶ھ) لکھتے ہیں کہ اقسامِ شرک میں سے ایک یہ ہے کہ مشرکین اپنی حاجتوں میں غیر اللہ سے استعانت کرتے تھے، مثلاً بیمار کی شفاء یابی اور فقیر کی غناء وغیرہ اور ان کے لئے نذریں مانتے تھے اور ان کی وجہ سے وہ اپنی مرادیں پوری ہونے کی امید رکھتے تھے، اور برکت حاصل کرنے کی امید پر وہ ان کے نام ورد کے طور پر پڑھتے تھے، پس اللہ تعالیٰ نے ان پر واجب کردیا کہ وہ اپنی نماز میں "إِيَّاکَ نَعْبُدُ وَإِيَّاکَ نَسْتَعِينُ" پڑھے اور نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اللہ رب العزت کے ساتھ کسی کو مت پکارو، اور دُعا سے یہاں عبادت مراد نہیں جیسا کہ بعض مفسرین نے کہا ہے بلکہ استعانت مراد ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم صرف اس کو پکاروگے پس وہ ہی تمہاری تکلیف کو دور کرے گا۔ [1]

اس عبارت سے واضح ہوا ہے کہ غیر اللہ سے استعانت شرک ہے۔ باقی "فَأَعِينُونِيْ بِقُوَّةٍ" اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ذوالقرنین نے سدّ سکندری کے مقام کے قریب پہنچ کر

---

[1] حجة الله البالغة: باب أقسام الشرک، ج ۱ ص ۱۲۰

لوگوں کی درخواست سنی کہ یاجوج ماجوج انہیں ستاتے ہیں تو انہوں نے ایک بند قائم کیا تاکہ لوگ یاجوج ماجوج کی تکلیف سے بچ جائیں، اور ان لوگوں نے آپ کے لئے مالی امداد کا بھی کہا تو حضرت ذوالقرنین نے فرمایا کہ مجھے مال کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت کچھ عطا فرمایا ہے البتہ تم بدنی طور پر میری امداد کرو، ''فَأَعِيْنُونِيْ بِقُوَّةٍ'' میں وہ امداد نہیں جو شرک وبدعت کے شیدائی کہتے ہیں، اس ظاہری استعانت سے مطلق یا مافوق الاسباب استعانت کا جواز ثابت کرنا عوام الناس کو مغالطہ دینا ہے۔

''اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ'' سے استدلال کا جواب یہ ہے کہ یہاں حرفِ باء سبب کے لئے ہے، مطلب یہ ہے کہ صبر اور صلاۃ کے ذریعے سے استعانت طلب کرو، یہ تو صرف ذریعہ ہے مستعان ہرگز نہیں، مستعان تو صرف ایک اللہ رب العزت ہی کی ذات ہے۔ جیسا کہ ''إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ، اور ''وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ'' اور ''اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْتَعِينُكَ'' وغیرہ۔ الغرض کتبِ احادیث میں ایک بھی صحیح حدیث ایسی نہیں ہے کہ جس سے مافوق الاسباب اہل اللہ سے استعانت کا ذکر ہو، اگر اس دعویٰ میں کوئی صداقت ہو تو کوئی ثبوت لایا جائے۔ یہ محض عوام کو دھوکہ دینا ہے۔

اس موضوع پر سیر حاصل بحث کے لئے اہل علم حضرات محقق العصر امامِ اہلسنت شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کی تصنیف ''تنقید متین بر تفسیر نعیم الدین''، صفحہ ۲۲ سے ۳۳ تک مطالعہ فرمائیں۔

انتیسویں بحث: لفظ عبد اور عبادت قرآن کریم میں تیس (۳۰) طرح سے استعمال ہوا ہے

علامہ مجد الدین فیروز آبادی رحمہ اللہ (متوفی ۸۱۷ھ) فرماتے ہیں:

وَرَدَ العَبْدُ والعِبادة في القرآن على ثلاثين وجها:

الأول عامّ للمُؤمن والكافر: وَاللّٰهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ، رِزْقاً لِّلْعِبَادِ، وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ. خاصّ بالمؤمنين: وَاللّٰهُ رَؤُوفٌ بِالْعِبَادِ، اللّٰهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ، قُل لِّعِبَادِیَ الَّذِينَ آمَنُوا. خاصّ بالكفار: ياحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ، إِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ. بمعنى المماليک: وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ، وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكٍ. بمعنى المطيعين: وَعِبَادُ الرَّحْمَانِ. بمعنى العاصين المجرمين: وَكَفَى بِرَبِّکَ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ خَبِيرَاً بَصِيراً، قُلْ ياعِبَادِیَ الَّذِينَ أَسْرَفُواْ عَلَى أَنفُسِهِمْ. بمعنى الأبرار والأخيار: عَيْناً يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ. بمعنى المصطَفين والمجتَبين من النَّاسِ كالأنبياءِ وغيرهم. ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا، وَسَلاَمٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى. أَهل القُرْبة والكرامة: وَإِذَا سَأَلَکَ عِبَادِی عَنِّی فَإِنِّی قَرِيبٌ. بمعنى أُمَّة النبيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نَبِّیءْ عِبَادِی أَنِّی أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ، أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِیَ الصَّالِحُونَ. بمعنى أُمَّة موسَى عليه السلام: وَأَوْحَيْنَآ إِلَى مُوسَى أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِی. بمعنى الأَتقياء: مِنْ عِبَادِنَا مَن كَانَ تَقِيّاً. بمعنى أَهل الجنَّة: جَنَّاتِ عَدْنٍ الَّتِی وَعَدَ الرَّحْمَانُ عِبَادَهُ. بمعنى قوم نوح: إِنَّکَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّواْ عِبَادَکَ. بمعنى الأَنبياء: وَلَكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلَى مَن يَشَآءُ مِنْ عِبَادِهِ، يُلْقِی الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِ عَلَى مَن يَشَآءُ مِنْ عِبَادِهِ.

بمعنى المنازعينَ للأنبياء: وَلاكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَى مَن يَشَآءُ. بمعنى مَلائكة الملكوت: وَجَعَلُواْ الْمَلائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمَانِ، بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ. بمعنى المخلَصِينَ المعصومين: إِنَّ عِبَادِى لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ. بمعنى المنصورين على الأَعداءِ: وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ. بمعنى العلماء: إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ. بمعنى المستحِقّين للبشرى: فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ. بمعنى أَهل الخصوص عند الوفاة ويوم القيامة: ياعِبَادِ لاَ خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ. بمعنى نوح عليه السلام: إِنَّهُ كَانَ عَبْداً شَكُوراً. بمعنى إِبراهيم الخليل وأَولاده: وَاذْكُرْ عِبَادَنَآ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ. بمعنى لوط: كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ. بمعنى أَيُّوب عليه السلام: إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِراً نِّعْمَ الْعَبْدُ. وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ أَيُّوبَ. بمعنى داوُدَ في مقام الأَوْبةِ والإِنابة: وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُودَ ذَا الأَيْدِ إِنَّهُ أَوَّابٌ. بمعنى سليمان في مقام شكر النّعمة: وَوَهَبْنَا لِدَاوُودَ سُلَيْمَانَ نِعْمَ الْعَبْدُ. بمعنى عيسى عليه السلام: قَالَ إِنِّى عَبْدُ اللّٰهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِى. بمعنى سيّد المرسلين: لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ، فَأَوْحَى إِلَى عَبْدِهِ مَآ أَوْحَى، سُبْحَانَ الَّذِى أَسْرَى بِعَبْدِهِ. [1]

ترجمہ: لفظ ''عبد وعبادت'' قرآن کریم میں تیس (۳۰) مختلف طرح سے استعمال ہوا، اہلِ علم حضرات کے استفادہ کے لئے انہیں ذکر کیا جاتا ہے:

۱.....مؤمنین اور کفار دونوں کے لئے۔ ۲.....صرف مؤمنین کے لئے۔ ۳.....صرف کفار کے لئے۔ ۴.....غلاموں کے لئے۔ ۵.....اطاعت گزاروں کے لئے۔ ۶.....نافرمان مجرمین کے لئے۔ ۷.....نیکوکار اور پسندیدہ لوگوں کے لئے۔ ۸.....لوگوں میں سے چُنے

---

[1] بصائر ذوي التمييز في لطائف الكتاب العزيز: الباب التاسع عشر، ج۴ ص ۱۱

ہوئے منتخب اور برگزیدہ بندے جیسے ابراہیم علیہم السلام اوران کے علاوہ۔۹.....مقرب اور معزز لوگ۔۱۰..... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت۔۱۱.....موسی علیہ السلام کی امت۔ ۱۲.....متقی اور پرہیزگار لوگ۔۱۳..... جنت والے۔۱۴.....نوح علیہ السلام کی قوم۔۱۵..... انبیاء علیہم السلام۔ ۱۶..... انبیاء علیہم السلام کے ساتھ جھگڑنے والے۔ ۱۷..... ملائکہ (فرشتے)۔ ۱۸.....مخلص معصوم لوگ۔ ۱۹.....دشمنوں کے مقابلے میں مدد کئے ہوئے۔ ۲۰.....علماء۔۲۱..... بشارت کے مستحق لوگ۔۲۲.....مقرب لوگ بوقت وفات اور قیامت کے دن۔۲۳.....نوح علیہ السلام۔۲۴..... حضرت ابراہیم علیہ السلام اوران کی اولاد۔ ۲۵.....لوط علیہ السلام۔۲۶.....ایوب علیہ السلام۔۲۷.....طاقت وراوراللہ کی طرف رجوع کرنے والے حضرت داود علیہ السلام۔۲۸.....نعمت کے شکر کے مقام میں حضرت سلیمان علیہ السلام۔۲۹.....عیسی علیہ السلام۔۳۰..... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے:

آیت کا ماقبل سے ربط

''إِيَّاکَ نَسْتَعِينُ'' میں بندے نے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی،تو اب گویا اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا کہ اے میرے بندے! میں تمہاری کس طرح اعانت ومدد کروں، توبندوں نے اللہ تعالیٰ سے کہا''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ'' یعنی اے اللہ! ہمیں سیدھی راہ پر چلا۔ یا یہ کہ ''نَسْتَعِينُ''میں بہت سارے مقاصد شامل تھے ان میں سے جو مقصودِ اعظم تھا اس آیت میں اسے علیحدہ سے بیان کیا گیا:

اهدنا الصراط المستقيم بيان للمعونة المطلوبة فكأنه قال: كيف أعينكم فقالوا: اهدنا. أو إفراد لما هو المقصود الأعظم. [1]

إهدنا بيانا للمطلوب من المعونة كأنه قيل كيف أعينكم فقالوا

[1] التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۸

إهدنا الصراط المستقيم. ❶

’’اَلصِّرَاط‘‘ کو معرفہ ذکر کرنے میں کیا حکمت ہے؟

عربی بلاغت کا یہ قاعدہ ہے کہ جب موصوف پر الف لام داخل ہوتا ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ یہ موصوف اس صفت کا زیادہ حقدار ہے۔اسی بنا پر ’’**جالس فقيها أو عالما**‘‘ اور ’’**جالسِ الفقيه أو العالم**‘‘ دونوں فصاحت کے لحاظ سے یکساں نہیں ہو سکتے۔ یہی فرق ’’**أكلت طيبا**‘‘ اور ’’**أكلت الطيب**‘‘ میں ہے۔حدیث میں ہے:

أَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُكَ الْحَقُّ وَقَوْلُكَ الْحَقُّ. آخر میں فرمایا: **وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ.** ❷

مذکورہ بالا قاعدہ کی روشنی میں اس روایت کے الفاظ میں غور وفکر کریں۔ایسی اشیاء کے ناموں کے بعد حق پر الف لام نہیں لایا گیا ہے جو غیر قدیم (حادث) ہیں، یعنی جنت اور جہنم، لیکن اسمِ رب اور اس کے وعدہ اور کلام کے بعد حق پر الف لام لایا گیا ہے۔

اگر ’’**اِهْدِنَا صِرَاطاً مُسْتَقِيْمًا**‘‘ کہا جاتا تو یہ معنی ہوتے کہ ایک غیر معین راستہ کی طرف ہدایت کردے، حلانکہ یہاں وہ معین راستہ مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے انعام یافتہ بندوں کے لئے بنایا ہے اور اسی راہ پر چل کر انسان اپنے خالق کی رضا اور خوشنودی حاصل کر سکتا ہے۔ یہ حق وہی دین حق ہے جس کے علاوہ کوئی دین بھی صحیح معنوں میں دین کہلانے کا مستحق نہیں، یہی دین ہے جس کی معرفت، تصدیق اور تمام غلط راہوں سے اس کی امتیازی شان دل میں سمائی ہوئی ہے۔اس بنا پر صراط کو یہاں معرفہ لایا گیا ہے۔ ❸

---

❶ روح المعاني: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۲۲

❷ صحيح البخاري: كتاب الجمعة، باب التهجد بالليل ... إلخ، ج ۲ ص ۴۸، رقم الحديث: ۱۱۲۰

❸ بدائع التفسير لابن القيم: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۶۷

’’صراط‘‘ کا ماخذ اور اس کی لغوی تحقیق

عربی زبان کا محاورہ ہے’’صرطت الشیئ ‘‘یعنی میں نے اس کو آسانی سے نگل لیا۔ راستہ کو صراط اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ گزرنے والے کو ایک جگہ سے دوسری جگہ بآسانی منتقل کر دیتا ہے، گویا اس کو نگل جاتا ہے۔ صراط اسی راستہ کو کہیں گے جس میں یہ پانچ اوصاف پائے جائیں:

ا..... مستقیم، سیدھا راستہ۔ ۲..... آسان۔ ۳..... آباد، چلتا پھرتا۔ ۴..... کشادہ۔

۵..... منزل مقصود تک پہنچا دینے والا۔

ٹیڑھے، دشوار گزار اور بند راستہ کو صراط نہیں کہیں گے۔ عربی کلام کے مواقع استعمال پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی۔

جریر رحمہ اللہ نے کہا ہے:

أَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى صِرَاطٍ إِذَا اعْوَجَّ الْمَوَارِدُ مُسْتَقِيْم ❶

امیر المومنین سیدھے راستہ پر ہیں جبکہ دوسری گزرگاہیں کج اور ٹیڑھی ہیں۔

’’صراط‘‘ بالصاد اصل میں ’’سراط‘‘ بالسین تھا کیونکہ اس کا ماضی ’’سَرِط‘‘ سین کے ساتھ آتا ہے مگر سین کو صاد سے بدل دیا، بدلنے کی وجہ یہ ہے طاء حرف مجہورہ مستعلیہ میں سے ہے اور سین مہموسہ منخفضہ میں سے ہے تو گویا دونوں کی صفات متضادہ ہیں، لہٰذا ان کا جمع ہونا موجبِ ثقل ہے اس لئے سین کو صاد سے بدل دیا کیونکہ صاد کو طا اور سین دونوں سے مناسبت حاصل ہے، طاء سے حروف مطبقہ ہونے میں اور سین سے مہموسہ ہونے میں۔

’’سراط سرط الطعام إذا ابتلعه‘‘ سے ماخوذ ہے یہ اسی وقت بولتے ہیں جب کھانے والا کھانے کو نگل لے:

---

❶ بدائع التفسير: سورة الفاتحة، ج ا ص ٦٨

والسراط: من سرط الطعام إذا ابتلعه فكأنه يسرط السابلة، ولذلک سمي لقما لأنه يلتقمهم. والصراط من قلب السين صادا ليطابق الطاء في الإطباق. ❶

والسراط الجادة من سرط الشئ إذا ابتلعه كأنه يسرط السابلة إذا سلکوه والصراط من قلب السين صادا لتجانس الطاء في الإطباق لأن الصاد والضاد والطاء والظاء من حروف الإطباق. ❷

جمہور علماء کے ہاں لفظ ”صراط“ صاد کے ساتھ ہے

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

قراء ة الجمهور بالصاد. ❸

ترجمہ: جمہور حضرات کی قراءت ”صراط“ بالصاد کے ساتھ ہے۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں:

وقرأ الجمهور بالصاد وهي عندي أفصح وأوسع. ❹

ترجمہ: جمہور نے اس کو صاد کے ساتھ پڑھا، میرے نزدیک صاد والی قرائت زیادہ فصیح اور وسیع ہے۔

اللہ تعالیٰ نے لفظِ صراط کیوں فرمایا لفظ سبیل یا طریق کیوں نہیں فرمایا؟

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں:

وإنما قال الصراط ولم يقل السبيل ولا الطريق وإن كان الكل واحدا

---

❶ التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۹

❷ مدارک التنزيل: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۲

❸ تفسير ابن كثير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۳۰

❹ روح المعاني: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۲۴

ليكون لفظ الصراط مذكرا لصراط جهنم فيكون الإنسان على مزيد خوف وخشية.❶

ترجمہ: لفظ صراط فرمایا ''سبیل'' یا ''طریق'' نہیں فرمایا اگرچہ سب کا معنی ایک ہے، (لیکن اس لفظ کے اختیار کرنے میں حکمت یہ ہے کہ) یہ پُلِ صراط کی یاد دہانی کروانا ہے (کہ ہر انسان نے اس سے گزرنا ہے) تو اس سے مزید خوف اور ڈر پیدا ہوتا ہے۔

وللتذكير بذلك الصراط لم يقل السبيل ولا الطريق وإن كان الكل واحدا.❷

تیسویں بحث: ہدایت کا لغوی واصطلاحی معنی

علامہ ابن عطیہ اندلسی رحمہ اللہ (متوفی ۵۴۶ھ) ہدایت کا لغوی معنی بیان فرماتے ہیں:

والهداية في اللغة الإرشاد.❸

ترجمہ: ہدایت لغت میں رہنمائی کرنے کو کہتے ہیں۔

علامہ محمد طاہر ابن عاشور رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۳ھ) ہدایت کا اصطلاحی معنی بیان فرماتے ہیں:

والهداية في اصطلاح الشرع حين تسند إلى الله تعالى هي الدلالة على ما يرضي الله من فعل الخير ويقابلها الضلالة.❹

ترجمہ: ہدایت شرع کی اصطلاح میں منسوب ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف، ہدایت

---

❶التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ۱ ص ۲۱۹

❷روح المعاني: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۲۵

❸المحرر الوجيز في تفسير الكتاب العزيز: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۶

❹التحرير والتنوير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۸۸

کہتے ہیں کسی کی خیر کے کام کی طرف رہنمائی کرنا جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہو، اور اس ہدایت کا مقابل ضلالت (گمراہی) ہے۔

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں:

والهداية دلالة بلطف ولذلک تستعمل في الخير. ❶

ترجمہ: ہدایت کے معنی لطف اور مہربانی کے ساتھ رہنمائی کرنے کے ہیں اسی وجہ سے یہ لفظ خیر کے موقع پر استعمال کیا جاتا ہے۔

امام ابوالسعود محمد بن محمد حنفی رحمہ اللہ (متوفی ۹۸۲ھ) فرماتے ہیں:

الهداية دلالة بلطف على ما يوصل إلى البغية ولذلک اختصت بالخير. ❷

ترجمہ: ہدایت کے معنی نرمی اور پیار کے ساتھ رہنمائی کرنا جو مقصود تک پہنچائے، اسی وجہ سے اس لفظ کو خیر کے کاموں کے ساتھ خاص کیا گیا ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) فرماتے ہیں:

والهداية دلالة بلطف ولذلک تستعمل في الخير. ❸

ترجمہ: نرمی اور پیار کے ساتھ کسی کی رہنمائی کرنا اسی وجہ سے اس لفظ کو خیر کے موقع پر استعمال کیا جاتا ہے۔

''اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ'' کی تفسیر

امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ ''اِهْدِنَا'' میں دُعا اور بندہ کے اپنے آقا کی طرف متوجہ ہونے کا اشارہ ہے جس کا معنی ہے کہ ہمیں سیدھی راہ دکھا اور اس کی

---

❶ التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۸

❷ تفسير أبي السعود: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۷

❸ التفسير المظهري: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۲۰

طرف ہماری رہنمائی فرما، اپنی ہدایت کا وہ راستہ ہمیں دکھا جو تیری محبت اور قرب تک پہنچانے والا ہو۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اللہ عز وجل نے دعا کی عظمت اور اس کے انداز کو اس سورت کا موضوع بنایا ہے۔ آدھی سورت حمد و ثنا پر مشتمل ہے اور باقی آدھی طلبِ حاجات پر، جو دعا اِس سورت میں سکھائی گئی ہے، اُسے اس دعا سے افضل قرار دیا گیا ہے جو بندہ خود مانگتا ہے، کیوں کہ یہ رب العالمین کے کلام پر مشتمل ہے۔ اس طرح آپ رب العالمین سے ایسے الفاظ میں دعا کرتے ہیں جو اس کے اپنے ہیں اور ان سے خود ذاتِ باری تعالیٰ نے کلام فرمایا ہے۔ حدیث میں آیا ہے:

لَيْسَ شَيْءٌ أَكْرَمَ عَلَى اللّٰهِ مِنَ الدُّعَاءِ. ❶

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے نزدیک دُعا سے بڑھ کر شرف و کرامت والی کوئی چیز نہیں۔

اس کا ایک معنی یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ فرائض کی ادائیگی ہمیں سنت کے مطابق کرنے کی توفیق عطا فرما۔ ایک قول یہ ہے کہ ''اِهْدِنَا'' کا اصل معنی مائل کرنا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: هُدْنَا اِلَيْكَ. (الأعراف: ۱۵٦)

ہم تیری طرف مائل ہوئے۔

اسی سے لفظ ''هدية'' ہے جس کا معنی تحفہ ہے۔ اس کو بھی ''هدية'' اس لیے کہتے ہیں کہ وہ ایک کی ملکیت سے دوسرے کی ملکیت کی طرف جاتا ہے۔ قربانی کے لئے حرم کی طرف ہانکے جانے والے جانور کو ھدی کہتے ہیں۔ اس طرح ''اِهْدِنَا'' کا معنی یہ ہوا کہ ہمارے دل حق کی طرف مائل فرما دے۔ ❷

---

❶ سنن الترمذي: أبواب الدعوات، باب ما جاء في فضل الدعاء، ج۵ ص۴۵۵، رقم الحديث: ۳۳۷۰

❷ تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج۱ ص۱۴۷

کائنات میں پھیلی ہوئی ہدایت کے مناظر واقسام

ہدایت جو تمام کائنات کو شامل ہے۔اس کا ذکر اس آیت میں موجود ہے:

اَعۡطٰی کُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَهٗ ثُمَّ هَدٰی. (طه: ۵۰)

ترجمہ: اللہ وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی پیدائش بخشی، پھر اس کی راہنمائی کی۔

یعنی ہر شے کو ایسی صورت اور ساخت عطا کی کہ ایک دوسرے سے امتیاز ہو گیا۔ ہر عضو کو مناسب شکل سے آراستہ کیا، ہر موجود کو خاص بناوٹ سے سرفراز فرمایا۔ پھر جن کاموں کے لئے ان کو پیدا کیا تھا ان کی طرف راہنمائی کی۔ یہ حیوانی ہدایت ہے جس کے ذریعہ سے ہر جاندار اپنے نفع کو حاصل کرتا ہے اور نقصان سے بچتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ تمام حیوانات، نباتات، جمادات اور اعضائے انسانی نعمت ہدایت سے مالا مال ہیں، خواہ بظاہر صورت ونوع کے لحاظ سے کتنا ہی فرق کیوں نہ ہو۔ قدموں کو چلنے، ہاتھ کو پکڑنے، زبان کو بولنے، کان کو سننے اور آنکھ کو دیکھنے کی ہدایت عطا فرمائی ہے۔ حیوانات میں سے ہر جوڑا اس فطرتی ہدایت کی بنا پر صنفی تعلق، بقائے نسل اور تربیت اولاد کی طرف مائل ہوتا ہے۔ بچہ خود بخود اسی ہدایت کی بدولت ماں کی چھاتی سے غذا حاصل کرتا ہے۔ یہ ہدایت کی وہ شکلیں اور قسمیں ہیں، جن کا شمار سوائے اللہ رب العزت کے اور کون کرسکتا ہے۔

شہد کی مکھی کو دیکھیں، کس طرح پہاڑوں درختوں اور مکانوں میں اپنا گھر بناتی ہے اور اللہ رب العزت کی ہدایت کے مطابق اپنا پروگرام پورا کرتی ہے۔ اپنی راہ اور روش سے ہٹنا جانتی ہی نہیں۔ پھر غور سے دیکھیں اپنی سردار (ملکہ) کے پورے نظام کی پیروی کرتے ہوئے کس خوبی وکمال سے اپنا مضبوط خوشنما چھتا تعمیر کر لیتی ہے۔

ساری کائنات میں پھیلی ہوئی ہدایت کے مناظر کو جو انسان بھی غور وفکر کی نگاہ سے دیکھے گا وہ یقیناً اس نتیجہ پر پہنچ جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الٰہ نہیں، وہ پوشیدہ اور ظاہر کا

علم رکھتا ہے،عزت وحکمت کا اصل مالک وہی ہے۔ جب آپ نے یہ مان لیا کہ اللہ تعالیٰ نے حیوانات کو بے کار نہیں چھوڑا بلکہ ان کو ایسی ہدایت سے نوازا ہے۔ جس سے خود انسانی عقل اور سمجھ، عاجز و درماندہ ہے۔ پھر کیسے ہوسکتا ہے کہ انسان جیسی اشرف المخلوقات ہستی بے کار و مہمل چھوڑ دی جاتی، رب العالمین کی طرف سے کوئی ہدایت نامہ اس کے پاس نہ آتا۔ اس کو اعلیٰ مقصد اور انتہائی کمالات کی راہ نہ بتلائی جاتی اور ثواب وعذاب کے اسباب وتفصیلات سے آگاہ نہ کیا جاتا، ایسا ہونا رب اکبر کی حکمت وعزت کے یکسر منافی ہے۔ اس لئے اس نے اپنے کلام پاک میں اس عیب سے براءت ظاہر کی ہے اور اس قسم کے لوگوں کی سخت مذمت فرمائی ہے:

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنَاکُمْ عَبَثًا وَاَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ فَتَعٰلَی اللّٰهُ الْمَلِکُ الْحَقُّ. (المؤمنون:۱۱۵)

ترجمہ: کیا پھر تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم نے تم کو بے کار پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹ کر نہ آؤ گے، وہ سچا بادشاہ اس بات سے بلند ہے۔

اس قسم کے گمان سے اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو پاک بتلایا ہے۔ یہ خیال ہی ایسا ہے جس کے بطلان اور فساد سے کسی سلیمُ الفطرت، صحیح العقل انسان کو انکار ہی نہیں ہوسکتا، یہاں سے عقلی طور پر قیامت کا بھی ثبوت مل گیا۔ جس نے ہمارے اس استدلال کو سمجھ لیا اس کے لئے ذیل کی دو آیتوں میں تناسب، ربط اور تعلق معلوم کرنا مشکل نہیں:

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طَائِرٍ یَطِیرُ بِجَنَاحَیْهِ اِلَّا اُمَمٌ اَمْثَالُکُمْ مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتَابِ مِنْ شَیْءٍ ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمْ یُحْشَرُوْنَ. (الأنعام:۳۸)

ترجمہ: اور نہیں ہے کوئی جانور زمین میں اور نہ کوئی پرندہ جو اڑتا ہوا اپنے دونوں بازوؤں کے ساتھ مگر وہ امتیں ہیں تمہاری مانند۔ ہم نے کتاب میں سب کچھ درج کردیا ہے۔

پھر تم اپنے رب کی بارگاہ میں جمع کیے جاؤ گے۔

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ قُلْ إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ عَلَى اَنْ يُنَزِّلَ آيَةً وَلَكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ. (الأنعام:۳۷)

ترجمہ: اور کافروں نے کہا کہ اس کے رب کی طرف سے اس پر کوئی نشانی کیوں نہیں اتری۔ کہہ دو بے شک اللہ تعالیٰ نشانی کے اتارنے پر قادر ہے، لیکن ان میں سے اکثر علم نہیں رکھتے۔

اس مقام پر منکرینِ نبوت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال کے جواب میں حیوانات کا ذکر خاص حکمت رکھتا ہے، اس اندازِ بیان سے اثبات نبوت کی طرف لطیف اشارہ ہو گیا۔ جس خالق نے زمین پر چلنے والے، فضا میں اڑنے والے جانوروں کو اپنی ہدایت سے محروم نہیں کیا بلکہ ان کو امم (گروہ در گروہ، جماعتی رنگ میں) بنایا اور ان کو مقاصد و مصالح بتلائے، وہ تم کو تمہارے مقاصد و مصالح اور راہ نجات سے کیسے نا آشنا رکھ سکتا ہے۔ یہ ہدایت کی پہلی قسم ہے۔

۲..... خیر و شر، نجات و ہلاک اور ثواب و عذاب کی راہوں کو بندوں پر واضح کر دینا اور ان کو یہ بتلا دینا کہ اس راہ میں تمہاری ابدی فلاح پوشیدہ ہے اور اس کے علاوہ دوسری راہوں میں سوائے ابدی بدبختی اور تباہی سے کچھ نہیں۔ یہ ہدایت منزلِ مقصود تک پہنچانے والی کامل ہدایت سے کم معنی نہیں ہے اور نہ ہی یہ ضروری ہے کہ جب یہ ہدایت حاصل ہو تو کامل ہدایت بھی حاصل ہو جائے، مثلاً فرمایا:

وَاَمَّا ثَمُودُ فَهَدَيْنَاهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمَى عَلَى الْهُدَى. (فصلت:۱۷)

ترجمہ: ہم نے (قوم) ثمود کو راستہ بتلا دیا لیکن انہوں نے اندھے پن (گمراہی) کو ہدایت کے مقابلے میں پسند کر لیا۔

اور یہی معنی اس آیت کے ہیں:

وَإِنَّکَ لَتَهْدِی إِلَی صِرَاطٍ مُسْتَقِیمٍ. (الشوریٰ: ۵۲)

ترجمہ: بے شک آپ لوگوں کو سیدھی راہ بتلاتے ہیں۔

۳..... ہدایت توفیق والہام، یعنی منزلِ مقصود تک پہنچا دینا۔ اس ہدایت کے بعد پھر راہ حق سے انسان بھٹک نہیں سکتا۔ مثلاً:

یُضِلُّ مَنْ یَشَاءُ وَیَهْدِی مَنْ یَشَاءُ. (النحل: ۹۳)

ترجمہ: گمراہ کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور ہدایت کرتا ہے جسے چاہتا ہے۔

اور اسی معنی میں یہ ارشاد ہے:

ومن یهد الله فلا مضل له.

نیز ارشاد باری تعالی ہے:

مَنْ یُضْلِلِ اللَّهُ فَلا هَادِیَ لَهُ. (الأعراف: ۱۸۶)

ترجمہ: جس کو اللہ گمراہ کر دے اُس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

اِنَّکَ لَا تَهْدِیْ مَنْ أَحْبَبْتَ. (القصص: ۵۶)

ترجمہ: (اے پیغمبر!) حقیقت یہ ہے کہ تم جس کو خود چاہو ہدایت تک نہیں پہنچا سکتے۔

یہاں ہدایت بمعنی سوم کی نفی کی گئی ہے، اور دوسری آیت میں ہدایت بمعنی دوم آپ کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ فرمایا: وَإِنَّکَ لَتَهْدِی إِلَی صِرَاطٍ مُسْتَقِیمٍ. (الشوریٰ: ۵۲)

یہ ہدایت کی چوتھی قسم، تیسری قسم کی اصل غرض وغایت ہے۔ یعنی قیامت کے روز جنت اور جہنم کی طرف ہدایت، جب کہ مؤمن وکافر، ثواب وعذاب کی طرف ہنکائے جائیں گے، ذیل کی آیت میں ہدایت اسی معنی میں مستعمل ہے۔

اِنَّ الَّذِینَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ یَهْدِیهِمْ رَبُّهُمْ بِاِیْمَانِهِمْ. (یونس: ۹)

ترجمہ: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے، انکا رب ان کو ہدایت کرے

گا ان کے ایمان کی وجہ سے۔

اہل جنت، جنت میں داخل ہو کر کہیں گے:

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِى هَدَانَا لِهَذَا. (الأعراف: ۴۳)

ترجمہ: تمام تعریفیں اس اللہ رب العزت کے لئے جس نے اس (نعمت) کی طرف ہمیں ہدایت فرمائی۔

اہلِ جہنم کے بارے میں اللہ رب العزت نے فرمایا:

احْشُرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَاَزْوَاجَهُمْ... فَاهْدُوهُمْ إِلَى صِرَاطِ الْجَحِيمِ. (الصافات: ۲۳)

ترجمہ: ظالموں اور انکے اہل کو جمع کرو۔۔۔ پھر ان کو دوزخ کی راہ بتلا دو۔

سورۂ فاتحہ میں ہدایت کے چار مراتب میں سے دوسرا اور تیسرا مراد ہے۔ ❶

صراط اس راستے کو کہتے ہیں جس میں پانچ باتیں پائی جائیں

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (متوفی ۷۵۱ھ) فرماتے ہیں صراط اصل میں اس راستے کو کہتے ہیں جس میں پانچ باتیں پائی جائیں۔

۱... مستقیم یعنی سیدھا ہو۔ ۲... موصل الی المقصود ہو یعنی مقصد تک پہنچانے والا ہو۔ ۳... سب سے زیادہ قریب اور نزدیک ہو۔ ۴... وسیع اور کشادہ ہو۔ ۵... اور مقصد تک پہنچنے کے لئے اس کے سوا اور کوئی راستہ نہ ہو۔

جس راستے میں یہ پانچوں باتیں پائی جائیں اس کو صراط کہتے ہیں، جب تک یہ پانچ باتیں نہ پائی جائیں اس وقت تک اس پر صراط کا اطلاق نہیں ہوگا۔ ❷

---

❶ بدائع التفسير لابن القيم: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۸۴، ۸۵، ۸۶

❷ معارف القرآن کاندھلوی: سورۂ فاتحہ، ج ۱ ص ۲۵

دیانند سرسوتی کا اعتراض اور اس کا جواب

سوال: دیانند سرسوتی نے اعتراض کیا کہ مسلمان ساری زندگی صراطِ مستقیم کی دعا کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں زندگی بھر سیدھا راستہ نہیں ملتا۔

جواب: یہاں ہدایت طلب کرنے کا مطلب یہ ہے اے اللہ! ہمیں سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرما پھر ہمیں ہمیشہ سیدھے راستے پر ثابت قدم رکھ، چونکہ دنیا میں ہمیشہ ہدایت پر قائم نہ رہنے کا خطرہ رہتا ہے کہیں انسان راہ حق سے بھٹک نہ جائے، تو اس لئے دوام اور استمرار کے لئے انسان بار بار سوال کرتا ہے کہ اے اللہ! مجھے ہدایت پر قائم ودائم فرما، اس تقریر سے تحصیل حاصل والا شبہ بھی ختم ہوگیا:

إهدنا: أي ثبتنا على الهداية التي وهبتها منا، ونظيره قوله تعالى: رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا أي ثبتنا على الهداية. ❶

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

ومعناه: أدم هدايتنا، فإن الإنسان قد يهدى إلى الطريق ثم يقطع به. ❷

آیت کا معنیٰ ہے اے اللہ! ہماری ہدایت کو دوام بخش دے، کیونکہ انسان کبھی ہدایت پانے کے بعد بھی راستے سے بھٹک جاتا ہے۔

علامہ نسفی رحمہ اللہ (متوفی ۷۱۰ھ) فرماتے ہیں:

أي ثبتنا على المنهاج الواضح كقولک للقائم قم حتى أعود إليک أي أثبت على ما أنت عليه أو اهدنا فى الاستقبال كما هديتنا فى الحال. ❸

---

❶ التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ۱ ص ۲۱۹

❷ تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ۱ ص ۱۹۳

❸ مدارک التنزيل: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۲

اے اللہ! ہمیں اس واضح راستے پر ثابت قدم رکھ، جیسے آپ اس شخص سے جو پہلے سے کھڑا ہو کہتے ہو ''قُمْ حَتّٰی أَعُوْدَ إِلَیْکَ''تو کھڑا رہ یہاں تک کہ میں لوٹ کر آؤں، یعنی اس حالت پر جما رہ جس پر تو پہلے سے ہے، یا اس کا معنی ہے اے اللہ! ہمیں مستقبل میں بھی ہدایت پر (ثابت قدم رکھ) جیسے تو نے ہمیں حال (اور ماضی) میں رکھا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

لأن المراد الثبات والاستمرار والمداومة علی الأعمال المعينة علی ذلک، والله أعلم. ❶

مراد اعمالِ متعینہ کی ثابت قدمی، دوام اور ہیشگی ہے۔

حصولِ ہدایت کے لئے چھ امور میں تکمیل ضروری ہے

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (متوفی ۷۵۱ھ) فرماتے ہیں کہ بعض علماء نے جواب میں کہا کہ یہاں ہدایت سے ثابت قدمی اور ہیشگی مراد ہے، لیکن یہ کوئی ٹھوس جواب نہیں ہے اصل بات یہ ہے کہ بندہ ہدایت پا ہی نہیں سکتا جب تک کہ مندرجہ ذیل چھ امور حاصل نہ ہو جائیں، یہ امور وہ ہیں جن سے کوئی بندہ بھی بے نیاز نہیں ہو سکتا:

۱.....ان تمام باتوں کا علم جن سے اللہ رب العزت ناراض یا خوش ہوتا ہے، تا کہ مرضیاتِ الٰہی کی طلب اور ممنوعات سے پرہیز ہو سکے۔

۲.....ان تمام کاموں کے کرنے کا پورا عزم رکھے جن سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے اور ان تمام باتوں سے بچنے کا پختہ ارادہ کر لے جن سے اللہ رب العزت نے روکا ہے۔

۳.....اس عزم و ارادہ کو عملاً جاری رکھے اور اس سلسلہ میں کسی قسم کی کوتاہی نہ ہونے پائے۔

---

❶ تفسیر ابن کثیر: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۳۲

ان تینوں امور میں جس قدر کوتاہی ہوگی، اسی قدر ہدایت کاملہ میں کمی ہوگی ۔ یہ امور بطور اصول کے ہیں، باقی تین امور گویا تکملہ وتتمہ ہیں ۔

۴.....جن باتوں کا علم سرسری طور پر حاصل ہوا ہے، بندہ انکی تفصیلی معرفت کا محتاج ہے۔

۵.....کچھ امور ایسے ہوتے ہیں جن کے بعض پہلو روشن ہوتے ہیں اور بعض پہلو تاریک، بندہ اس بات کا سخت محتاج ہے کہ اس کے سامنے تمام پہلو بے نقاب ہو جائیں ۔

۶.....جن مسائل واعمال کے تمام گوشے تفصیل ووضاحت سے معلوم ہو چکے ہیں، ان پر ثابت قدم اور پابند رہنے کا بندہ محتاج ہے ۔

یہ چھ امور وہ ہیں جن کا تعلق آئندہ زمانہ سے ہے ۔ایک ساتواں امر بھی ہے جس کا تعلق گزشتہ زمانہ سے ہے، یعنی پہلی غلطیوں اور گناہوں سے توبہ ۔اس تفصیل کے جان لینے کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ بالفعل ہدایت موجود ہے، اس کے مانگنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس اعتراض کا یہ جواب کیسے کافی ہوسکتا ہے کہ یہاں ہدایت سے مراد ثابت قدمی اور مداومت ہے ۔ ہاں اگر یہ مذکورہ چھ امور حاصل ہوں تب ہدایت کے سوال کو ثابت قدمی اور دوامِ کا سوال قرار دیا جاسکتا ہے، لیکن یہاں یہ حال ہے کہ انسان جتنی باتیں جانتا ہے ان سے کہیں زیادہ ایسی باتیں ہیں جن سے وہ واقف نہیں ہے، جن اعمال کا وہ ارادہ کرتا ہے ان سے کہیں زیادہ ایسے اعمال ہیں جن کا وہ نہ ارادہ کرسکتا ہے اور نہ ان کے انجام دینے کا راستہ پا سکتا ہے، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ بندے میں قوت فاعلیہ پیدا کر دے ۔معلوم ہوا کہ اس آیت میں سوال ہمیشہ کے لئے اصل ہدایت ہی کا ہے نہ کہ محض ثابت قدمی کے ۔

حقیقت یہ ہے کہ بندہ ان تمام کاموں میں جن کو وہ انجام دیتا ہے یا چھوڑتا ہے، ہدایت ہے اور برابر اسے مزید علم کی ضرورت رہتی ہے اور رہے گی ۔اسی لئے بندہ کے لئے طلبِ ہدایت سے بڑھ کر کوئی چیز نفع بخش نہیں ہوسکتی ۔ [1]

---

[1] بدائع التفسیر : سورة الفاتحة، ج ١ ص ٨٦،٨٧

''اِهْدِنَا'' میں ضمیرِ جمع لانے میں کیا حکمت ہے؟

بعض لوگوں نے یہ جواب دیا ہے کہ یہاں انسان کے ہر ہر عضو کے لحاظ سے صیغہ جمع لایا گیا ہے، گویا ہر عضو ہدایت وفلاح کا طالب ہے، لیکن یہ جواب درست نہیں ہے۔ انسان پورے مجموعہ کا نام ہے نہ کہ الگ الگ ہر عضو اور جُز کا۔ جب بندہ ''اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ'' کہتا ہے تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنی پوری ذات کے لئے مغفرت ورحمت کا طالب ہے، اس وقت اسے اس بات کا خیال ہی نہیں ہوتا کہ میں نے اپنے ہر عضو کے لئے علیحدہ طور پر مغفرت ورحمت طلب کی ہے۔

اصل جواب یہ ہے کہ ''اِھْدِنَا'' میں جمع کا صیغہ ''اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ'' سے مطابقت کے لئے لایا گیا ہے۔

دونوں جگہ جمع کا استعمال خاص حسن وعظمت کو ظاہر کر رہا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں بندہ اپنی بندگی، غلامی اور محتاجی کا اقرار کر رہا ہے اور اپنے مالک سے مدد وہدایت کا طالب ہے۔ گویا یوں کہہ رہا ہے ہم صرف تیرے غلام ہیں اور تیری بندگی کا اعتراف کرتے ہیں۔

اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی غلام اپنے بارُعب باعظمت بادشاہ کے دربار میں عرض کرتا ہے کہ ہم تیرے غلام ہیں، تیرے مملوک ہیں، تیرے تابعدار ہیں، تیرے حکم سے کبھی ہم سرتابی نہ کریں گے، بادشاہ کے نزدیک یہ اندازِ درخواست جو اثر اور وقعت رکھتا ہے، وہ واحد صیغہ لانے کی صورت میں حاصل نہ ہوگا۔ ''اَنَا عَبْدُکَ'' میں تیرا غلام ہوں، اور ''نَحْنُ عِبَادُکَ'' ہم تیرے غلام ہیں، میں بڑا فرق ہے اور اگر غلام یوں کہہ دے کہ میں تنہا تیرا غلام ہوں تو بادشاہ کے عتاب سے محفوظ نہ رہ سکے گا۔ ''نَحْنُ عَبِیْدُکَ'' فقرہ بتلا رہا ہے کہ تیرے بندے اور تیرے غلام بہت سے ہیں اور ان میں سے ایک میں بھی ہوں اور ہم سب کے سب تیری غلامی اور نصرت وہدایت کی طلب میں یکساں شریک ہیں۔

یہاں جمع کا صیغہ اللہ تعالیٰ کی عظمت، اس کے بندوں کی کثرت اور طالبین ہدایت کی فراوانی کو ظاہر کر رہا ہے۔ مفرد صیغہ لانے کی صورت میں یہ فوائد حاصل نہ ہوتے، قرآن مجید کی اکثر دعائیں اسی انداز پر آئی ہیں فرمایا:

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً. (البقرة: ۲۰۱)

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی۔ ❶

اللہ تعالیٰ نے ''اهدنا''، میں جمع متکلم کا صیغہ ذکر کیا ''اِهْدِنِيْ''، واحد متکلم کیوں ذکر نہیں کیا اس میں کیا حکمت ہے؟

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں:

لم قال إهدنا ولم يقل إهدني؟ أن الدعاء كلما كان أعم كان إلى الإجابة أقرب. ❷

دعا میں جس قدر عموم زیادہ ہوگا تو وہ قبولیت کے زیادہ قریب ہوگی تو ''اِهْدِنَا''، جمع متکلم میں عموم زیادہ ہے بہ نسبت واحد متکلم کے۔

صراط مستقیم کی دعا صرف اللہ تعالیٰ سے کیوں کی جاتی ہے؟

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كأن الإنسان يقول في الطريق: كثرة الأحباب يجرونني إلى طريق، والأعداء إلى طريق ثانٍ، والشيطان إلى طريق ثالث، وكذا القول في الشهوة والغضب والحسد، وكذا القول في التعطيل والتشبيه والجبر

---

❶ بدائع التفسير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۸۷، ۸۸

❷ التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ۱ ص ۲۱۹

والقدر والإرجاء والوعيد والرفض والخروج، والعقل ضعيف، والعمر قصير، والصناعة طويلة، والتجربة خطرة، وقد تحيرت في الكل فاهدني إلى طريق أخرج منه إلى الجنة. ❶

انسان کے سامنے مختلف راستے ہوتے ہیں، اب دوست واحباب ایک راستے کی طرف لے جاتے ہیں، اعداء دوسرے راستے کی طرف لے جاتے ہیں، شیطان تیسرے راستے کی طرف کھینچتا ہے، ایک طرف تمام باطل فرقے اپنی راہ پر لے جاتے ہیں، اب انسان متحیر و پریشان ہو جاتا ہے کہ کس راہ پر جائے، کونسا راستہ منزل مقصود تک پہنچانے والا ہے، ان راہوں میں کس راہ کا انتخاب کیا جائے؟ جب کہ عمر قلیل ہے، عقل کمزور ہے، تجربہ ناقص ہے، اب اسی پریشانی کے عالم میں انسان کہتا ہے اے میرے رب! تو ہی صراط مستقیم کی طرف میری رہنمائی فرما، اور اس راہ کی طرف جو مجھے جنت کی طرف لے جائے۔

---

❶ التفسیر الکبیر: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ۱ ص ۲۱۸

اکتیسویں بحث: لفظ ہدایت کا استعمال اور ہدایت کی اقسام

لفظ ہدایت ہمیشہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے، مفعول اول کی طرف ہمیشہ بلاواسطہ حرف جر اور مفعول ثانی کی طرف کبھی بواسطہ حرف جر مثلاً: وَاللّٰهُ يَدْعُوْ إِلَى دَارِ السَّلَامِ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (یونس: ۲۵) وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (الأنعام: ۸۷)

اور کبھی بلاواسطہ حرف جر مثلاً: وَ هَدَيْنَاهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ. (الصافات: ۱۱۸)

وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا (الفتح: ۲)

لیکن استعمال کے لحاظ سے ان دونوں صورتوں کے معنوں میں فرق ہے۔ پہلی صورت میں ہدایت کے معنی اراءۃ الطریق، راہ نمودن یعنی راہ دکھانے کے ہیں۔ اور دوسری صورت میں اس کے معنی ایصال الی المطلوب یعنی منزلِ مقصود تک پہنچانے کے ہیں۔

''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ'' میں جمع متکلم کی ضمیر منصوب مفعول اول ہے اور ''الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ'' مفعول ثانی ہے جو بلاواسطہ حرف جر استعمال ہوا ہے اسی لئے ہدایت کے معنی یہاں ایصال الی المطلوب کے ہیں۔ اسی وجہ سے حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ نے اس کا ترجمہ کیا ہے: چلا ہم کو راہ سیدھی۔

ہدایت کی اقسام

ہدایت کی دو قسمیں ہیں۔ ۱.....فطری ۲.....کسبی

فطری ہدایت تو انسان اور غیر انسان سب کے لئے عام ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر ذی روح کو پیدائش کے ساتھ ہی عطا کی جاتی ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: قَالَ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَى (طه: ۵۰) اور اس نے ہر چیز کو

صورت عطا کی پھراس کی رہنمائی کی، ایک اور مقام میں فرمایا کہ: وَالَّذِی قَدَّرَ فَهَدَی (الأعلی: ۳) وہ جس نے ہر چیز کا اندازہ مقرر کیا اور رہنمائی فرمائی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مرغی کا بچہ انڈے سے نکلتے ہی دانہ چگنے لگتا ہے، جانوروں کے بچے پیدا ہوتے ہی پستان مادر سے دودھ پینے لگتا ہے، آخر انہیں کون بتاتا ہے کہ یہ ہماری غذا ہے؟ اور اسے حاصل کرنے کا یہ طریقہ ہے؟ یہ رہنمائی صرف اللہ تعالی کی طرف سے ہوتی ہے اور ہر ذی روح کی فطرت میں ودیعت ہوتی ہے۔

ہدایت کی دوسری قسم کسبی ہے، جو اللہ تعالی کی طرف سے انبیاء علیہم السلام اور کتبِ سماویہ کے ذریعے حاصل ہوتی ہے پھر اس کے چار درجے ہیں:

ا.....انابت: یعنی اللہ رب العزت کی طرف رجوع کرنا، اور ضد و عناد کو چھوڑ کر راہ ہدایت کی تلاش وجستجو کرنا، ہدایت صرف انہی لوگوں کو ملتی ہے جن میں انابت الی اللہ اور تلاشِ حق کا جذبہ ہوتا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَيَهْدِی إِلَيْهِ مَنْ أَنَابَ (الرعد: ۲۷) اور دوسری جگہ فرمایا: اللّٰهُ يَجْتَبِی إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِی إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ (الشوری: ۱۳) یعنی اللہ تعالیٰ ہدایت کی توفیق صرف انہی لوگوں کو دیتا ہے جو اس کی طرف انابت اور رجوع کرتے ہیں۔

۲..... ہدایت: یعنی سیدھی راہ پانا، یہ انابت اور رجوع الی اللہ عز وجل کے بعد حاصل ہوتی ہے۔

۳.....استقامت: ہدایت کے بعد استقامت کا درجہ جب کسی کو ہدایت حاصل ہوجاتی ہے اور اسے صراطِ مستقیم مل جاتا ہے تو اب وہ اللہ رب العزت کی ہدایت کے مطابق سیدھی راہ پر چلتا ہے، اور اس پر قائم رہتا ہے: إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِی كُنتُمْ تُوعَدُونَ (فصلت: ۳۰)

اس آیت میں دوسرے اور تیسرے درجے کا بیان ہے۔ ’’قَالُوا رَبُّنَا اللّٰهُ‘‘ میں ہدایت آ گئی اور ’’ثُمَّ اسْتَقَامُوا‘‘ میں استقامت۔

۴.....ربط القلب: راہ ہدایت اور صراط مستقیم پر استقامت کے بعد ربط القلب کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ یہ درجہ رسوخ ایمان اور یقین کی پختگی کا سب سے اونچا اور بلند مقام ہے، جب مؤمن کو ایمان ویقین کا یہ درجہ حاصل ہو جائے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے راہ ہدایت سے نہیں ہٹا سکتی اور نہ اس کے ایمان اور یقین کو متزلزل کر سکتی ہے، یہ درجہ بہت کم لوگوں کو حاصل ہوتا ہے، اصحاب کہف کو یہ درجہ حاصل تھا، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى (الکھف: ۱۳)

اس آیت میں تین درجات کا ذکر ہے ’’آمَنُوا بِرَبِّهِمْ‘‘ میں ہدایت کا، ’’وَزِدْنَاهُمْ هُدًى‘‘ میں استقامت کا، اور ’’وَرَبَطْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ‘‘ میں ربط القلب کا ذکر ہے۔ ہدایت کا یہ درجہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی حاصل تھا، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولَئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ (الحجرات: ۷)

’’اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ‘‘ میں ہدایت کے آخری دو درجے حاصل کرنے کی درخواست کی گئی ہے۔ یعنی استقامت اور ربط القلب، کیونکہ انابت اور ہدایت تو پہلے سے حاصل ہو چکی ہے۔ ❶

لفظِ مستقیم کی صرفی تحقیق

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ ’’مُسْتَقِيْم‘‘ اصل میں ’’مُسْتَقْوِمٌ‘‘ تھا، واو کا کسرہ ماقبل قاف کو دیا اور پھر کسرہ کی مناسبت سے واو کو یاء سے تبدیل کر دیا:

❶ جواہر القرآن: سورہ فاتحہ، ج ۱ ص ۱۱، ۱۲

وأصلـه مستقوم، نقلت الحركة إلى القاف وانقلبت الواو ياء لانكسار ما قبلها. ❶

بتیسویں بحث: استقامت کا مفہوم

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جب استقامت کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا:

أن لا تشرك بالله شيئا.

ترجمہ: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، یعنی استقامت خالص توحید کا نام ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا تو فرمایا:

تستقيم على الأمر والنهي ولا تروغ روغان الثعالب.

ترجمہ: امر اور نہی پر ثابت قدم رہو اور لومڑی کی طرح ادھر ادھر قلابازیاں نہ کھاؤ۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے استقامت کے متعلق فرمایا:

أخلصوا العمل لله.

ترجمہ: خالص رضاء الہٰی کے لئے ہر کام کرنا استقامت ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

داوموا الفرائض كلها.

ترجمہ: تمام فرائض پر دوام اور استمرار کے ساتھ قائم رہنا استقامت ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں کہ استقامت کہا جاتا ہے تمام مامورات کی ادائیگی ہو اور تمام ممنوعات سے اجتناب ہو، اگر ذرا بھی اوامر ونواہی میں فرق آ گیا تو اعوجاج یعنی ٹیڑھا پن آ جائے گا جو استقامت کے منافی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

---

❶ تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ۱ ص ۱۹۳

کے اس فرمان: **قُلْ آمَنْتُ بِاللّٰہِ ثُمَّ اسْتَقِمْ.**

اس حدیث میں اعمالِ قلب، اعمالِ بدن، ایمان، اسلام اور احسان سب آ گئے یہی وجہ ہے کہ صوفیاء کرام نے فرمایا کہ: **الإستقامة خير من ألف كرامة.** استقامت ہزار کراموں سے بہتر ہے:

الاستقامة امتثال كل مأمور واجتناب كل محذور فيدخل فيه أعمال القلوب والأبدان من الإيمان والإسلام والإحسان إذ لا تحصل الاستقامة مع شيء من الاعوجاج ولذا قالت الصوفية الاستقامة خير من ألف كرامة. ❶

استقامت کا حکم انبیاء علیہم السلام اور امت دونوں کو دیا گیا ہے

انبیاء علیہم السلام کو جو استقامت کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ان باتوں اور احکامات کی تبلیغ کریں جن کا انہیں حکم دیا گیا ہے، اور امت کو جو استقامت کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد انبیاء علیہم السلام کی اتباع کریں اور دین پر ثابت قدم رہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو استقامت کا حکم دیا گیا ہے: **فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ** (هود: ۱۱۲)، **فَلِذٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ** (شورى: ۱۵)

اسی طرح حضرات انبیاء علیہم السلام کو استقامت کا حکم دیا گیا، جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام سے فرمایا:

قَالَ قَدْ أُجِيبَتْ دَعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيمَا وَلَا تَتَّبِعَانِّ سَبِيلَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ. (يونس: ۸۹)

اسی طرح امت کو بھی استقامت کا حکم دیا گیا ہے: **قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ**

---

❶ مرقاة المفاتيح: كتاب الإيمان، الفصل الأول، ج ۱ ص ۸۴

يُوحَى إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ فَاسْتَقِيمُوا إِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوهُ وَوَيْلٌ لِلْمُشْرِكِينَ. (فصلت:٦)

صراط مستقیم سے روکنے والے پانچ قسم کے افراد ہیں

۱......شیطان

قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ (الأعراف: ١٦)

کہنے لگا: اب چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے، اس لئے میں (بھی) قسم کھاتا ہوں کہ ان (انسانوں) کی گھات لگا کر تیرے سیدھے راستے پر بیٹھا رہوں گا۔

وَجَدْتُهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ (النمل: ۲۴)

ترجمہ: میں نے اس عورت اور اس کی قوم کو پایا ہے کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر سورج کے آگے سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے ان کو یہ سمجھا دیا کہ ان کے اعمال بہت اچھے ہیں، چنانچہ اس نے انہیں صحیح راستے سے روک رکھا ہے اور اس طرح وہ ہدایت سے اتنے دور ہیں۔

۲......سادات و کبراء

وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَنَا فَأَضَلُّونَا السَّبِيلَا. (الأحزاب: ٦٧)

ترجمہ: اور کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کا کہنا مانا اور انہوں نے ہمیں راستے سے بھٹکا دیا۔

۳......احبار السوء و رہبان

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ (التوبة: ۳۴)

ترجمہ: اے ایمان والو! (یہودی) احبار اور (عیسائی) راہبوں میں سے بہت سے ایسے ہیں کہ لوگوں کا مال ناحق طریقے سے کھاتے ہیں اور دوسروں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔

۴...... ہر کافر اور ظالم جو راہ حق سے روکے

الَّـذِيـنَ يَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا وَهُمْ بِالْآخِرَةِ كَافِرُونَ (الأعراف: ۴۵)

ترجمہ: جو اللہ تعالی کے راستے سے لوگوں کو روکتے تھے اور اس میں ٹیڑھ نکالنا چاہتے تھے، اور جو آخرت کا بالکل انکار کرتے تھے۔

۵...... جو اپنے نبی کا مخالف ہو

وَ جَعَلُوا لِلّٰهِ أَنْدَادًا لِيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِهِ قُلْ تَمَتَّعُوا فَإِنَّ مَصِيرَكُمْ إِلَى النَّارِ. (إبراهيم: ۳۰)

ترجمہ: اور انہوں نے اللہ کے ساتھ (اس کی خدائی میں) کچھ شریک بنالئے تا کہ لوگوں کو اس کے راستے سے گمراہ کریں، ان سے کہو کہ (تھوڑے سے) مزے اُڑالو، کیونکہ آخرکار تمہیں جانا دوزخ ہی کی طرف ہے۔

صراط مستقیم پر چلنے کا پھل وثمرہ تین چیزیں ہیں

۱..... **التسلية من الملائكة** (ملائکہ کی طرف سے تسلی)

۲..... **البشارة بالجنة** (جنت کی بشارت)

۳..... **الفوز بنعمة الله** (اُخروی نعمتوں کی صورت میں کامیابی)

إِنَّ الَّـذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا

وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ (فصلت: ۳۰)

ترجمہ: (دوسری طرف) جن لوگوں نے کہا کہ تمہارا رب اللہ ہے اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے تو ان پر بے شک فرشتے (یہ کہتے ہوئے) اتریں گے: نہ کوئی خوف دل میں لاؤ، نہ کسی بات کا غم کرو، اور اس جنت سے خوش ہو جاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

وَأَنْ لَوِ اسْتَقَامُوا عَلَى الطَّرِيقَةِ لَأَسْقَيْنَاهُمْ مَاءً غَدَقًا (الجن: ۱۶)

ترجمہ: اور (اے پیغمبر! اہل مکہ سے کہو کہ مجھ پر) یہ (وحی بھی آئی ہے) کہ: اگر یہ لوگ راستے پر آ کر سیدھے ہو جائیں تو ہم انہیں وافر مقدار میں پانی سے سیراب کریں۔

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُونَ. (الأحقاف: ۱۳)

ترجمہ: یقیناً جن لوگوں نے یہ کہہ دیا کہ ہمارا پروردگار اللہ تعالی ہے، پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے تو ان پر نہ کوئی خوف طاری ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے صراطِ مستقیم کو دو صفات کے ساتھ متصف کیا ہے

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں:

أن ذلک الصراط المستقیم وصفه بصفتین أولاهما إیجابیة، والأخرى سلبیة أما الإیجابیة فکون ذلک الصراط صراط الذین أنعمت اللّٰه علیهم وأما السلبیة فهي أن تکون بخلاف صراط الذین فسدت قواهم العملیة بارتکاب الشهوات حتی استوجبوا غضب اللّٰه علیهم. [1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم کو دو صفات کے ساتھ متصف فرمایا۔ ایک صفت ایجابی اور دوسری صفت سلبی ہے۔ "صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ" میں ایجابی صفت کا ذکر ہے،

[1] التفسیر الکبیر: سورۃ الفاتحۃ، الباب الثالث، ج ۱ ص ۱۶۴

کہ اے اللہ ہمیں منعم علیہم کی راہ پر چلا ''غَيْـرِ الْـمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ'' میں سلبی صفت کا ذکر کیا کہ مولائے کریم ہمیں ان کی راہ سے بچا جنہوں نے شہوات کا ارتکاب کر کے اپنی قوتِ عملی کو فاسد کر دیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو اپنے اوپر واجب کر دیا۔

آیتِ کریمہ سے شیخِ کامل کی اقتداء کا ثبوت

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں:

قال بعضهم: إنه لما قال: اهدنا الصراط المستقيم لم يقتصر عليه، بل قال: صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ وهذا يدل على أن المريد لا سبيل له إلى الوصول إلا إذا اقتدى بشيخ يهديه إلى سواء السبيل. ❶

بعض اہلِ علم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے صرف ''اِهْـدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ'' پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ آگے ''صِـرَاطَ الَّـذِيْـنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ'' کو بھی ذکر فرمایا۔ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی کہ کسی شیخ کامل کی اقتداء کی جائے جو اپنے مرید کی صحیح راہ کی طرف رہنمائی کرے۔

قدریہ، معتزلہ، اور امامیہ کا رد

امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

وفي هـذه الآية رد على القدرية والمعتزلة والامامية، لأنهم يعتقدون أن إرادة الإنسان كافية في صدور أفعاله منه، طاعة كانت أو معصية، لأن الإنسان عندهم خالق لأفعاله فهو غير محتاج في صدورها عنه إلى ربه، وقد أكذبهم الله تعالى في هذه الآية إذ سألوه الهداية إلى الصراط المستقيم، فلو كان الأمر إليهم والاختيار بيدهم دون ربهم لما سألوه الهداية، ولا كرروا

❶ التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الثالث، ج ۱ ص ۱۶۴

السؤال في كل صلاة، وكذلك تضرعهم إليه في دفع المكروه، وهو ما يناقض الهداية.... إلخ. ❶

ترجمہ: اس آیت میں قدریہ معتزلہ اور امامیہ کا رد ہے۔ان کے نزدیک انسان کا ارادہ صدورِ فعل کے لئے کافی ہوتا ہے خواہ وہ اطاعت کا ارادہ کرے یا نافرمانی کا۔ان کے نزدیک انسان اپنے فعل کا خود خالق ہے اور صدورِ فعل کے لئے اللہ تعالیٰ کا محتاج نہیں، اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اس باطل خیال کی نفی کی ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ ہی سے صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت مانگ رہے ہیں۔اگر یہ سب کچھ ان کے ہاتھ میں ہوتا اور وہ خود ہی نیکی بدی کا انتخاب بھی کر سکتے تو اللہ تعالیٰ سے ہدایت مانگنے کی ضرورت نہ رہتی، نہ ہی وہ ہر نماز میں اس سوال کو دہراتے۔یہی حال ناپسندیدہ راستے سے بچنے کے لئے ان کے اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑانے کا ہے، یہ ناپسندیدہ راستہ وہی ہے جو ہدایت کے برعکس ہے۔

چنانچہ وہ کہتے ہیں: ''صِرَاطَ الَّذِينَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ'' ان لوگوں کا راستہ جن پر تو اپنا فضل وکرم کرتا رہا، نہ ان کا جن پر غصے ہوتا رہا اور نہ گمراہوں کا۔تو انہوں نے جس طرح ہدایت مانگی اسی طرح گمراہی سے بچنے کی دعا بھی کی۔اسی طرح وہ یہ دعا بھی کرتے ہیں: رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا. (آل عمران:)

ترجمہ: اے پروردگار! جب تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اس کے بعد ہمارے دلوں میں کجی پیدا نہ کر۔

---

❶ تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ۱ ص ۱۹۴

تینتیسویں بحث: صراطِ مستقیم کا مصداق

۱......علامہ ابن جریر طبری رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۰ھ) فرماتے ہیں کہ امت کا اجماع ہے اس پر کہ صراط مستقیم سے مراد وہ واضح راستہ ہے جس میں کوئی ٹیڑھا پن نہ ہو:

فقال الإمام أبو جعفر بن جرير: أجمعت الأمة من أهل التأويل جميعًا على أن الصراط المستقيم هو الطريق الواضح الذي لا اعوجاج فيه. ❶

۲......علامہ جاراللہ زمخشری رحمہ اللہ (متوفی ۵۳۸ھ) فرماتے ہیں:

والمراد طريق الحق وهو ملة الإسلام. ❷

ترجمہ: مراد صراط مستقیم سے حق راستہ ہے، اور یہ ملتِ اسلام ہے۔

علامہ قاضی ابوالسعود محمد بن محمد رحمہ اللہ (متوفی ۹۸۲ھ) فرماتے ہیں:

والمراد به طريق الحق وهي الملة الحنفية السمحة المتوسطة بين الإفراط والتفريط. ❸

ترجمہ: مراد اس سے حق راستہ ہے اور یہ ملت حنفیہ ہے جو بالکل واضح اور افراط وتفریط کے درمیان اعتدال کا راستہ ہے۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں:

الصراط المستقيم هو الوسط بين طرفي الإفراط والتفريط في كل الأخلاق وفي كل الأعمال وأكد ذلک بقوله تعالى وكذلک جعلناكم أمة وسطا. ❹

---

❶تفسير ابن كثير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۳۰

❷الكشاف: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۵۸

❸تفسير أبي السعود: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۸

❹روح المعاني: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۲۵

ترجمہ:صراط مستقیم ہرقسم کےاخلاق واعمال میں افراط وتفریط کےدرمیان اعتدال کا راستہ ہےاوراس کواللہ تعالی نےاپنےاس فرمان کےساتھ مؤکد کیا کہ ہم نےتمہیں معتدل امت بنایا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ(متوفی ۷۴۷ھ)صراط مستقیم کےمصداق کےمتعلق متعدد اقوال ذکر کرنے کے بعد آخر میں تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

وكـل هـذه الأقوال صحيحة وهي متلازمة، فإن من اتبع النبی صلی اللّٰـه عليه وسلم واقتدى باللذين من بعده أبي بكر وعمر، فقد اتبع الحق، ومـن اتبع الحق فقد اتبع الإسلام، ومن اتبع الإسلام فقد اتبع القرآن، وهو كتـاب اللّٰـه وحبلـه الـمتين، وصراطه المستقيم، فكلها صحيحة يصدق بعضها بعضا، ولله الحمد. ❶

ترجمہ:یہ تمام اقوال صحیح ہیں،اوران کےدرمیان تلازم ہے،پس جس نےآپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی اورآپ کے بعد حضرت ابوبکراورحضرت عمررضی اللہ عنہما کی اقتداء کی توتحقیق اس نےحق کی اتباع کی،اورجس نےحق کی اتباع کی پس اس نے دین اسلام کی اتباع کی،اورجس نے دین اسلام کی اتباع کی اس نےتحقیق قرآن کی اتباع کی،اوریہ اللہ تعالی کی کتاب ہےاوریہ مضبوط رسی ہےاوریہی سیدھا راستہ ہے،پس یہ تمام اقوال صحیح ہیں،ان میں سےہرایک دوسرےکی تصدیق کرتے ہیں۔

صراطِ مستقیم کی تفسیر اسلام اورقرآن سےکرنا درست نہیں

امام رازی رحمہ اللہ(متوفی ۶۰۶ھ)فرماتے ہیں:

قـال بـعـضهم: الصراط المستقيم:الإسلام، وقال بعضهم: القرآن، وهـذا لا يـصـح؛ لأن قـولـه صِـرَاطَ الَّـذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ بدل من الصراط

❶تفسیر ابن کثیر: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۳۲

الـمستقيم، وإذا كان كذلک كان التقدير إِهْدِنَا صِرَاطَ مَنْ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ مِّـنَ الْـمُتَـقَـدِّمِيْنَ، ومن تقدمنا من الأمم ما كان لهم القرآن والإسلام، وإذا بطل ذلک ثبت أن المراد إهدنا صراط المحقين المستحقين للجنة.❶

ترجمہ: بعض حضرات نے کہا: صراط مستقیم سے مراد دین اسلام ہے، بعض حضرات نے کہا اس سے مراد قرآن ہے، لیکن یہ دونوں تفسیریں درست نہیں، اس لئے کہ ’’صِـــرَاطَ الَّـذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ‘‘ یہ بدل ہے ’’اَلـصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ‘‘ سے، اور جب بات اس طرح ہے تو اب آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اے اللہ! ہمیں ان لوگوں کے راستے پر چلا جو پہلے گزر گئے ہیں اور تو نے ان پر انعام کیا ہے، اور جو امتیں پہلے گزر گئی ہیں ان کے پاس نہ قرآن تھا نہ دین اسلام۔ جب یہ بات باطل ہوگئی تو ثابت ہوا کہ مراد صراط مستقیم سے وہ راستہ ہے جو حق ہے اور اس پر چلنے والے جنت کے مستحقین ہیں۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں:

وقيل ملة الإسلام وقيل القرآن وردهما الرازي قدس سره بأن قوله تعـالـى صـراط الـذيـن أنـعـمـت عليهم يدل على الصراط المستقيم وهم المتقدمون من الأمم وما كان لهم القرآن والإسلام.❷

ترجمہ: ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد دین اسلام ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد قرآن کریم ہے۔ امام رازی رحمہ اللہ نے ان دونوں پر رد کیا ہے، اس طور پر کہ ’’صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ‘‘ یہ دلالت کرتا ہے صراط مستقیم پر، یہ وہ لوگ ہیں جو پہلی امتوں میں گزرے ہیں، اور ان لوگوں کے پاس نہ قرآن تھا نہ دین اسلام (کیونکہ قرآن اور دین اسلام اسی امتِ محمدیہ کو ملا ہے)۔

---

❶التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ۱ ص ۲

❷روح المعاني: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۲۵

صراط کے ساتھ مستقیم کی قید کیوں ذکر کی؟

اس جگہ صراط کی صفت مستقیم ذکر کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لئے سب سے قریبی راستہ یہی ہے، اس لئے اقلیدس کا قاعدہ ہے کہ جب دو نقطوں میں مختلف اور متعدد خطوط ملائے جائیں تو تمام خطوط میں سب سے قریب اور سب سے چھوٹا خط ہی خط مستقیم ہوگا، اور یہ سیدھا منزل مقصود تک پہنچاتا ہے، نیز صراط مستقیم متغیر نہیں ہوتا جب کہ غیر مستقیم متغیر ہو جاتا ہے، اور اس ایک راستے کا تمام عالم کے مرور اور عبور کے لئے کافی ہونا اس کے وسیع ہونے کی دلیل ہے، اور خدا تک پہنچنے کے لئے یہی ایک راستہ ہے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں:

وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (الأنعام: ۱۵۳)

ترجمہ: اور (اے پیغمبر! ان سے) یہ بھی کہو کہ یہ میرا سیدھا راستہ ہے لہذا اس کے پیچھے چلو اور دوسروں کے راستے کے پیچھے نہ پڑو، ورنہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے الگ کر دیں گے، لوگو! یہ باتیں ہیں جن کی اللہ نے تاکید کی ہیں تاکہ تم متقی بنو۔

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) نے راہ مستقیم اور راہ اعوجاج میں چار فرق ذکر کئے ہیں:

۱.....تمام خطوط میں زیادہ قریب اور مختصر (طریق یہ ہے) بندہ کہتا ہے اے اللہ! میں عاجز ہوں، پس میری کمزوری اور ضُعف کے لائق نہیں ہے مگر ایسا راستہ جو بالکل سیدھا ہو۔

۲.....سیدھا راستہ ایک ہے، اس کے علاوہ جو راستے ہیں وہ ٹیڑھے ہیں بعض ان میں سے دیگر بعض کے ساتھ اپنے اعوجاج (ٹیڑھے پن) کی وجہ سے مشابہ ہو گئے، پس صحیح راستہ (انسان پر) مشتبہ ہو گیا، لیکن صراط مستقیم بالکل سیدھا راستہ ہے جو کسی اور راستے کے

بالکل مشابہ نہیں ہے، اور (رہزنوں) کے خوف اور آفات سے کوسوں دور ہے، اور امن وامان (اور بےخوف) ہونے کے نہایت قریب ہے۔

۳.....صراط مستقیم وہ راستہ ہے جو انسان کو منزل مقصود تک پہنچاتا ہے، اور دیگر ٹیڑھے راستے منزل مقصود تک نہیں پہنچاتے۔

۴.....مستقیم بالکل سیدھا راستہ ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں آتی، اور دیگر راستوں میں تبدیلی آتی رہتی ہے، پس اسی وجہ سے اللہ تعالی سے صراط مستقیم کا سوال کیا جاتا ہے:

فكان العبد يقول: إهدنا الصراط المستقيم لوجوه: الأول: أنه أقرب الخطوط وأقصرها، وأنا عاجز فلا يليق بضعفي إلا الطريق المستقيم. الثاني: أن المستقيم واحد وما عداه معوجة وبعضها يشبه بعضا في الإعوجاج فيشتبه الطريق علي، أما المستقيم فلا يشابهه غيره فكان أبعد عن الخوف والآفات وأقرب إلى الأمان. الثالث: الطريق المستقيم يوصل إلى المقصود، والمعوج لا يوصل إليه. الرابع: المستقيم لا يتغير، والمعوج يتغير، فلهذه الأسباب سأل الصراط المستقيم، والله أعلم. ❶

---

❶ التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ۱ ص ۲۲۰

چونتیسویں بحث: لفظِ استقامت قرآن کریم میں چار طرح سے استعمال ہوا ہے

علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی رحمہ اللہ (متوفی ۸۱۷ھ) فرماتے ہیں کہ لفظِ استقامت قرآن وسنت میں چار طرح سے استعمال ہوا ہے:

۱..... پیغام پہنچانا ۲..... دُعا اور دعوت ۳..... نیکی کے کاموں کی طرف متوجہ ہونا ۴..... توحید اور شہادت پر ثابت قدم رہنا:

وقد ورد في التنزيل والسنّة على أربعة أوجهٍ: الأوّل: بمعنى تبليغ الرّسالة: فَاسْتَقِمْ كَمَآ أُمِرْتَ وكذلك فَادْعُ وَاسْتَقِمْ. الثّاني: بمعنى الدّعاءِ، والدّعوة: قَدْ أُجِيبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيمَا. الثالث: بمعنى الإقبال على الطّاعة: اسْتَقِيمُوا ولَنْ تُحْصُوا. الرّابع: بمعنى الثبات على التوحيد والشهادة: إِنَّ الَّذِينَ قَالُواْ رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا. [1]

”صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ“ کی ترکیب

”صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ“ ترکیب میں ماقبل کے ”الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ“ سے بدل الکل ہے۔

بدل الکل کی تعریف

بدل الکل اس تابع کو کہتے ہیں جو مقصود بالنسبت ہو اور اس کا مفہوم بعینہٖ متبوع کا مفہوم ہو۔

---

[1] بصائر ذوي التمييز في لطائف الكتاب العزيز: الباب الثاني، ج ۲ ص ۱۴۶

بدل الکل کا حکم

یہ حکم میں تکرارِ عامل کے ہوتا ہے۔

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی رحمہ اللہ (متوفی ۷۱۰ھ) فرماتے ہیں:

بدل من الصراط وهو في حكم تكرير العامل. ❶

یہ "صراطِ مستقیم" سے بدل واقع ہے اور یہ حکم میں تکرار عامل کے ہوتا ہے۔

علامہ قاضی ابوالسعود محمد بن محمد رحمہ اللہ (متوفی ۹۸۲ھ) فرماتے ہیں:

صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ بدلٌ من الأول بدلَ كل، وهو في حكم تكريرِ العامل من حيث إنه المقصودُ بالنسبة. ❷

ترجمہ: "صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" یہ اس سے پہلے "اَلصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" سے بدل الکل واقع ہے جو تکرارِ عامل کے حکم میں ہوتا ہے، اس حیثیت سے کہ یہی مقصود بالنسبت ہوتا ہے۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰) فرماتے ہیں:

صراط الذين أنعمت عليهم بدل من الصراط الأول بدل الكل من الكل. ❸

ترجمہ: "صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" یہ اس سے پہلے "اَلصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" سے بدل الکل من الکل واقع ہے۔

بدل بنانے کے فوائد

اللہ تعالیٰ نے براہ راست "اِهْدِنَا الصِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ"، کیوں نہیں

---

❶ مدارك التنزيل: سورة الفاتحة، ج ١ ص ٣٣

❷ تفسير أبي السعود: سورة الفاتحة، ج ١ ص ٢٨

❸ روح المعاني: سورة الفاتحة، ج ١ ص ١٢٦

فرمایا حالانکہ اس میں اختصار بھی تھا؟

جواب: صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ. کو بدل بنا کر ذکر کرنے کے دو فائدے ہیں۔

۱...تاکید ۲...تنصیص

پہلا فائدہ: تاکید اس طور پر کہ بدل مقصود بالنسبت ہوتا ہے یعنی جس فعل کی نسبت اس کے متبوع کی طرف کی گئی ہے مقصود اس کی طرف کرنا نہیں بلکہ مقصود بدل کی طرف کرنا ہے، جب بدل مقصود بالنسبت ہوا تو تقاضا بدل کا یہ ہوا کہ براہ راست فعل کو مکرر لایا جائے، اور جب فعل مکرر ہوگا تو تاکید کا معنی حاصل ہو جائے گا۔

دوسرا فائدہ: تنصیص ہے یعنی اس بات کو صراحتاً بیان کرنا ہے کہ مؤمنین ہی کا راستہ مشہود بالاستقامت ہے، اور تصریح بلیغانہ انداز میں ہے، بایں طور کہ مبدل منہ کبھی مبہم ہوتا ہے اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جبکہ بدل زیادہ واضح اور معروف ومشہور ہو، تو صراط مستقیم کے اندر خفاء تھا "صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" کو لاکر اس کے خفاء کو دور کر دیا کہ طریقِ مؤمنین ہی طریقِ مستقیم ہے:

وفائدته التأكيد والتنصيص على أن طريق الذين أنعم الله عليهم وهم المسلمون هو العلم في الاستقامة والمشهود له بالاستواء بحيث لا يذهب الوهم عند ذكر الطريق المستقيم إلا إليه. ❶

وفائدة الإبدال تأكيد النسبة بناء على أن البدل في حكم تكرير العامل والأشعار بأن الصراط المستقيم بيانه وتفسيره صراط المسلمين فيكون ذلک شهادة لإستقامة صراطهم على أبلغ وجه وآكده. ❷

❶تفسير أبي السعود: سورة الفاتحة، ج ١ ص ٢٨

❷روح المعاني: سورة الفاتحة، ج ١ ص ١٢٦

پینتیسویں بحث: انعام کی تعریف نیز انعام کو مطلق کیوں ذکر کیا؟

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ (متوفی ۵۰۲ھ) فرماتے ہیں:

الإنعام إيصال الإحسان إلى الغير، ولا يقال إلا إذا كان الموصل إليه من جنس الناطقين فإنه لا يقال أنعم فلان على فرسه. قال تعالى: أنعمت عليهم وإذ تقول للذي أنعم الله عليه. ❶

ترجمہ: انعام کہتے ہیں غیر کی طرف احسان کرنے کو، اور یہ صرف اس وقت کہا جاتا ہے جب کہ انسان اپنی ہی جنس کے دوسرے انسان پر احسان کرے، اور ''أَنْعَمَ فُلَانٌ عَلٰى فَرَسِهٖ'' کہ فلاں نے اپنے گھوڑے پر انعام کیا یہ جملہ درست نہیں ہے (اس لئے کہ گھوڑا انسان کی جنس میں سے نہیں ہے)۔

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں:

والإنعام: إيصال النعمة وهي في الأصل الحالة التي يستلذها الإنسان. ❷

ترجمہ: انعام نعمت پہنچانے کا نام ہے، اور نعمت دراصل وہ کیفیت ہے جسے انسان لذیذ پاتا ہے۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں:

والإنعام إيصال الإحسان إلى الغير من العقلاء كما قاله الراغب فلا يقال أنعم على فرسه ولذا قيل إن النعمة نفع الإنسان من دونه لغير غرض. ❸

ترجمہ: انعام کہتے ہیں عقلاء میں سے کسی کی طرف احسان کرنے کو، جیسا کہ امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا، پس یہ جملہ ''أَنْعَمَ فُلَانٌ عَلٰى فَرَسِهٖ'' درست نہیں ہے، اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ نعمت ایک انسان کا دوسرے کو بغیر کسی غرض کے نفع پہنچانا ہے۔

---

❶ المفردات في غريب القرآن: كتاب النون، نعم، ص ۵۰۱

❷ التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۴۰

❸ روح المعاني: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۲۷

انعام کو مطلق ذکر کیوں کیا؟

''أَنْعَمْتَ'' میں انعام کو مطلق اس لئے ذکر کیا تاکہ یہ اپنے عموم پر باقی رہے اور اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کو شامل ہو، اس لئے کہ اگر تخصیص کرتے تو نعمت ایک خاص فرد میں منحصر ہو جاتی، اسی وجہ سے اس کو مطلق ذکر کیا تاکہ یہ اپنے عموم کی وجہ سے سب کو شامل ہو۔

علامہ جار اللہ زمخشری رحمہ اللہ (متوفی ۵۳۸ھ) فرماتے ہیں:

وأطلق الإنعام ليشمل كل إنعام لأن من أنعم عليه بنعمة الاسلام لم تبق نعمة الا أصابته. ❶

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ نے ''أَنْعَمْتَ'' میں) انعام کو مطلق ذکر کیا ہے تاکہ یہ تمام انعامات کو شامل ہو جائے، اس لئے کہ جس پر اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کی صورت میں انعام کیا تو اب کوئی نعمت باقی نہیں رہی مگر یہ کہ اس کو پہنچ گئی۔

خطیب شربینی رحمہ اللہ (متوفی ۹۷۷ھ) فرماتے ہیں:

أطلق الإنعام ليشمل كل إنعام لأنّ من أنعم اللّٰه عليه بنعمة الإسلام لم تبق نعمة إلا أصابته. ❷

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ نے ''أَنْعَمْتَ'' میں) انعام کو مطلق ذکر کیا ہے تاکہ یہ تمام انعامات کو شامل ہو جائے اس لئے کہ جس پر اللہ تعالیٰ نے دینِ اسلام کی صورت میں انعام کیا تو اب کوئی نعمت باقی نہیں رہی مگر یہ کہ اس کو پہنچ گئی۔

علامہ محمد بن علی شوکانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۵۰ھ) فرماتے ہیں:

وأطلق الإنعام ليشمل كل إنعام. ❸

---

❶ الكشاف: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۵۸

❷ السراج المنير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۲

❸ فتح القدير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۴

اللہ تعالی نے انعام کو مطلق ذکر کیا تا کہ یہ تمام انعامات کو شامل ہو جائے۔

چھتیسویں بحث: انعام میں نسبت اللہ رب العزت کی طرف ہے جبکہ غضب اور ضلالت میں نسبت اللہ رب العزت کی طرف نہیں کی گئی، اس میں کیا حکمت ہے؟

آداب میں سے ہے کہ خیر کی نسبت اللہ رب العزت کی طرف کی جائے اور شر کی نسبت اللہ رب العزت کی طرف نہ کی جائے۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمام خیر کے کاموں کی نسبت اللہ تعالی کی طرف کی، کہ میرا رب وہ جس نے مجھے پیدا کیا، اور راہ حق کی طرف میری رہنمائی کی، وہی مجھے کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی ہے، لیکن آگے فرمایا: جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو میرا رب مجھے شفاء دیتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیماری کی نسبت اللہ رب العزت کی طرف نہیں کی، بلکہ اپنی طرف کی جبکہ شفاء کی نسبت اللہ عز وجل کی طرف کی۔ اسی طرح جنات نے جب قرآن سنا تو انہوں نے خیر کی نسبت اللہ تعالی کی طرف کی، لیکن شر کی نسبت اللہ سبحانہ وتعالی کی طرف نہیں کی۔ تو اسی طرح اس آیت میں بھی ''أَنْعَمْتَ'' میں خیر کی نسبت اللہ رب العزت کی طرف کی گئی، جب کہ غضب اور ضلالت کی نسبت اللہ تعالی کی طرف نہیں کی گئی۔

علامہ صابونی نے اصول نقل کیا ہے کہ ''الخير كله بيديك والشر لا ينسب إليك'' خیر سب کی سب آپ کی طرف سے ہے، اور شر کی نسبت آپ کی طرف نہیں کی جائے گی۔

قرآنِ کریم کا یہ معلوم و معروف اندازِ بیان ہے کہ خیر و احسان اور جود و کرم کے افعال کو صراحتاً براہ راست اللہ رب العزت کی طرف منسوب کرتا ہے اور جزا اور انتقام کے افعال کے لئے فاعل کو ذکر کئے بغیر صیغہ مجہول لاتا ہے، ادب و احترام کا تقاضا بھی یہی ہے۔ یہی

اسلوب اس آیت میں بھی اختیار کیا گیا ہے۔ فعلِ انعام کی نسبت صراحتاً اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے اور غضب کے بیان میں فاعل کو ذکر نہیں کیا گیا۔ چند قرآنی شواہد ملاحظہ ہوں:

ا.....حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں:

الَّذِی خَلَقَنِی فَهُوَ یَهْدِینِ وَالَّذِی هُوَ یُطْعِمُنِی وَیَسْقِینِ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِینِ. (الشعراء:۷۸ تا ۸۰)

ترجمہ: وہ ذات جس نے مجھ کو پیدا کیا پھر وہی مجھ کو ہدایت دیتا ہے اور وہی ہے جو مجھے کھلاتا ہے اور سیراب کرتا ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی شفا دیتا ہے۔

ان آیات میں پیدا کرنے اور ہدایت دینے اور کھلانے پلانے کی نسبت حضرت خلیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی طرف کی ہے، اور بیماری کو اپنی طرف منسوب کیا۔ ''مَرِضْتُ'' کہا ''اَمْرَضَنِی'' نہیں کہا یعنی وہ مجھ کو بیمار کرتا ہے۔

مؤمنین جنات کا قول قرآن نے یوں نقل کیا ہے:

وَاَنَّا لَا نَدْرِی اَشَرٌّ اُرِیدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا. (الجن:۱۰)

ترجمہ: اور ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں کے ساتھ شر کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب نے ان کے ساتھ بھلائی چاہی ہے۔

یہاں ارادۂ رشد (بھلائی) کے فاعل کو صراحتاً بیان کیا گیا ہے، لیکن ارادہ شر کی نسبت اللہ رب العزت کی طرف نہیں کی گئی۔

۳.....حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا:

فَاَرَدْتُ اَنْ اَعِیبَهَا. (الکهف: ۷۹)

ترجمہ: میں نے چاہا کہ اس کشتی کو عیب دار بنادوں۔

یہاں کشتی کو عیب دار کرنے کی خواہش کو اپنی طرف منسوب کیا ہے، لیکن آگے چل

کہ یتیم بچوں کے قصہ میں فعلِ خیر کے ارادہ کی نسبت اللہ رب العزت کی طرف کی ہے:

فَاَرَادَ رَبُّکَ اَنْ یَّبْلُغَا اَشُدَّھُمَا وَیَسْتَخْرِجَا کَنْزَھُمَا رَحْمَةً مِنْ رَّبِّکَ. (الکھف: ۸۲)

ترجمہ: پھر تیرے رب نے چاہا کہ وہ بلوغت کو پہنچ جائیں اور اپنا خزانہ نکال لیں، تیرے رب کی رحمت کی بنا پر ایسا ہوا۔

۴..... **اُحِلَّ لَکُمْ لَیْلَةَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ إِلَی نِسَائِکُمْ.** (البقرۃ:۱۸۷)

ترجمہ: تمہارے لئے حلال کردیا گیا ہے کہ روزوں کی رات میں تم اپنی بیویوں سے بے تکلف صحبت کرو۔

''اُحِلَّ'' بصیغہ مجہول اس لئے لایا گیا ہے کہ رفث (جماع) کے ساتھ فاعل کی تصریح مناسب نہ تھی، لیکن اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ. (البقرۃ: ۲۷۵) یہاں اس قسم کی قباحت نہ تھی۔ ❶

علامہ قاضی ابوالسعود محمد بن محمد رحمہ اللہ (متوفی ۹۸۲ھ) فرماتے ہیں:

والعدول عن إسناد الغضب إليه تعالى كالإنعام جرى على منهاج الآداب التنزيلية في نسبة النعم والخيرات إليه عز وجل دون إضدادها كما في قوله تعالى الذي خلقني فهو يهدين والذي هو يطعمني ويسقين وإذا مرضت فهو يشفين وقوله تعالى وإنا لا ندري أشر أريد بمن في الأرض أم أراد بهم ربهم رشدا. ❷

ترجمہ: غضب کی نسبت اللہ تعالی کی طرف نہیں کی گئی جس طرح کہ انعام کی نسبت کی گئی ہے، یہ اس وجہ سے کہ اللہ تعالی نے جو آداب بیان کئے ہیں ان میں انعامات اور

❶ بدائع التفسير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۷

❷ تفسير أبي السعود: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۹

بھلائیوں کی نسبت اللہ رب العزت کی طرف ہے جبکہ ان کی اضداد کی نسبت اللہ رب العزت کی طرف نہیں ہے، جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: (میرا رب وہ ہے) جس نے مجھے پیدا کیا، پھر وہی میری رہنمائی فرماتا ہے، اور جو مجھے کھلاتا پلاتا ہے، اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو مجھے شفا دیتا ہے۔ اور اسی طرح اللہ تعالی کا فرمان ہے، (جب جنات نے کہا) ہمیں یہ پتہ نہیں تھا کہ آیا زمین والوں سے کوئی برا معاملہ کرنے کا ارادہ کیا گیا ہے یا اُن کے پروردگار نے ان کو راہِ راست دکھانے کا ارادہ فرمایا ہے۔

علامہ محمد علی صابونی فرماتے ہیں:

نسب النعمة إلى اللّٰه عز وجل انعمت عليهم ولم ينسب إليه الإضلال والغضب فلم يقل غضبت عليهم أو الذين أضللتهم وذلک ليعلم العباد الأدب مع اللّٰه فالشر لا ينسب إلى اللّٰه تعالى وإن كان منه تقديرا الخير كله بيديک والشر لا ينسب إليک. (1)

ترجمہ: ''أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ'' میں نعمت کی نسبت اللہ تعالی کی طرف کی گئی ہے جب کہ اضلال اور غضب کی نسبت اللہ رب العزت کی طرف نہیں کی گئی، پس یہ نہیں کہا ''غَضَبْتَ عَلَيْهِمْ'' یا ''الَّذِيْنَ أَضْلَلْتَهُمْ'' جن پر آپ نے غضب کیا یا وہ جن کو آپ نے گمراہ کیا، یہ اس وجہ سے تا کہ بندوں کو اللہ تعالی کے متعلق آداب سکھائے جائیں، پس شر کی نسبت اللہ تعالی کی طرف نہیں کی جائے گی اگرچہ شر اللہ رب العزت ہی کی جانب سے ہے، تمام خیر کے کاموں کی نسبت اللہ تعالی کی طرف کی جائے گی اور شر کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی جائے گی۔

---

(1) صفوة التفاسير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۱

سینتیسویں بحث: نعمت کی اقسام

نعمت دو جنسوں پر منحصر ہے

ا...دنیاوی ۲...اخروی۔ دنیاوی کی پھر دو قسمیں ہیں: ا...وہبی ۲...کسبی۔ پھر وہبی کی دو قسمیں ہیں: ا...روحانی ۲...جسمانی

روحانی: جیسے انسان میں روح پھونک دینا اور اس روح کو عقل سے اور عقل کے بعد جو قوائے باطنہ حاصل ہوں ان سے روشن کرنا، قوائے باطنہ مثلاً: فہم وفکر ونطق ہیں۔

جسمانی: جیسے سانچہ کو پیدا کرنا اور ان قوتوں کو پیدا کرنا جو اس سانچے میں سموئی ہوئی ہوں، اور ان کیفیات کو پیدا کرنا جو ان کو عارض ہوتی ہے۔ یعنی صحت اور اعضاء کا کمال۔

کسبی نعمت: نفس کو رذائل سے پاک کرنا اور اس کو اخلاق اور عمدہ صلاحیتوں کے ساتھ آراستہ کرنا اور بدن کو اچھے اور خوبصورت زیورات کے ذریعے زینت دینا اور مال ومرتبے کا حاصل کرنا۔

اُخروی نعمت: اللہ تعالیٰ انسان کی کوتاہیوں کو معاف کردے اور اس سے راضی ہوکر اعلیٰ علیین میں ملائکہ مقربین کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کا ٹھکانہ عطا فرمائے۔ اس آیت میں اُخروی انعامات اور ان کے وسائل مراد ہیں، کیونکہ اس کے علاوہ دوسری نعمتوں میں تو مؤمن وکافر دونوں شریک ہیں:

تنحصر في جنسين: دنيوي وأخروي. والأول قسمان: وهبي وكسبي والوهبي قسمان: روحاني كنفخ الروح فيه وإشراقه بالعقل وما يتبعه من القوي كالفهم والفكر والنطق، وجسماني كتخليق البدن والقوي الحالة فيه والهيئات العارضة له من الصحة وكمال الأعضاء والكسبي تزكية النفس عن الرذائل وتحليتها بالأخلاق السنية والملكات الفاضلة، وتزيين البدن

بالهيئات المطبوعة والحلي المستحسنة وحصول الجاه والمال. والثاني: أن يغفر له ما فرط منه ويرضى عنه ويبوئه في أعلى عليين مع الملائكة المقربين أبد الآبدين. والمراد هو القسم الأخير وما يكون وصلة إلى نيله من الآخرة فإن ما عدا ذلک يشترک فيه المؤمن والكافر. ❶

لفظ ”عَلَيُهِمُ“ ترکیب میں کیا واقع ہے؟

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی رحمہ اللہ (متوفی ۷۱۰ھ) فرماتے ہیں:

وعليهم الأولى محلها النصب على المفعولية ومحل الثانيةالرفع على الفاعلية. ❷

ترجمہ: پہلا لفظ ”عَلَيُهِمُ“ مفعول ہونے کی وجہ سے حالت نصبی میں واقع ہے، جب کہ دوسرا ”عَلَيُهِمُ“ فاعل ہونے کی وجہ سے حالت رفعی میں واقع ہے۔

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں:

عليهم في محل الرفع لأنه نائب مناب الفاعل بخلاف الأول. ❸

ترجمہ: ”عَلَيْهِمْ“ مغضوب کا نائب فاعل ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہے، اس کے برخلاف وہ ”عَلَيْهِمْ“ جو انعمت کے بعد واقع ہے وہ مفعول ہونے کی وجہ سے حالت نصبی میں واقع ہے۔

---

❶التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۴۰/ تفسير أبي السعود: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۸

❷مدارک التنزيل: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۳

❸التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۴۱

اڑتیسویں بحث: آیت میں منعم علیہم سے مراد کون ہیں؟

علامہ جاراللہ زمخشری رحمہ اللہ (متوفی ۵۳۸ھ) فرماتے ہیں:

والذين انعمت عليهم هم المؤمنون. ❶

ترجمہ: ''اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ'' سے مراد مؤمنین ہیں۔

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی رحمہ اللہ (متوفی ۷۱۰ھ) فرماتے ہیں:

وهم المؤمنون. ❷

''اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ'' سے مراد مؤمنین ہیں۔

امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

فقال الجمهور من المفسرين: إنه أراد صراط النبيين والصديقين والشهداء والصالحين. وانتزعوا ذلک من قوله تعالى: ومن يطع الله والرسول فأولئک الذين أنعم الله عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين وحسن أولئک رفيقا. فالآية تقتضي أن هؤلاء على صراط مستقيم، وهو المطلوب في آية الحمد، وجميع ما قيل إلى هذا يرجع، فلا معنى لتعديد الأقوال، والله المستعان. ❸

ترجمہ: جمہور مفسرین کے نزدیک اس سے مراد حضرات انبیاء کرام، صدیقین، شہداء اور صلحاء کا راستہ ہے۔ دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَئِکَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ

---

❶ الكشاف: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۵۸

❷ مدارک التنزيل: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۳

❸ تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ۱ ص ۱۹۳

النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَئِكَ رَفِيقًا. (النساء: ٦٩)

اور جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کریں گے تو وہ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ رب العزت نے انعام فرمایا ہے، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین، اور کتنے اچھے ساتھی ہیں۔

اس آیت کریمہ کا تقاضہ یہ ہے کہ یہی لوگ صراط مستقیم پر ہے، اور اس آیت میں اسی صراط مستقیم کا سوال کیا گیا ہے۔ اس بارے میں جتنے بھی اقوال منقول ہیں سب کا مقصود یہی ہے۔ یہاں ان اقوال کا دہرانے کا کوئی فائدہ نہیں۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) نے منعم علیہم کے متعلق متعدد اقوال نقل کئے ہیں:

عن ابن عباس: صراط الذين أنعمت عليهم بطاعتك وعبادتك، من ملائكتك وأنبيائك والصديقين والشهداء والصالحين، وذلك نظير ما قال ربنا تعالى: وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ.

عن الربيع بن أنس: صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ قال: هم النبيون. عن ابن عباس: هم المؤمنون. وكذا قال مجاهد. وقال وَكِيع: هم المسلمون. وقال عبد الرحمن بن زيد بن أسلم: هم النبي صلى الله عليه وسلم ومن معه. والتفسير المتقدم عن ابن عباس أعم وأشمل، والله أعلم. ❶

ترجمہ: ا..... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ منعم علیہم سے مراد وہ لوگ ہیں جن پر آپ نے اطاعت اور عبادت کی وجہ سے انعام کیا ہے یعنی ملائکہ، انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین میں سے اور اس کی نظیر اللہ تعالی کا وہ فرمان ہے جو سورہ انبیاء

---

❶ تفسير ابن كثير: سورة الفاتحة، ج ١ ص ١٣٣

میں مذکور ہے۔۲.....حضرت ربیع بن انس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ منعم علیہم سے مراد انبیاء ہیں۔۳.....حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک قول یہ مروی ہے کہ اس سے مراد مؤمنین ہیں اور یہی قول امام مجاہد رحمہ اللہ سے بھی منقول ہے۔۴.....امام وکیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مسلمان ہیں۔۵.....حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور جو آپ کے ساتھ تھے یعنی صحابہ کرام۔ (حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے جو تفسیر سب سے پہلے مروی ہے وہ سب سے زیاد عام ہے (اور تمام اقوال) کو شامل ہے (نیز یہ تفسیر القرآن علی القرآن کے قبیل سے ہے)۔

علامہ قاضی ثناءاللہ پانی پتی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) فرماتے ہیں:

كل من ثبته الله تعالى على الإيمان والطاعة من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين. ❶

ترجمہ: انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین میں سے ہر وہ شخص جس کو اللہ تعالی ایمان اور اطاعت پر ثابت قدمی عطا فرمائے۔

انعامِ یافتہ طبقاتِ اربعہ

دنیا کا ایک مسلَّم اصول ہے کہ انسان اپنی فطری قوتوں کی تکمیل اس وقت تک نہیں کرسکتا جب تک اس کے سامنے کوئی نمونہ موجود نہ ہو، اس نمونہ کو دیکھ کر ہی انسان اپنی غلطیوں کی اصلاح کرسکتا ہے، چنانچہ قرآنِ کریم میں بطور نمونہ کے چار جماعتوں کا ذکر فرمایا کہ یہ انعامِ یافتہ ہیں ان کے راستے پر انسان چل کر کامیاب ہوسکتا ہے اور اپنی صحیح معنوں میں فطری تقاضوں کی تکمیل اور اصلاح کرسکتا ہے۔

---

❶ التفسير المظهري: سورة الفاتحة، ج ١ ص ٢٠

انتالیسویں بحث: انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کا تعارف

پہلا انعام یافتہ گروہ انبیاء کا

انبیاء علیہم السلام کی ایک بہت بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ وہ معصوم عن الخطاء ہوتے ہیں، خدا تعالیٰ کی طرف سے انہیں مکمل گارنٹی حاصل ہوتی ہے کہ ان سے گناہ سرزد نہیں ہوتا۔ اگر نبی سے معمولی لغزش بھی ہو جائے تو فوراً متنبہ کر دیا جاتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام میں علمی و عملی اور عقلی قوتیں کمال درجے کی ہوتی ہیں۔

دوسرا انعام یافتہ گروہ صدیقین کا

''صدیق'' راست باز کو کہتے ہیں، اور یہ وہ شخصیت ہوتی ہے جس کی قوتِ علمی اور نظری نبی کے قریب قریب ہوتی ہے، یوں سمجھ لیجئے کہ صدیق کا ظرف ایک ایسا صاف آئینہ ہوتا ہے جس پر نبی کے علوم کا عکس پڑتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم موجودگی میں بالکل ویسی بات کرتے تھے جیسی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نکلتی تھی۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑے پریشان ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا آپ اتنی کمزور شرائط پر صلح کر رہے ہیں کیا ہم حق پر اور کفار باطل پر نہیں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بالکل ایسا ہی ہے، مگر اے عمر! جان لو کہ میں اللہ رب العزت کا نبی ہوں ''وَلَنْ يُضَيِّعَنِي اللّٰهُ''، یعنی ہرگز اللہ تعالیٰ مجھے ضائع نہیں کرے گا، یہ جو کچھ ہو رہا ہے اس میں مصلحت ہے، اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بات کا ذکر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کیا اور کہا کہ مسلمانوں کو اتنی کمزور شرائط پر صلح نہیں کرنی چاہیے۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فوراً فرمایا کہ اے عمر! تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ رب العزت کے نبی ہیں

’’وَلَنْ يُّضِيْعَهُ اللّٰهُ‘‘ یعنی اللہ آپ کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا، مطلب یہی تھا کہ جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کررہے ہیں مسلمانوں کی اسی میں بہتری ہے۔ ❶

آپ نے دیکھ لیا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زبان سے بھی وہی الفاظ نکلے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا ہوئے تھے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ صدیق کا ذہن اور دماغ اتنا شفاف اور پاکیزہ آئینہ ہوتا ہے جس پر نبی کے علوم کا عکس پڑتا ہے۔

تیسرا انعام یافتہ گروہ شہداء کا ہے

شہداء کی قوتِ عملیہ کو کمال حاصل ہوتا ہے، جس طرح نبی کی قوتِ عملی اعلی درجے کی ہوتی ہے اسی طرح شہید کی قوتِ عملی بھی اسی کے قریب قریب ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ شہید اپنے دین اور اللہ تعالیٰ کی رضاء کی خاطر اپنی جان پر کھیل جاتا ہے، اور اسی طرح وہ حق وصداقت کی گواہی دینے والے بن جاتے ہیں۔ جان کا نذرانہ پیش کرنے کی بناء پر انہیں شہید کہا جاتا ہے۔

چوتھا انعام یافتہ گروہ صالحین کا

ان کی قوتِ علمی اور عملی اگرچہ اعلی درجے کی نہیں ہوتی، مگر ان میں کامل درجہ کی اتباع ہوتی ہے، ایسے لوگ حضراتِ انبیاء علیہم السلام کی خاص متبعین ہوتے ہیں، اور اپنے آپ کو فاسد اعتقادات اور برے اخلاق سے دور رکھتے ہیں، دوسرے لفظوں میں یوں سمجھ لیں کہ صالح اس کو کہا جاتا ہے جو خالق کا بھی حق ادا کرتا ہے اور مخلوق کا بھی حق ادا کرتا ہے اور زیادہ سے زیادہ یادِ الٰہی میں مصروف رہتا ہو، عام اصطلاح میں ایسے لوگوں کو ولی کہا جاتا

---

❶ السنن الكبرى للبيهقي: كتاب الجزية، باب نزول سورة الفتح، ج ۹ ص ۳۷۲، رقم الحديث: ۱۸۸۱۳

ہے یہی لوگ صالحین ہیں، باقی لوگ ان سے کم تر درجہ کے ہیں۔ ❶

صراطِ مستقیم، کتاب اللہ اور رجال اللہ دونوں کے مجموعے کا نام ہے

صراطِ مستقیم کی تعیین کے لئے صرف اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ صراطِ رسول یا صراطِ قرآن، کیونکہ قرآن کریم حقیقت میں صراط مستقیم کی تشریح ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اس کی تفصیل ہے، اور قرآن کریم میں یہ نہیں فرمایا کہ قرآن کا راستہ اختیار کرو یا رسول کا راستہ اختیار کرو، بلکہ صراطِ مستقیم کی تعیین کے لئے فرمایا انبیاء کے علاوہ صدیقین، شہداء اور صالحین کا طریقہ بھی اختیار کرو، اس سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی تعلیم وتربیت محض کتابوں اور روایتوں سے نہیں، بلکہ رجالِ ماہرین کی صحبت اور ان سے سیکھ کر حاصل ہوتی، جس طرح دنیا کا مشاہدہ ہے کہ محض کتاب سے تعلیم حاصل کر کے کوئی کپڑا سینا نہیں جانتا، بلکہ پہلے کسی کاریگر کے پاس جا کر پہلے سیکھے گا پھر اسے کپڑا سینا آئے گا، بلکہ اسی طرح ڈاکٹر محض کتاب پڑھ کر ڈاکٹر نہیں بن سکتا، اسی طرح اگر کوئی محض قرآن وحدیث کا مطالعہ کر کے انسان کی تعلیم وتربیت کے لئے کافی سمجھتا ہے تو یہ اس کی غلط فہمی ہے، بلکہ قرآن وحدیث کے ماہرین کے پاس جانا ہوگا اور ان کی صحبت اختیار کرنی ہوگی۔ اگر محض کتاب کافی ہوتی تو رسولوں کو بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟ آج کل لوگوں میں اختلاف کا بڑا سبب یہ ہے کہ بعض نے کتاب اللہ کو تھام لیا اور رجال اللہ سے آنکھیں بند کر لیں اور بعض نے رجال اللہ کو معیارِ حق سمجھ کر کتاب اللہ سے آنکھیں بند کر لیں جس کا نتیجہ گمراہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں کتاب اللہ اور رجال اللہ دونوں سے مستفید ہونے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین ❷

---

❶ معارف الفرقان فی تفسیر القرآن: سورۂ فاتحہ، ج ۱ ص ۹۸، ۹۹

❷ معارف القرآن مع تغییر یسیر: سورۂ فاتحہ، ج ۱ ص ۹۲، ۹۳

چالیسویں بحث: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا ثبوت

علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں:

صِـرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ يدل على إمامة أبي بكر رضي الله عنه لأنا ذكرنا أن تقدير الآية: إهدنا صراط الذين أنعمت عليهم والله تعالى قد بين في آية أخرى أن الذين أنعم الله عليهم من هم فقال: فأولئك مع الذين أَنْعَمَ اللّٰه عَلَيْهِم من النبيين والصديقين الآية ولا شك أن رأس الصديقين ورئيسهم أبو بكر الصديق رضي الله عنه فكان معنى الآية أن الله أمرنا أن نطلب الهداية التي كان عليها أبو بكر الصديق وسائر الصديقين، ولو كان أبو بكر ظالماً لما جاز الاقتداء به، فثبت بما ذكرناه دلالة هذه الآية على إمامة أبي بكر رضي الله عنه. ❶

ترجمہ: یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت پر دلالت کرتی ہے، منعم علیہم سے مراد کون ہیں؟ تو قرآن کریم نے اس کی تعیین کردی کہ اس سے مراد انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ رب العزت عنہ تمام صدیقین کے سردار اور رئیس ہیں۔ پس آیت کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اللہ سے وہ ہدایت طلب کریں جس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور صدیقین تھے۔ اگر حضرت ابوبکر صدیق ظالم ہوتے تو ان کی اقتداء جائز نہ ہوتی، پس اس آیت سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت ثابت ہوئی۔

علامہ محمد امین بن محمد شنقیطی رحمۃ اللہ عنہ (متوفی ۱۳۹۳ھ) فرماتے ہیں:

---

❶ التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ١ ص ٢٢١

يؤخذ من هذه الآية الكريمة صحة إمامة أبي بكر الصديق رضي الله عنه وقد بين الذين أنعم عليهم فعد منهم الصديقين. وقد بين صلى الله عليه وسلم أن أبا بكر رضي الله عنه من الصديقين، فاتضح أنه داخل في الذين أنعم الله عليهم، الذين أمرنا الله أن نسأله الهداية إلى صراطهم فلم يبق لبس في أن أبا بكر الصديق رضي الله عنه على الصراط المستقيم، وأن إمامته حق. (1)

ترجمہ: اس آیت سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت کو لیا گیا ہے، اللہ تعالی نے انعام یافتہ جماعتوں کو بیان کیا، اوران میں صدیقین کو بھی شمار کیا، تحقیق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ صدیقین میں سے ہیں، پس اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ آپ بھی انعام یافتہ جماعتوں میں شامل ہیں جن کا اللہ تعالی نے ہمیں حکم دیا کہ ہم ان کے طریقے کے مطابق ہدایت کا سوال کریں، پس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ کے صراطِ مستقیم پر ہونے میں کوئی اشتباہ باقی نہیں رہا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی امامت برحق ہے۔

اکتالیسویں بحث: اس آیت سے قادیانیوں کا نبوت پر استدلال اور پندرہ وجوہ سے اس کا ابطال

”اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ، صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ“

اے اللہ! ہم کو سیدھا راستہ دکھا ان لوگوں کا جن پر تو نے اپنی نعمت نازل کی گویا ہم کو بھی وہ نعمتیں عطا فرما جو پہلے لوگوں کو عطا کی گئیں، اب سوال یہ ہوتا ہے کہ وہ نعمتیں کیا تھیں قرآن مجید میں ہے:

---

(1) أضواء البيان في ايضاح القرآن بالقرآن: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۴۳

وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ وَجَعَلَكُمْ مُلُوكًا (المائدة: ۲۰)

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اے قوم! تم اپنے خدا کی نعمت یاد کرو جب اس نے تم میں نبی بنائے اور تم کو بادشاہ بنایا، تو ثابت ہوا کہ نبوت اور بادشاہی دونوں نعمتیں ہیں جو خدا تعالیٰ کسی قوم کو دیا کرتا ہے، خدا تعالیٰ نے سورہ فاتحہ میں دعا سکھائی ہے اور خود ہی نبوت کو نعمت قرار دیا ہے اور دعا کا سکھانا بتاتا ہے کہ خدا تعالیٰ اس کی قبولیت کا فیصلہ فرما چکا ہے، لہٰذا امت محمدیہ میں نبوت ثابت ہوئی۔ ❶

جواب: ۱...... اس آیت میں منعم علیہم کی راہ پر چلنے اور قائم رہنے کی دُعا ہے نہ کہ نبی بننے کی، اس کے یہ معنی ہیں کہ ان کے طریق عمل کو نمونہ بنائیں، جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيرًا (الأحزاب: ۲۱)

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لئے رسول کی ذات میں ایک بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لئے جو اللہ رب العزت سے اور یوم آخرت سے اُمید رکھتا ہو، اور کثرت سے اللہ رب العزت کا ذکر کرتا ہو۔

۲...... اگر انبیاء علیہم السلام کی پیروی سے آدمی نبی بن سکتا ہے تو کیا خدا کی پیروی سے خدا بن جائے گا؟ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (أنعام: ۱۵۳)

اور (اے پیغمبر! ان سے) یہ بھی کہو کہ یہ میرا سیدھا راستہ ہے، لہذا اس کے پیچھے چلو، اور دوسرے راستوں کے پیچھے نہ پڑو، ورنہ وہ تمہیں اللہ رب العزت کے راستے سے الگ کر دیں گے۔ لوگو! یہ باتیں ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے تاکید کی ہے تاکہ تم متقی بنو۔

---

❶ احمدیہ پاکٹ بک: ص ۴۶۶، ۴۶۷، آخری ایڈیشن

۳......نبوت دعاؤں سے نہیں ملا کرتی اگر نبوت دعاؤں سے ملے تو نبوت کسبی ہو جائے گی حالانکہ نبوت وہبی ہے:

اللّٰهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ. (الأنعام: ۱۲۴)

ترجمہ: اللہ تعالی خوب جانتا ہے کہ وہ اپنی پیغمبری کس کو سپرد کرے۔

۴......آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ دعا مانگی تھی حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے پہلے نبی بن چکے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر نماز میں "**اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ**" کے الفاظ سے دعا کرنا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ اس سے حصولِ نبوت مراد نہیں۔

۵......تیرہ سو برس میں اگر کوئی نبی نہ بنا تو کیا کسی کی بھی دعا قبول نہ ہوئی؟ جس مذہب میں کروڑوں لوگوں کی دعا قبول نہ ہو وہ خیرِ امت نہیں کہلا سکتی اور نہ اس کو کہلانے کا حق ہے۔

۶......"اِهْدِنَا" صیغہ جمع کا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہم سب کو نبی بنائے، اس سے پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے مرزا قادیانی کی بھی دعا قبول نہ کی، کیونکہ اگر دعا قبول ہوئی ہوتی تو مرزا قادیانی کے سب پیروکاروں کو نبی ہونا چاہئے تھا مگر ایسا نہ ہوا، اور اگر سب نبی بن جائیں تو سوال یہ ہے کہ پھر امتی کہاں سے آتے؟ کیا مرزائیوں میں سے کوئی نبوت چھوڑ کر امتی بننے کے لئے تیار ہے؟

۷......یہی دعا عورتوں کو بھی سکھائی گئی ہے تو کیا وہ بھی منصب نبوت پر فائز ہو سکتی ہے؟ اگر جواب نفی میں ہے تو پھر یہ دعا انہیں کیوں نہیں سکھائی گئی ہے؟ اور اگر ہاں میں ہے تو یہ تمہارے خلاف ہے۔

۸......نبوت اور بادشاہت دونوں خدا کی نعمت ہیں جیسا کہ مرزائی سوال میں بھی اعتراف کیا گیا ہے تو مرزائی بتائیں کہ ان کے قول کے مطابق مرزا نبی تو بنا مگر بادشاہ نہ بنا تو کیا آدھی دعا قبول ہوئی؟

۹......شریعت اور کتاب بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت بلکہ نعمتِ عظمیٰ ہے، جیسا کہ ارشاد باری ہے:''وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ. (البقرة: ۲۳۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تم پر جو انعام فرمایا ہے اُسے اور تم پر جو کتاب اور حکمت کی باتیں تمہیں نصیحت کرنے کے لئے نازل کی ہیں انہیں یاد رکھو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ رب العزت ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

تو پھر قادیانیوں کے ہاں اس پر پابندی کیوں ہے؟ اگر دعا سے نبوت لینی ہے تو پھر نعمتِ تامہ یعنی تشریعی نبوت لینی چاہئے تاکہ مکمل نعمت حاصل ہو حالانکہ مرزائی اس کے قائل نہیں۔

۱۰......مرزا قادیانی اس آیت کے تحت لکھتا ہے:

پس اس آیت سے بھی پہلے کھلے کھلے طور پر ثابت ہوا کہ خدا تعالیٰ اس امت کو ظلی طور پر تمام انبیاء کا وارث ٹھہراتا ہے تاکہ انبیاء کا وجود ظلی طور پر ہمیشہ باقی رہے اور دنیا ان کے وجود سے کبھی خالی نہ ہو۔ (۱)

اس آیت سے مراد مرزا قادیانی گو ظلی نبی لیتا ہے جو ہمیشہ ہمیشہ دنیا میں چلے آتے ہیں جن سے دنیا کبھی خالی نہیں رہی مگر مرزا کی امت حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اور مرزا سے پہلے کسی کو بھی نبی تسلیم نہیں کرتے، معلوم ہوا کہ مرزا کچھ کہتا ہے اور اس کی امت کچھ کہتی ہے۔ اب مرزائی فیصلہ کریں کہ وہ درست کہتے ہیں یا ان کا متنبّی مرزا؟

۱۱......نعمت سے مراد نبوت کا ملنا نہیں، کیونکہ یہ نعمت حضرت مریم پر بھی نازل ہوئی ہے:

إِذْ قَالَ اللّٰهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِي عَلَيْكَ وَعَلَى وَالِدَتِكَ.

(المائدة: ۱۱۰)

---

(۱) شہادت القرآن، روحانی خزائن: ج۶ ص۳۵۲

ترجمہ: اے عیسی! میری نعمت کو یاد کرو جو میں نے تجھ پر اور تیری ماں پر کی۔

ایسا ہی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ پر انعام ہوا:

وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِی أَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِکْ عَلَيْکَ زَوْجَکَ (الأحزاب: ۳۷)

ترجمہ: اور (اے پیغمبر!) یاد کرو جب تم اس شخص سے جس پر اللہ تعالی نے بھی انعام کیا تھا اور تم نے بھی۔

اسی طرح سب مسلمانوں پر انعام الٰہی ہوا کہ بھائی بھائی بن گئے:

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰـهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا (آل عمران: ۱۰۳)

ترجمہ: اور اللہ رب العزت نے تم پر جو انعام کیا ہے اسے یاد رکھو کہ ایک وقت تھا جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اللہ رب العزت نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور تم اللہ تعالی کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے۔

ان سب مقامات پر نعمت ملنے کا ذکر ہے، لیکن اس سے نبوت لازم نہیں آتی اسی طرح زیر بحث آیت میں بھی نعمت سے مراد نبوت ملنا لازم نہیں۔

۱۲......اس دُعا میں منعم علیہم گروہ کی طرح استقامت کی راہ پر گامزن رہنے کی تمنا ہے، کیونکہ جو ممکن انعامات ہیں اسی راہ پر ملیں گے، مثلاً ہر قسم کے انوار و برکات اور محبت ویقین کامل اور تائیدِ سماویہ اور قبولیت اور معرفتِ تامہ، عزیمت واستقامت کے انعام جو امتِ محمدیہ کے لئے مقرر ہے۔

۱۳......اگر نبوت طلب کرنے کی دعا ہے تو غلام احمد قادیانی نبی بن جانے کے بعد یہ دعا کیوں مانگتا تھا؟ کیا اسے اپنی نبوت پر یقین نہ تھا؟

۱۴......مرزا قادیانی نے لکھا ہے کہ ”اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ“ تو دل میں یہی ملحوظ رکھو کہ میں صحابہ اور مسیح موعود کی جماعت کی راہ طلب کرتا ہوں۔ ❶

اس آیت میں منعم علیہم کی نعمت طلب کرنے کی تعلیم نہیں دی گئی، بلکہ ان کے راستے پر چلنے کی دعاء سکھلائی گئی۔ انبیاء کا راستہ شریعت اور مذہب ہے کہ وہ اس کی پابندی اور اتباع کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں۔ اگر نبوت طلب کرنے کی تعلیم مقصود ہوتی تو ”صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ“ کے بجائے ”اَعْطِنَا مَا اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ“ ہوتا۔

۱۵......”اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ“ یہ دعا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مانگی، بلکہ یہ دعا مانگنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو سکھلایا، لیکن یہ دعا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت مانگی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی منتخب ہو چکے تھے، قرآن مجید آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اترنا شروع ہو چکا تھا۔ ظاہر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دُعا سے نبی نہیں بنے، تو پھر اس دعا کا فائدہ کیا ہوا؟ مزید یہاں یہ سوال بھی ہوتا ہے کہ چودہ سو سال میں کسی ایک کی یہ دعا قبول ہوئی یا نہ ہوئی؟ اگر ہوئی تو وہ کون ہے جو اس دعا سے نبی بنا؟ اور اگر قبول نہ ہوئی تو پھر یہ امت خیرِ امت کیسے ہوئی؟ اور اگر مرزائی کہیں کہ صرف مرزا کی دعا قبول ہوئی تو پھر یہ سوال ہوتا ہے کہ اگر مرزا کے حق میں قبول ہوئی تو مکمل کیوں نہ قبول ہوئی؟ تیسرا حصہ کیوں قبول ہوئی؟ کیونکہ بادشاہت اور نبوت مستقلہ بھی نعمت ہیں یہ دونوں نعمتیں مرزا کو کیوں نہ ملی؟ مرزا میں وہ کونسی خامیاں تھی جن کی وجہ سے مرزا کو ان نعمتوں سے محروم رکھا گیا؟ دراصل قادیانیوں کو ایک اصولی غلطی لگی ہے، وہ یہ کہ نبوت کو انہوں نے کسبی سمجھا حالانکہ نبوت وہبی ہے۔ ❷

---

❶ تحفہ گولڑویہ، روحانی خزائن: ج ۱۷ ص ۲۱۸

❷ قادیانی شبہات کے جوابات: ج ۱ ص ۱۳۶ تا ۱۴۰

غضب کی تعریف

علامہ جار اللہ زمخشری رحمہ اللہ (متوفی ۵۳۸ھ) غضب کا معنی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا نافرمانوں سے انتقام کا ارادہ کرنا اور ان پر سزا نافذ کرنا:

فإن قلت ما معنى غضب الله قلت: هو إرادة الانتقام من العصاة. ❶

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں:

الغضب: تغير يحصل عند غليان دم القلب لشهوة الانتقام. ❷

ترجمہ: غضب اس تبدیلی کو کہتے ہیں جو بدن میں اس وقت پیدا ہوتی ہے جب انتقام کے ارادے سے دل کا خون جوش مارے۔

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں:

والغضب: ثوران النفس إرادة الانتقام. ❸

ترجمہ: قلب کے خون کا انتقام کے ارادے کے وقت جوش مارنا۔

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ نے تعریف میں لفظ ''النفس'' استعمال کیا، اور یہاں مراد خون ہے، ''النفس'' کا الف لام قلب کے عوض میں آیا ہے۔

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) فرماتے ہیں:

والغضب: ثوران النفس لإرادة الانتقام. ❹

ترجمہ: قلب کے خون کا انتقام کے ارادے کے وقت جوش مارنا۔

---

❶ الكشاف: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۵۹

❷ التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الفصل التاسع، ج ۱ ص ۲۲۳

❸ التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۴۱

❹ التفسير المظهري: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۱

یہاں موصوف صفت کے درمیان مطابقت نہیں؟

سوال: ''صِرَاطَ الَّذِينَ'' موصوف ہے جو کہ معرفہ اور ''غَيْرِ الْمَغْضُوبِ'' جو کہ صفت ہے نکرہ ہے، قاعدہ ہے کہ لفظ غیر اضافت کے باوجود بھی نکرہ ہی رہتا ہے، اب موصوف اور صفت کے درمیان مطابقت نہ رہی؟

جواب: ا......قاعدہ ہے کہ موصول افادہ تعریف میں معرف باللام کے مانند ہوتا ہے ''الَّذِينَ'' اسم موصول سے مراد معہود فی الذہن ہے۔اس لئے کہ عہد خارجی کے معنی مراد نہیں لے سکتے، کیونکہ خارج میں کوئی فرد معین نہیں ہے، اور جنس کے معنی بھی مراد نہیں لے سکتے، کیونکہ راستہ حقیقت شی کا نہیں ہوتا بلکہ افرادِ شی کا ہوتا ہے، اور استغراق کا معنی بھی نہیں مراد لے سکتے کیونکہ کوئی قرینہ موجود نہیں ہے، تو معلوم ہوا کہ مراد ''الَّذِينَ'' سے معہود فی الذہن ہے اور معہود فی الذہن نکرہ کے حکم میں آتا ہے، لہٰذا ''الَّذِينَ'' بھی نکرہ کے حکم میں ہے اور ''غَيْرِ الْمَغْضُوبِ'' بھی نکرہ ہے تو اب موصوف صفت میں تنکیر میں مطابقت ہوگئی۔

۲......لفظ غیر اگر دو ضدین کے درمیان واقع ہو تو اضافت مفید تعریف ہوگی، جیسے ''الحركة غير السكون'' پس اسی طرح ''غَيْرِ الْمَغْضُوبِ'' میں بھی لفظ غیر دو ضدین کے درمیان واقع ہے، تو اب موصوف صفت کے درمیان معرفہ ہونے میں مطابقت ہوگئی:

أن غير هنا معرفة لأن المحققين من علماء العربية قالوا إنها قد تتعرف بالإضافة وذلک إذا وقعت بين متضادين معرفتين نحو عليک بالحركة غير السكون.[1]

---

[1] روح المعاني: سورة الفاتحة، ج ١ ص ١٢٨ / مدارک التنزيل: سورة الفاتحة، ج ١ ص ٣٣

بیالیسویں بحث: غضب کی نسبت جب اللہ رب العزت کی طرف ہو تو غایت وانتہاء مراد ہوتی ہے

لفظ غضب کا معنی حقیقی کا اعتبار کرتے ہوئے ذات باری تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت کرنا درست نہیں، اس لئے کہ غضب معنی حقیقی کے اعتبار سے قلب اور دم کا تقاضہ کرتا ہے، اور ذات باری تعالیٰ ان سے منزہ ہے۔ اسی طرح غلیان جس کے معنی جوش مارنے کے ہیں یہ از قبیل انفعال کے ہے اور ذات باری تعالیٰ فاعل ہے منفعل نہیں۔ پس جب غضب کو ذات باری تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے تو غضب سے مراد غایت اور منتہاء یعنی سزا اور عذاب ہوگا۔ سزا اور عذاب از قبیلِ افعال ہے انفعال نہیں۔ پس اس صورت میں ترجمہ ہوگا: وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا اور اس کی سزا کے مستحق ہوئے، پس انفعال کا اشکال ختم ہوگیا۔ نیز قلب اور دم کا سوال بھی نہ رہا، اس لئے کہ سزا اور عذاب دینے کے مفہوم میں قلب اور دم کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ٦٠٦ھ) نے ایک قاعدہ کلیہ نقل کیا ہے کہ جتنے بھی اعراضِ نفسانیہ ہیں مثلاً رحمت، خوشی، غضب، حیا، غیرت، مکر، تکبر، استہزاء وغیرہ۔ پس جب ان اعراض کی ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف نسبت ہوگی تو اس وقت غایت مراد ہوگی۔ مثلاً لفظِ غضب اس کا معنی خون کا جوش مارنا، اب یہ معنی مراد نہیں ہوگا، بلکہ اس کی غایت مغضوب علیہ کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کرنا مراد ہوگا۔ اسی طرح لفظِ حیاء کا اطلاق جب ذات باری تعالیٰ پر ہو تو اس سے فعل کا ترک کرنا مراد ہوگا نہ کہ انکسار نفس:

واعلم أن هذا على الله تعالى محال، لكن ههنا قاعدة كلية، وهي أن جميع الأعراض النفسانية أعني الرحمة، والفرح، والسرور، والغضب، والحياء، والغيرة، والمكر والخداع، والتكبر، والاستهزاء لها أوائل، ولها

غـايـات، ومثـالـه الـغـضـب فإن أوله غليان دم القلب، وغايته إرادة إيصال الضرر إلى المغضوب عليه، فلفظ الغضب في حق اللّٰه تعالى لا يحمل على أوله الـذي هـو غـليـان دم الـقلب، بل على غايته الذي هو إرادة الأضرار، وأيـضـاً، الـحيـاء لـه أول وهـو انكسار يحصل في النفس، وله غرض وهو تـرك الـفـعـل، فـلفظ الحياء في حق اللّٰه يحمل على ترك الفعل لا على انكسار النفس، وهذه قاعدة شريفة في هذا الباب. ❶

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں:

فإذا أسند إلى اللّٰه تعالى أريد به المنتهى والغاية. ❷

ترجمہ: جب اس (غضب) کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے تو اس کا انجام کار یعنی انتقام لینا مراد ہوگا۔

علامہ قاضی ابوالسعود محمد بن محمد رحمہ اللہ (متوفی ۹۸۲ھ) فرماتے ہیں:

وعند إسناده إلى اللّٰه سبحانه يراد به غايته. ❸

ترجمہ: غضب کی نسبت جب اللہ رب العزت کی طرف ہو تو اس سے مراد غایت وانتہاء ہوگی۔

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) فرماتے ہیں:

إذا أسند إلى اللّٰه تعالى أريد به المنتهى. ❹

ترجمہ: جب غضب کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے تو اس سے مراد غایت وانتہاء ہوگی۔

---

❶ التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ۱ ص ۲۲۳

❷ التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۴۱

❸ تفسير أبي السعود: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۹

❹ التفسير المظهري: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۱

تینتالیسویں بحث: لفظ ضالین کی لغوی، صرفی تحقیق

لفظ ضالین کی لغوی تحقیق

امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ ارشاد باری تعالیٰ: ''وَلَا الضَّالِّيْنَ''
کلامِ عرب میں ضلال اسلوبِ اعتدال اور حق کا راستہ چھوڑنے کو کہتے ہیں، چنانچہ کہا جاتا ہے:
ضَلَّ اللَّبَنُ فِي الْمَاءِ (دودھ پانی میں غائب ہوگیا)۔ اسی معنی میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ (السجدة:)

ترجمہ: جب ہم زمین میں ملیامیٹ ہوجائیں گےتو۔

یعنی جب ہم موت کے ذریعے غائب ہوجائیں گے اور مٹی بن جائیں گے، اسی طرح شاعر کہتا ہے:

أَلَمْ تَسْأَلْ فَتُخْبِرُکَ الدِّيَارُ   عَنِ الْحَيِّ الْمُضَلَّلِ أَيْنَ سَارُوْا

ترجمہ: کیا تم نے برباد گھروں سے نہیں پوچھا کہ وہ تمہیں بتا دیتے کہ گم شدہ قبیلہ کہاں گیا؟

''ضَلْضَلَةٌ'' اس چکنے پتھر کو کہتے ہیں جسے گھاٹی میں پانی الٹ پلٹ کرتا رہتا ہے۔ اسی طرح ''غَضْبَةٌ'' پہاڑ کی اس چٹان کو کہتے ہیں جس کا رنگ اپنے پہاڑ کے رنگ سے مختلف ہوتا ہے۔

کلامِ عرب میں ضلال، اسلوبِ اعتدال اور حق کا راستہ چھوڑنے کو کہتے ہیں۔ چنانچہ کہا جاتا ہے ''ضل اللبن في الماء'' یعنی دودھ پانی میں غائب ہوگیا۔ اس معنی میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ''أَئِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ'' جب ہم زمین میں ملیامیٹ ہوجائیں گے یعنی جب ہم موت کے ذریعے غائب ہوجائیں گے اور مٹی ہوجائیں گے:

الضلال في كلام العرب هو الذهاب عن سنن القصد وطريق الحق، ومنه: ضل اللبن في الماء أي غاب. ومنه: أئذا ضللنا في الارض أي غبنا بالموت وصرنا ترابا. ❶

لفظ ضالین کی صرفی تحقیق

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

الأصل في الضالين: الضاللين حذفت حركة اللام الاولى ثم أدغمت اللام في اللام فاجتمع ساكنان مدة الالف واللام المدغمة. ❷

ترجمہ: لفظ ''ضالین'' اصل میں ''ضاللین'' تھا، پہلے لام کی حرکت کو حذف کر کے لام کو لام میں مدغم کر دیا، اس طرح ''ضا'' کا الف اور ''لین'' کا ادغام شدہ لام، دو ساکن جمع ہو گئے پھر ان کو مدغم کیا۔

ضلال کا معنی

علامہ قاضی ابو السعود محمد بن محمد رحمہ اللہ (متوفی ۹۸۲ھ) فرماتے ہیں:

والضلال هو العدول عن الصراط السوي. ❸

ترجمہ: ''ضلال'' سیدھے راستے سے تجاوز کرنے کو کہتے ہیں۔

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) فرماتے ہیں:

الضلالة ضد الهداية وهو العدول عن الطريق الموصل وله عرض عريض. ❹

---

❶تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ١ ص ١٩٥

❷تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ١ ص ١٩٦

❸تفسير أبي السعود: سورة الفاتحة، ج ١ ص ٢٩

❹التفسير المظهري: سورة الفاتحة، ج ١ ص ٢١

ترجمہ: ضلالت ہدایت کی ضد ہے، یہ مقصود تک پہنچانے والے راستے سے عدول کرنا ہے، اوراس کا کشادہ میدان ہے (یعنی اس کے بہت سے مصداق ہیں، سب سے ادنی ترکِ اولی ہے اور سب سے اعلی کفر باللہ ہے، اور پھر اس ادنی اور اعلی کے درمیان بہت سے طبقات ہیں، جن کا شمار دشوار ہے)۔

چوالیسویں بحث: مغضوب سے مراد یہود اور ضالین سے مراد نصاری ہیں

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہود پر غضب کا اطلاق کیا ہے:

وَبَاءُوْا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ. (آل عمران: ۱۱۲)

ترجمہ: انجام کار وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹے ہیں۔

اور نصاری پر ضالین کا اطلاق کیا ہے:

قَدْ ضَلُّواْ مِن قَبْلُ وَأَضَلُّواْ كَثِيراً وَضَلُّواْ عَن سَوَاءِ السبيل. (المائدة:۷۷)

ترجمہ: جو پہلے خود بھی گمراہ ہوئے، بہت سے دوسروں کو بھی گمراہ کیا، اور سیدھے راستے سے بھٹک گئے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

فالجمهور أن المغضوب عليهم اليهود والضالين النصارى. [1]

ترجمہ: جمہور علماء کے نزدیک مغضوب سے مراد یہود اور ضالین سے مراد نصاری ہیں۔

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں:

المشهور أن المغضوب عليهم هم اليهود، لقوله تعالى: مَن لَّعَنَهُ

[1] تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ۱ ص ۱۹۴

اللّٰہ وَغَضِبَ عَلَیۡہِ. والضالین: هم النصاری لقوله تعالی: قَدۡ ضَلُّواۡ مِن قَبۡلُ وَأَضَلُّواۡ کَثِیراً وَضَلُّواۡ عَن سَوَاء السبیل. ❶

ترجمہ: مشہور قول یہی ہے کہ مغضوب علیہم سے مراد یہود ہیں جیسا کہ اللہ تعالی نے اس آیت میں ''مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ '' ان پر غضب کا اطلاق کیا ہے، اور ضالین سے مراد نصاری ہیں جیسا کہ اللہ تعالی نے اپنے اس فرمان ''قَدْ ضَلُّوْ مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيْلِ '' میں ان پر ضلال کا اطلاق کیا ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

وکل من الیهود والنصاری ضال مغضوب علیه، لکن أخص أوصاف الیهود الغضب کما قال فیهم: مَنۡ لَعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَیۡهِ وأخص أوصاف النصاری الضلال کما قال: قَدۡ ضَلُّوا مِنۡ قَبۡلُ وَأَضَلُّوا کَثِیرًا وَضَلُّوا عَنۡ سَوَاءِ السَّبِیلِ، وبهذا جاء ت الأحادیث والآثار. ❷

ترجمہ: یہود ونصاری میں سے ہر ایک گمراہ ضال (گمراہ) اور ہر ایک مغضوب علیہم ہے، لیکن یہود کے اوصاف میں سب سے زیادہ غضب ہے جیسا کہ مذکورہ فرمان باری تعالی میں ہے، اور نصاری کے اوصاف میں زیادہ ضلال ہے جیسا کہ مذکورہ باری تعالی کے فرمان میں ہے، اور اس تفسیر (یعنی مغضوب علیہ سے مراد یہود اور ضالین سے مراد نصاری ہے) کی تائید میں احادیث اور آثار بھی مروی ہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (متوفی ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں:

وأخرج سفیان بن عیینة في تفسیره وسعید بن منصور عن اسمعیل

---

❶ التفسیر الکبیر: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ۱ ص ۲۲۲

❷ تفسیر ابن کثیر: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۳۴

بـن أبـي خـالد أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال المغضوب عليهم اليهود والـضالون هم النصارى. وأخرج أحمد وعبد بن حميد والترمذي وحسنه وابـن جـريـر وابن المنذر وابن أبي حاتم وابن حبان في صحيحه عن عدي بـن حـاتـم قـال قـال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إن المغضوب عليهم اليهود وإن الضالين النصارى. ❶

ترجمہ: سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں، اور سعید بن منصور رحمہ اللہ نے اسماعیل بن ابی خلاد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مغضوب علیہم سے مراد یہود اور ضالین سے مراد نصاری ہیں۔

امام احمد، امام عبد بن حمید اور امام ترمذی رحمہم اللہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور اس کی تحسین بھی کی ہے، امام ابن جریر، امام ابن المنذر، امام ابن ابی حاتم اور امام ابن حبان رحمہم اللہ نے اپنی صحیح میں اس روایت کو عدی بن حاتم رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مغضوب علیہم سے مراد یہود اور ضالین سے مراد نصاری ہیں۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں:

والـمـراد بالمغضوب عليهم اليهود وبالضالين النصارى وقد روى ذلک أحـمد في مسنده وحسنه إبن حبان في صحيحه مرفوعا إلى رسول الـلّٰـه وأخـرجه إبن جرير عن إبن عباس وإبن مسعود رضى اللّٰه عنهم وقال إبن أبى حاتم: لا أعلم فيه خلافا للمفسرين. ❷

ترجمہ: مغضوب علیہم سے مراد یہود اور ضالین سے مراد نصاری ہیں، اس کی تائید میں امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں روایت نقل کی ہے، اور امام ابن حبان رحمہ اللہ اپنی

❶ الدر المنثور في التفسير الماثور: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۴۲

❷ روح المعاني: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۲۹

"صحیح ابن حبان" میں اس روایت کو مرفوعاً نقل کیا ہے اور اس کی تحسین بھی ہے، علامہ ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بھی نقل کیا ہے، امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ فرماتے کہ ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ اس تفسیر کے بارے میں کسی نے اختلاف کیا ہو۔

علامہ محمد امین بن محمد شنقیطی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۳ھ) فرماتے ہیں:

وقوله غير المغضوب عليهم ولا الضالين قال جماهير من علماء التفسير المغضوب عليهم اليهود و الضالون النصارى. ❶

ترجمہ: جماہیر علماء اس کی یہ تفسیر فرماتے ہیں کہ مغضوب علیہم سے مراد یہود اور ضالین سے مراد نصاری ہیں۔

حدیث کی تخریج

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مغضوب علیہم سے مراد یہود ہیں اور ضالین سے مراد نصاری ہیں:

عن عدي بن حاتم عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: اليهود مغضوب عليهم والنصارى ضلّال. ❷

---

❶أضواء البيان في إيضاح القرآن بالقرآن: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۹

❷سنن الترمذی: أبواب تفسير القرآن، باب: ومن سورة فاتحة الكتاب، ج۵ ص ۲۰۲، رقم الحديث: ۲۹۵۴/ صحيح ابن حبان: كتاب التاريخ، باب بدء الخلق، ذكر البيان بأن أهل الكتاب ... إلخ، ج۱۴ ص ۱۴۰، رقم الحديث: ۶۲۴۶/ مسند أحمد: مسند الكوفيين، ج۳۲ ص ۱۲۴، رقم الحديث: ۱۹۳۸۱/ المعجم الكبير للطبراني: باب العين، ج۱۷ ص ۹۹، رقم الحديث: ۲۳۷/ صححه الألباني في صحيح الجامع الصغير وزيادته، ج۲ ص ۱۳۶۳، رقم الحديث: ۸۲۰۲

پینتالیسویں بحث: لفظ ضاد کا صحیح مخرج

فمن حافة اللسان من أقصاها إلى الأضراس الضاد. ❶

وَالضَّادُ مِنْ حَافَتِهِ إِذْ وَلِيَا....... اَلْأَضْرَاسُ مِنْ أَيْسَرَ أَوْ يُمْنَاهَا. ❷

ضاد حافہ لسان سے نکلتا ہے جب کہ وہ مل جائے اضراس (علیا) سے، داہنی طرف کی داڑھوں سے بھی نکلتا ہے اور بائیں طرف کی داڑھوں سے بھی۔ ضاد حافۂ لسان یعنی زبان کی کروٹ، داہنی یا بائیں سے نکلتا ہے جب کہ اضراس علیا یعنی اوپر کی ڈاڑھ کی جڑ سے لگا دیں، اور بائیں طرف سے آسان ہے اور دونوں طرف سے ایک دفعہ میں نکالنا بھی صحیح ہے مگر بہت مشکل ہے، اس حرف کو ''حافیہ'' کہتے ہیں۔ ❸

ساتواں مخرج حافۂ لسان اور داڑھوں کی جڑ اس سے ''ض'' نکلتا ہے۔ ❹

مزید تحقیق کے لئے دیکھئے ''سبیل الرشاد فی تحقیق تلفظ الضادؔ''

چھیالیسویں بحث: لفظ ضاد اور ظاء میں التباس کی صورت میں نماز فاسد نہیں ہوگی

حرف ضاد اور ظاء کے درمیان تمیز خاصی مشکل ہے اور ان کی صحیح ادائیگی میں خاصی مشقت اٹھانی پڑتی ہے اسی لئے عمومِ بلوی کی وجہ سے نماز فاسد نہیں ہوتی، البتہ یہ بات اپنے مقام پر درست اور صحیح ہے کہ حتی الوسع ہر حرف کی تصحیح اور اپنے مخرج سے ادائیگی کی مدت العمر کوشش جاری رکھنے چاہئے۔

---

❶ المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الرابع في كيفيتهما، ج ١ ص ٣٦٢

❷ متن المقدمة الجزرية: باب مخارج الحروف، ص ١٢

❸ جمال القرآن: ص١٢

❹ فوائد مکیہ: ص١٠

ا......علامہ آلوسی رحمہ اللہ کی عمدہ بحث

ضاد اور ظا میں مخرج کے اعتبار سے یہ فرق ہے کہ ضاد کا مخرج اصل حافہ لسان اور اس کے متصل کی داڑھیں ہیں خواہ زبان کی داہنی جانب سے نکالا جائے یا بائیں جانب سے، اور بعض لوگ دونوں جانب سے نکالنے پر بھی قدرت رکھتے ہیں، اور ظاء کا مخرج طرفِ لسان اور ثنایا علیا کی جڑیں ہیں، اور علماء کا ان کے آپس میں ایک دوسرے سے بدل دینے کے بارے میں اختلاف ہے کہ کیا یہ ابدال ناجائز اور مفسد نماز ہے یا نہیں۔ بعض نے کہا کہ اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور یہی قیاس ہے اور اسی کو محیط برہانی میں عامہ مشائخ سے نقل کیا ہے اور اسی کو خلاصہ میں امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ سے نقل کیا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی اور یہی استحسان ہے اور اسی کو مشائخ عامہ سے نقل کیا ہے مثل ابومطیع بلخی اور محمد بن سلمہ رحمہما اللہ، اور ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ جب دونوں میں فرق کرنے پر قدرت ہو اور پھر عمداً غلط پڑھے اور کسی قراءت میں یہ تبدیل منقول نہ ہو جیسے ''وَلَا الضَّالِّينَ'' اور ''غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ'' میں ہے اور معنی بھی بدل جائیں تو ان تمام شرطوں کے ساتھ فسادِ نماز کا حکم کیا جائے گا، ورنہ نہیں کیونکہ دونوں میں تمیز دشوار ہے خصوصاً اہلِ عجم قرنِ اول میں مسلمان ہوئے اور کہیں منقول نہیں کہ صحابہ وتابعین نے ان کو فرق کرنے کی تحریص وتاکید کی ہو یا اس کے تعلیم حاصل کرنے کا امر کیا ہو۔ اور اگر اہلِ عجم پر یہ فرق اور اس کی تعلیم واجب ہوتی تو وہ صحابہ ضرور اس کی تاکید کرتے اور ان سے اس کی نقل ہم تک پہنچتی اور یہی وہ چیز ہے کہ جس پر اعتماد کرنا اور فتوی دینا مناسب ہے۔ اور بعض لوگوں نے ایک مستقل رسالہ میں ان الفاظ کو جمع کر دیا ہے جن کے معنی ضاد اور ظاء ہو کے آپس میں بدلنے سے بدلتے نہیں اور یہ رسالہ بہت اچھا ہے اس کو دیکھنا چاہئے:

والفرق بين الضاد والظاء مخرجا أن الضاد مخرجها من أصل حافة

اللسان وما يليها من الأضراس من يمين اللسان أويساره ومنهم من يتمكن من إخراجها منهما والظاء مخرجها منطرف اللسان وأصول الثنايا العليا واختلفوا في إبدال أحدهما بالأخرى هل يمتنع وتفسد به الصلاة أم لا فقيل تفسد قياسا ونقله في المحيط البرهاني عن عامة المشايخ ونقله في الخلاصة عن أبي حنيفة ومحمد وقيل لا استحسانا ونقله فيها عن عامة المشايخ كأبي مطيع البلخي ومحمد بن سلمة وقال جمع أنه إذا أمكن الفرق بينهما فتعمد ذلک وكان مما لم يقرأ به كما هنا وغير المعنى فسدت صلاته وإلا فلا لعسر التمييز بينهما خصوصا على العجم وقد أسلم كثير منهم في الصدر الأول ولم ينقل حثهم على الفرق وتعليمه من الصحابة ولو كان لازما لفعلوه ونقل وهذا هو الذي ينبغي أن يعول عليه ويفتى به وقد جمع بعضهم الألفاظ التي لا يختلف معناها ضادا وظاء في رسالة صغيرة ولقد أحسن بذلک فليراجع فإنه مهم. ❶

۲.....علامہ قاضی خان رحمہ اللہ (متوفی ۵۹۲ھ) فرماتے ہیں:

وإن ذكر حرفاً مكان حرفاً وغير المعنى فإن أمكن الفصل بين الحرفين من غير مشقة كالطاء مع الصاد فقرأ الطالحات مكان الصالحات تفسد صلاته عند الكل وإن كان لا يمكن الفصل بين الحرفين إلا بمشقة كالظاء مع الضاد والصاد مع السين والطاء مع التاء اختلف المشايخ فيه قال أكثرهم لا تفسد صلاته. ❷

❶روح المعاني: سورة التكوير، آیت نمبر۲۴ کے تحت، ج۳۰ص۳۷۳/ جواہر الفقہ: ج۱ص۳۲۷، ۳۲۸

❷فتاوى قاضيخان، فصل في القراء ة في القرآن خطاء وفي الأحكام المتعلقة بالقراء ة، ج ۱ ص ۱۴۱

اگر ایک حرف کی جگہ دوسرے حرف کو ذکر کیا اور معنی میں تبدیلی آ گئی (تو دیکھا جائے گا) اگر دوحرفوں کے درمیان بغیر کسی مشقت کے فرق کرنا ممکن ہو جیسے طاء اور صاد میں مثلاً ''صالحات'' کی جگہ ''طالحات'' پڑھا تو سب کے نزدیک نماز فاسد ہوگی۔ اور اگر بغیر مشقت کے فرق ممکن نہ ہو جیسے ظاء اور ضاد، صاد اور سین، طاء اور تاء میں تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے، اکثر علماء کے رائے یہ ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوگی۔

۳......امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں:

المختار عندنا أن اشتباه الضاد بالظاء لا يبطل الصلاة. ❶

ترجمہ: ہمارے نزدیک پسندیدہ قول یہ ہے کہ ضاد اور ظاء میں اشتباہ کی صورت میں نماز فاسد نہیں ہوگی۔

۴......حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

والصحيح من مذاهب العلماء أنه يغتفر الإخلال بتحرير ما بين الضاد والظاء لقرب مخرجيهما. ❷

ترجمہ: علماء کرام کا صحیح مذہب یہ ہے کہ ضاد اور ظاء میں جو فرق ہے اگر اس میں کوئی کمی باقی رہ جائے تو معاف ہے، کیونکہ یہ دونوں حروف قریب المخرج ہیں۔

۵......محقق علی الاطلاق ابن ہمام رحمہ اللہ (متوفی ۸۶۱ھ) فرماتے ہیں:

فان لم يمكن الفصل بين الحرفين مع غير مشقة كالضاد والظا اختلفوا واكثرهم لم يفسدها. ❸

ترجمہ: اگر دوحرفوں میں بلا مشقت فرق ممکن نہ ہو مثلاً ضاد اور ظاء تو اس میں فقہاء کا

---

❶ التفسير الكبير: التعوذ، الباب الأول، ج ۱ ص ۶۹

❷ تفسير ابن كثير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۳۵

❸ زاد الفقير: ص ۴۲، بحوالہ تنقید متین بر تفسیر نعیم الدین، ص ۳۵، ۳۶

اختلاف ہے اوران میں اکثر کی رائے یہ ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوگی۔

۶......علامہ محمد بن محمد المعروف بابن البزاز رحمہ اللہ (متوفی ۸۲۷ھ) لکھتے ہیں:

والأصل أنه إن أمكن الفصل بين الحرفين بلا كلفة كالصاد مع الطاء بأن قرأ الطالحات مكان الصالحات فسد عند الكل وإن لم يمكن إلا بمشقة كالظاء مع الضاد والصاد مع السين والطاء مع التاء اختلفوا فالأكثر على أنه لا يفسد لعموم البلوى. ❶

ترجمہ: ضابطہ یہ ہے کہ دوحرفوں میں اگر بلا مشقت فرق کرنا ممکن ہو جیسے صاد اور طاء میں مثلاً ''صالحات'' کی جگہ ''طالحات'' پڑھ دیا تو سب کے نزدیک نماز فاسد ہوگی، اور اگر مشقت کے بغیر فرق ممکن نہ ہو مثلاً ظاء اور ضاد، صاد اور سین، طاء اور تا اس میں فقہاء کا اختلاف ہے اکثر فقہاء کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوگی، کیونکہ اس میں عمومِ بلوی ہے۔

۷......اگر دوحرفوں کے درمیان بغیر مشقت کے فرق ممکن ہو جیسے طاء اور صاد کے درمیان، پس اگر کسی نے ''الصالحات'' کی جگہ ''الطالحات'' پڑھا سب علماء کے نزدیک نماز فاسد ہوگی، اور اگر دوحرفوں کے درمیان بغیر مشقت کے فرق ممکن نہ ہو جیسے ضاد اور ظاء، صاد اور سین، طاء اور تاء، تو اس بارے میں مشائخ کا اختلاف ہے، اکثر کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوگی، اسی طرح فتاوی قاضی خان میں ہے:

فَإِنْ أَمْكَنَ الْفَصْلُ بين الْحَرْفَيْنِ من غَيْرِ مَشَقَّةٍ كَالطَّاءِ مع الصَّادِ فَقَرَأَ الطَّالِحَاتِ مَكَانَ الصَّالِحَاتِ تَفْسُدُ صَلَاتُهُ عِنْدَ الْكُلِّ وَإِنْ كان لَا يُمْكِنُ الْفَصْلُ بين الْحَرْفَيْنِ إلَّا بِمَشَقَّةٍ كَالظَّاءِ مع الضَّادِ وَالصَّادِ مع السِّينِ وَالطَّاءِ مع التَّاءِ اخْتَلَفَ الْمَشَايِخُ قال أَكْثَرُهُمْ لَا تَفْسُدُ صَلَاتُهُ هَكَذَا في فَتَاوَى قَاضِيخَانْ. ❷

---

❶ الفتاوى البزازية: كتاب الصلاة، الفصل الثاني عشر في زلة القاري، ج ۱ ص ۴۲

❷ الفتاوى الهندية: كتاب الصلاة، الباب الرابع، الفصل الخامس، ج ۱ ص ۷۹

فاتحہ کے بعد آمین کہنا مستحب ہے

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

يستحب لمن قرأ الفاتحة أن يقول بعدها: آمين. ❶

ترجمہ: سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد آمین کہنا مستحب ہے۔

آمین کا معنی

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

وقال الأكثرون: معناه: اللّٰهم استجب لنا. ❷

ترجمہ: اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ آمین کا معنی ہے اے اللہ! ہماری دعا قبول فرما۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں:

والصحيح أنها كلمة عربية ومعناها أستجب. ❸

ترجمہ: صحیح قول یہ ہے کہ ''آمیـــــن'' عربی کلمہ ہے اور اس کا معنی ہے (اے اللہ! ہماری دعا) قبول فرما۔

لفظ آمین میں چار لغات ہیں

محدث العصر علامہ یوسف بنوری رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۷ھ) فرماتے ہیں:

واللغات فيه أربع افصحها واشهرها آمين بالمد والتخفيف. والثانية بالقصر والتخفيف والثالثة بالامالة والرابعة بالمد والتشديد والأوليان مشهورتان والأخريان حكاها الواحدي في أول البسيط ولهذا كان المفتى

---

❶تفسير ابن كثير: سورة الفاتحة، ج ١ ص ١٣٦

❷تفسير ابن كثير: سورة الفاتحة، ج ١ ص ١٣٦

❸روح المعاني: سورة الفاتحة، ج ١ ص ١٣١

به عندنا أنه لو قال آمين بالتشديد لا تفسده لما علمت أنها لغة ولأنه موجود في القرآن.❶

ترجمہ: ''آمین'' کے پڑھنے میں چار لغات ہیں: ا.....سب سے زیادہ فصیح اور مشہور لغت ''آمین'' قد اور تخفیف (یعنی بغیر تشدید) کے پڑھا جائے۔۲.....بغیر مد اور تخفیف کے ساتھ پڑھا جائے۔۳.....امالہ کے ساتھ پڑھا جائے۔۴.....مد اور تشدید کے ساتھ پڑھا جائے۔ پہلی دو لغات مشہور ہیں، اور آخری دو لغات کو امام واحدی رحمہ اللہ نے ''البسیط'' کے شروع میں نقل کیا ہے، اسی وجہ سے ہمارے نزدیک فتوی اس قول پر ہے کہ اگر کسی نے لفظ آمین کو تشدید کے ساتھ پڑھا تو نماز فاسد نہیں ہوگی، اس وجہ سے کہ یہ بھی ایک لغت ہے اور اس لئے کہ یہ قرآن میں موجود ہے۔

لفظ آمین کو مشدد پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی

علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ (متوفی ۸۵۵ھ) فرماتے ہیں:

ولو قال آمين بتشديد الميم في صلاته تفسد وإليه أشار صاحب الهداية بقوله والتشديد خطأ فاحش ولكنه لم يذكر هنا فساد الصلاة به لأن فيه خلافا وهو أن الفساد قول أبي حنيفة وعندهما لا تفسد لأنه يوجد في القرآن مثله وهو قوله تعالى ولا آمين البيت الحرام وعلى قولهما الفتوى.❷

ترجمہ: اگر لفظ آمین نماز میں میم کی تشدید کے ساتھ پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی، اور اس کی طرف صاحب ہدایہ نے اپنے اس قول کہ تشدید کے ساتھ پڑھنا واضح غلطی ہے، لیکن صاحب ہدایہ نے فساد نماز کا ذکر نہیں کیا، اس وجہ سے کہ اس میں اختلاف ہے، فساد والا

---

❶ معارف السنن شرح سنن الترمذي: أبواب الصلوة، باب ماجاء في التامين، ج۲ ص۴۳۳

❷ عمدة القاري شرح صحيح البخاري: كتاب الآذان، باب جهر الإمام بالتامين، ج۶ ص۴۷

قول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ہے اور صاحبین کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوگی، اس لئے کہ اس کے مثل الفاظ قرآن میں موجود ہے، وہ اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے ”وَلَا آمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ“ اور صاحبین کے قول پر فتوی ہے۔

آمین کہنے کا موقع

قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے کے لئے مسنون ہے کہ سورۂ فاتحہ سے فارغ ہونے کے بعد ”ولا الضالین“ کے نون پر ہلکا سا رُکے اور پھر آمین کہے تاکہ قرآن مجید اور غیر قرآن کا فرق واضح ہوجائے۔ ❶

آمین کہنے سے کب مغفرت ہوتی ہے؟

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے:

إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ فَأَمِّنُوْا فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ تَأْمِيْنُهُ تَأْمِيْنَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ . ❷

ترجمہ: جب امام آمین کہے تو تم بھی کہو کیوں کہ جسکی آمین فرشتوں کی آمین کے ساتھ مل گئی اس کے پچھلے گناہ بخش دیے جائیں گے۔

ہمارے علماء فرماتے ہیں: اس حدیث مبارک کی بناء پر گناہوں کی بخشش کا انحصار چار چیزوں پر ہے۔ پہلی چیز: امام کی آمین، دوسری: مقتدیوں کی آمین، تیسری: فرشتوں کی آمین، اور پھر چوتھی: آمین کا فرشتوں کی آمین کے ساتھ مل جانا۔ اس آمین کے فرشتوں کی آمین کے ساتھ ملنے کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ بعض کہتے ہیں باگاہِ الٰہی میں

---

❶ تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الثالث، ج ا ص ۱۲۷

❷ صحيح البخاري: كتاب الآذان، باب جهر الإمام بالتأمين، ج ا ص ۱۵۶، رقم الحديث: ۷۸۰

قبولیت کی موافقت مراد ہے، بعض کے نزدیک ملائکہ کی آواز کے ساتھ نمازی کی آواز کامل جانا مراد ہے، اور بعض حضرات کا خیال ہے کہ دعا میں اخلاص ایسا ہو جیسا فرشتوں کی دعا میں ہوتا ہے۔ ❶

آمین کے فضائل

امام ابوداود رحمہ اللہ نے ابومصبح مقرائی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہم ایک صحابی حضرت ابوزہیر نمیری رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بیٹھا کرتے تھے، وہ ہمیں بہت اچھی اچھی باتیں سنایا کرتے تھے۔ جب ہم میں سے کوئی دعا کرتا تو وہ کہتے اسے آمین پر ختم کرنا۔ آمین کی حیثیت دستاویز پر مہر لگانے کی سی ہے۔ ایک دن حضرت ابوزہیر نے کہا: میں تمہیں اس کی تفصیل بتاتا ہوں: ایک رات ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہے تھے کہ ایک آدمی کے پاس پہنچے جو بہت عاجزی سے گڑگڑا کر دعا مانگ رہا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی دعا سننے کے لئے رک گئے اور فرمایا:

أَوْجَبَ إِنْ خَتَمَ ، فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ: بِأَيِّ شَيْءٍ يَخْتِمُ؟ قَالَ: بِآمِيْنَ، فَإِنَّهُ إِنْ خَتَمَ بِآمِيْنَ فَقَدْ أَوْجَبَ، فَانْصَرَفَ الرَّجُلُ الَّذِيْ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَتَى الرَّجُلَ فَقَالَ: اِخْتِمْ يَا فُلَانُ بِآمِيْنَ وَأَبْشِرْ. ❷

ترجمہ: اگر اس نے دعا پر مہر لگا دی تو اس کی قبولیت یقینی ہو جائے گی۔ اس جماعت میں سے ایک شخص نے پوچھا: کس چیز سے مہر لگا دے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آمین سے، اگر یہ آمین سے مہر لگا دے تو دعا کی قبولیت یقینی ہو جائے گی۔ نبی کریم صلی اللہ

---

❶ تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الثالث، ج ۱ ص ۱۲۷

❷ سنن أبي داود: كتاب الصلاة، باب التأمين وراء الإمام، ج ۱ ص ۲۴۷، رقم الحديث: ۹۳۸

علیہ وسلم سے پوچھنے والا شخص وہاں سے نکل کر اس آدمی کے پاس گیا اور کہا: اے فلاں! اپنی دعا پر مہر لگادو اور خوشخبری سن لو۔

آمین کے مسئلہ میں اہلِ علم کا اختلاف اولیٰ اور غیر اولیٰ کے اعتبار سے ہے

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (متوفی ۷۵۱ھ) فرماتے ہیں کہ آمین کے مسئلہ میں اہلِ علم کے درمیان جو اختلاف ہے یہ اولی اور غیر اولی کا ہے۔

وَجهَرَ ابنُ عَبّاسٍ بِقِرَاءةِ الْفَاتِحَةِ فِي صَلَاةِ الْجِنَازَةِ لِيُعَلِّمَهُمْ أَنّهَا سُنّةٌ وَمِنْ هَذَا أَيْضًا جَهْرُ الْإِمَامِ بِالتّأْمِينِ وَهَذَا مِنَ الِاخْتِلَافِ الْمُبَاحِ الّذِى لَا يُعَنّفُ فِيهِ مَنْ فَعَلَهُ وَلَا مَنْ تَرَكَهُ وَهَذَا كَرَفْعِ الْيَدَيْنِ فِي الصّلَاةِ وَتَرْكِهِ. ❶

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ جہر سے پڑھی تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ سنت ہے نیز آمین بالجہر کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے، اور یہ ایسا مباح اختلاف ہے جس میں کرنے یا چھوڑنے والے پر سختی نہیں کی جاسکتی، یہ اس طرح ہے جیسے نماز میں رفع یدین یا ترک رفع یدین کا اختلاف ہے (کہ یہ اختلاف بھی اولی اور غیر اولی کا ہے)

---

❶ زاد المعاد في هدى خير العباد: فصول في هديه في العبادات، فصل في أنه صلى الله عليه وسلم كان يراعى حال المامومين وغيرهم، ج ۱ ص ۲۶۶

سینتالیسویں بحث: آمین دعا ہے اور دعا میں اصل اخفاء ہے

آمین دعا ہے اور دُعاء میں اصل اخفاء ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ (الأعراف: ۵۵)

ترجمہ: تم اپنے پروردگار کو عاجزی کے ساتھ آہستہ آہستہ پکارا کرو، یقیناً وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے رب کو آہستہ پکارا:

إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا (مریم: ۳)

ترجمہ: یہ اس وقت کی بات ہے جب انہوں نے اپنے پروردگار کو آہستہ آہستہ آواز سے پکارا تھا۔

حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آمین دعا ہے:

وقال عطاء: آمین دعاء. ❶

آمین دعا ہے اور دعا میں شریعت کا حکم اخفاء کا ہے لہذا آمین میں بھی خفاء ہوگا۔

علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ (متوفی ۸۵۵ھ) فرماتے ہیں کہ ہم نے آمین کہنے پر اخفاء کو پسند کیا، اس لئے کہ یہ دعا ہے اور دعا میں سنت اخفاء ہے، اور اس بات پر دلیل کہ آمین دعا ہے اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے:

قَدْ أُجِيبَتْ دَّعْوَتُكُمَا. (یونس: ۸۹)

ترجمہ: تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی ہے۔

امام ابو العالیہ، امام عکرمہ، امام محمد بن کعب، امام ربیع بن موسی یہ تمام حضرات فرماتے ہیں کہ موسی علیہ السلام دعا فرما رہے تھے اور ہارون علیہ السلام آمین کہہ رہے تھے،

❶صحيح البخاري: كتاب الآذان، باب جهر الإمام بالتأمين، ج ۱ ص ۱۵۶

پس اللہ تعالیٰ نے دونوں کو دعا کرنے والا کہا، اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ آمین دعا ہے لہذا اخفاء جہر سے افضل ہوگا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اُدْعُوْا رَبَّکَ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً. (الأعراف: ۵۵)

اپنے رب کو عاجزی کے ساتھ اور آہستہ آہستہ پکارو۔

فنحن اخترنا الإخفاء لأنه دعاء والسنة في الدعاء الإخفاء والدليل على أنه دعاء قوله تعالى في سورة يونس قد أجيبت دعوتكما قال أبو العالية وعكرمة ومحمد بن كعب والربيع بن موسى كان موسى يدعو وهارون يؤمن فسماهما اللّٰه تعالى داعيين فإذا ثبت أنه دعاء فإخفاؤه أفضل من الجهر به لقوله تعالى ادعوا ربک تضرعا وخفية. ❶

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۶ھ) فرماتے ہیں:

وظابطة الدعاء الإخفاء مالم يدل دليل على خلافه فالإخفاء فيه هو الأصل. ❷

ترجمہ: دعا میں اصل ضابطہ (قاعدہ) اخفاء ہے جب تک کہ کوئی دلیل اس کے برخلاف پر دلالت نہ کرے۔

محدث العصر علامہ یوسف بنوری رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۷ھ) فرماتے ہیں:

الاصل في الأذكار والأدعية هو الإخفاء. ❸

ترجمہ: اذکار اور دعاؤں میں اصل اخفاء ہے۔

---

❶عمدة القاري شرح صحيح البخاري: كتاب الأذان: باب جهر الإمام بالتامين، ج٦ ص ۵۳

❷فتح الملهم شرح صحيح مسلم: كتاب الصلوة، باب التسميع والتحميد والتامين، ج۳ ص ۳۴۱

❸معارف السنن شرح سنن الترمذي: أبواب الصلوة، باب ماجاء في التامين، ج۲ ص۴۰۷

مشہور مفسر امام رازی رحمہ اللہ شافعی المسلک ہونے کے باوجود آمین بالسر کے مسئلہ میں حنفیہ کے موافق ہیں، اور اس موافقت کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم سے احناف کا استدلال نہایت قوی اور درست ہے۔

علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں:

قال أبو حنيفة رحمة اللّٰه عليه، إخفاء التأمين أفضل. وقال الشافعي رحمة اللّٰه عليه، إعلانه أفضل، واحتج أبو حنيفة على صحة قوله، قال: في قوله: آمين وجهان: أحدهما: أنه دعاء. والثاني: أنه من أسماء اللّٰه، فإن كان دعاء وجب إخفاؤه لقوله تعالى: اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً وإن كان اِسْمًا من أسماء اللّٰه تعالى وجب إخفاؤه لقوله تعالى: وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيفَةً فإن لم يثبت الوجوب فلا أقل من الندبية، ونحن بهذا القول نقول. ❶

ترجمہ: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آمین آہستہ کہنا افضل ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا اظہار افضل ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اپنے قول کی صحت پر یوں استدلال کیا کہ آمین میں دو جہت ہیں۔ پہلی جہت یہ ہے کہ آمین دعا ہے اور دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے، پس اگر آمین دعا ہے تو واجب ہے کہ اس کو آہستہ کہا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم اپنے رب کو عاجزی سے اور آہستہ پکارو۔ اور اگر یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ہو تب بھی اخفاء واجب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم اپنے رب کو یاد کرو اپنے دل میں عاجزی کے ساتھ اور ڈرتے ہوئے۔ سو اگر وجوب ثابت نہیں تو استحباب سے کم نہ ہوگا، اور ہم بھی اسی قول کے قائل ہیں۔

---

❶ التفسير الكبير: سورة الأعراف، آیت نمبر ۵۵ کے تحت، ج ۱۴ ص ۲۸۱، ۲۸۲

اکثر صحابہ وتابعین آمین بالسر پر عمل پیرا تھے

علامہ ابن جریر طبری رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۰ھ) فرماتے ہیں:

قال الطبري وروي ذلک عن ابن مسعود وروي عن النخعي والشعبي وابراهيم التيمي كانوا يخفون بآمين والصواب أن الخبر بالجهر بها والمخافة صحيحان وعمل بكل من فعليه جماعة من العلماء وإن كنت مختارا خفض الصوت بها إذا كان أكثر الصحابة والتابعين على ذلک. ❶

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود، ابراہیم نخعی، امام شعبی اور ابراہیم تیمی آمین بالسر پر عمل پیرا تھے، صحیح بات یہ ہے کہ آمین بالجہر وآمین بالسر دونوں کی روایات صحیح ہیں اور علماء کی ایک بڑی جماعت دونوں طرف ہے، اگر آپ کسی ایک کو ترجیح دینا چاہتے ہیں تو آمین بالسر کو اختیار کریں، کیونکہ صحابہ وتابعین کی اکثریت اسی پر عمل پیرا تھی۔

خلاصہ کلام

(صغری) آمین دعا ہے۔ (کبری) اور دعا میں اصل اخفاء ہے۔ (نتیجہ) آمین میں اصل اخفاء ہے۔ **وهو المطلوب**

اب اس دلیل کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ یا تو غیر مقلدین دلیل کے پہلے مقدمے پر نقض کریں اور قرآن وحدیث اور لغت سے ثابت کریں کہ آمین دعا نہیں ہے یا دلیل کے دوسرے مقدمے کو توڑیں کہ دعا میں اصل اخفاء نہیں بلکہ جہر ہے، ورنہ دلیل کے دونوں مقدمے تسلیم کرنے کے بعد نتیجے کا انکار کرنا درست نہیں۔

---

❶ الجوهر النقي: كتاب الصلاة، باب جهر الامام بالتامين، ج۲ ص۵۸

اڑتالیسویں بحث: آمین کے متعلق فقہاء کے مذاہب

احناف و مالکیہ کے نزدیک آمین بالسر کہنا اولی ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کا قول جدید بھی یہی ہے، جبکہ امام احمد اور امام شافعی رحمہما اللہ کا قولِ قدیم یہ ہے کہ آمین بالجہر کہنا اولی ہے:

فقال الحنفية ومالك والشافعي في الجديد ياتي بها سرا وقال الشافعي في القديم وأحمد يجهر بها في الجهرية. ❶

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

وإن أمَّن الإمام جهرًا فالجديد أنه لا يجهر المأموم وهو مذهب أبي حنيفة، ورواية عن مالك، لأنه ذكر من الأذكار فلا يجهر به كسائر أذكار الصلاة. والقديم أنه يجهر به وهو مذهب الإمام أحمد بن حنبل. ❷

ترجمہ: اگر امام جہراً آمین کہے تو امام شافعی رحمہ اللہ کا جدید قول یہ ہے کہ مقتدی جہراً نہ کہے، یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے اور امام مالک رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت یہی ہے، اس لئے کہ آمین اذکار میں سے ایک ذکر ہے، پس اس کو جہراً نہ کہے جس طرح نماز کے دیگر اذکار (سراً کہے جاتے ہیں اسی طرح آمین بھی سراً کہے) امام شافعی رحمہ اللہ کا قولِ قدیم یہ ہے کہ آمین جہراً کہی جائے اور یہی امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں:

وإخفاؤها مذهب ساداتنا الحنفية وهو مذهب أمير المؤمنين علي

---

❶ أوجز المسالك إلى موطا امام مالك: كتاب الصلاة، باب ماجاء في التامين خلف الامام: ج۲ ص۹۲

❷ تفسير ابن كثير: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۳۸

كرم الله تعالى وجهه وعبدالله بن مسعود وعند الشافعية يجهر بها. ❶

ترجمہ: امیر المؤمنین حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما اور ہمارے اکابر علماء احناف کے نزدیک آمین سراً کہنا (اولی) ہے، جب کہ شوافع کے ہاں جہراً کہنا (اولی) ہے۔

انچاسویں بحث: آمین بالسر سے متعلق روایات

۱ ......**عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقَالَ آمِينَ وَخَفَضَ بِهَا صَوْتَهُ.**

ترجمہ: وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ" پڑھا اور آہستہ سے آمین کہی۔ ❷

مذکورہ روایت پر چار اعتراضات

۱.....شعبہ سے اس روایت میں غلطی ہوئی انہوں نے حجر بن عنبس کے بجائے حجر عن ابی العنبس کہا۔

۲.....شعبہ نے حجر اور وائل کے درمیان علقمہ کا واسطہ بڑھایا ہے۔

۳.....شعبہ نے "خفض بها صوته" کے الفاظ نقل کئے جبکہ روایت میں "مد بها صوته" کے الفاظ ہیں۔

۴.....علقمہ اپنے والد کی وفات کے چھ ماہ کے بعد پیدا ہوئے انہوں نے اپنے والد سے کس طرح یہ روایت سنی؟

ان تمام اعتراضات کے تسلی وتشفی بخش جوابات محدث العصر علامہ محمد یوسف بنوری

---

❶ روح المعاني: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۲۹

❷ سنن الترمذي: أبواب الصلاة، باب ما جاء في التامين، ج ۲ ص ۲۷، رقم الحديث: ۲۴۸

رحمہ اللہ نے ''معارف السنن'' میں ذکر کئے ہیں، دیکھئے تفصیلاً: ❶

۲ ......عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَمِعْتُهُ حِينَ قَالَ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلاَ الضَّالِّينَ قَالَ آمِينَ. وَأَخْفَى بِهَا صَوْتَهُ. ❷

ترجمہ: حضرت وائل بن حُجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھی، آپ نے ''غير المغضوب عليهم ولا الضالين'' کے بعد پست آواز سے آمین کہی۔

۳...عن علقمة بن وائل عن أبيه: أنه صلى مع النبي صلى الله عليه وسلم حين قال: غير المغضوب عليهم و لا الضالين قال آمين يخفض بها صوته. هذا حديث صحيح على شرط الشيخين و لم يخرجاه. وقال الذهبي: على شرط البخاري و مسلم. ❸

ترجمہ: حضرت وائل بن حُجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھی، آپ نے ''غير المغضوب عليهم ولا الضالين'' کے بعد پست آواز سے آمین کہی، یہ حدیث صحیح ہے اور شیخین کی شرائط پر ہے۔

۴......عَنْ أَبِي وَائِلٍ، قَالَ: كَانَ عُمَرُ وَعَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا لَا يَجْهَرَانِ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَلَا بِالتَّعَوُّذِ وَلَا بِالتَّأْمِينِ. ❹

---

❶معارف السنن: كتاب الصلاة، باب ما جاء في التامين، ج۲ ص ۴۰۲ تا ۴۰۷

❷سنن الدار قطني: كتاب الصلاة، باب التأمين في الصلاة، ج۲ ص ۱۲۸، رقم الحديث: ۱۲۷۰

❸المستدرك على الصحيحين: كتاب التفسير، سورة الفاتحة، ج۲ ص ۲۵۳، رقم الحديث: ۲۹۱۳

❹شرح معاني الآثار، كتاب الصلاة، باب قراءة بسم الله في الصلاة، ج ۱ ص ۲۰۳، رقم الحديث: ۱۲۰۸

حضرت وائل بن حُجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما تسمیہ، تعوذ اور آمین جہر کے ساتھ نہیں کہتے تھے۔

۵.....علامہ ابن حزم ظاہری رحمہ اللہ (متوفی ۴۵۶ھ) نقل کرتے ہیں:

قال عمر بن الخطاب: يخفي الإمام أربعًا: التعوذ، وبسم اللّٰه الرحمن الرحيم، وآمين، وربنا لک الحمد. ❶

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ امام چار چیزوں کو آہستہ کہے: ا.....تعوذ۔ ۲.....تسمیہ۔ ۳.....آمین۔ ۴.....تحمید۔

۶..... عن علقمة والأسود كلاهما عن عبد اللّٰه بن مسعود قال: يخفي الإمام ثلاثا: الاستعاذة، وبسم اللّٰه الرحمن الرحيم، وآمين. ❷

ترجمہ: حضرت علقمہ اور اسود دونوں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: امام تین چیزوں کو آہستہ آواز سے کہے: ا.....تعوذ۔ ۲.....تسمیہ۔ ۳.....آمین۔

۷.....عن إبراهيم قال خمس يخفين: سبحانک اللّٰهم وبحمدک، والتعوذ، وبسم اللّٰه الرحمن الرحيم، وآمين، واللّٰهم ربنا لک الحمد. ❸

ترجمہ: حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پانچ چیزیں آہستہ کہی جاتی ہیں: ا.....ثناء۔ ۲.....تعوذ۔ ۳.....تسمیہ۔ ۴.....آمین۔ ۵.....تحمید۔

---

❶ المحلى بالآثار: كتاب الصلاة، أوقات الصلاة، مسألة فرض على كل مصل أن يقول إلخ، ج۲ ص ۲۸۰

❷ المحلى بالآثار: كتاب الصلاة، أوقات الصلاة، مسألة فرض على كل مصل أن يقول إلخ، ج۲ ص ۲۸۰

❸ مصنف عبد الرزاق: كتاب الصلاة، باب ما يخفي الإمام، ج۲ ص۸۷، رقم الحديث: ۲۵۹۷

۸...... روی عن النخعي والشعبي وإبراهيم التيمي كانوا يخفون بآمين.❶

ترجمہ: امام نخعی، امام شعبی اور ابراہیم تیمی رحمہم اللہ آہستہ آواز سے آمین کہتے تھے۔

۹..... أخبرنا أبو حنيفة عن حماد عن إبراهيم قال: أربع يخافت به الإمام: سبحانک اللّٰهم وبحمدک، والتعوذ من الشيطان، وبسم الله الرحمن الرحيم، وآمين، قال محمد: وبه نأخذ وهو قول أبي حنيفة.❷

ترجمہ: امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمیں خبر دی امام ابوحنیفہ نے بروایت حماد حضرت امام نخعی رحمہم اللہ سے انہوں نے فرمایا کہ امام چار چیزوں کو آہستہ آواز سے کہے: ۱.....ثناء۔۲.....تعوذ۔۳.....تسمیہ۔۴.....آمین۔امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کو ہم لیتے ہیں اور یہی قول ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ہے۔

اس مسئلہ کے متعلق جانبین کے دلائل، فریقِ مخالف کے دلائل کے جوابات، روایات کے متعلق فقہی مباحث، متعدد طرق سے مروی روایات اور ان کی اسنادی حیثیت کی وضاحت، متعارض فیہا روایات کے درمیان دفعِ تعارض، احناف کے مسلک کی وجہ ترجیحات، موضوع کے متعلق سیر حاصل مباحث کے لئے اہلِ علم حضرات ان کتابوں کی طرف مراجعت فرمائیں:

۱.....عمدة القاری: کتاب الآذان، باب جهر الإمام بالتأمین، ج۶ ص۴۷ تا ۵۳

۲..... بذل المجهود: کتاب الصلاة، باب التأمین وراء الإمام، ج۵ ص۱۵۰ تا ۱۶۶

۳..... فيض الباري: کتاب الآذان، باب جهر الإمام بالتأمین، ج۲ ص۳۶۲ تا ۳۶۸

---

❶الجوهر النقي: کتاب الصلاة، باب جهر الإمام بالتأمین، ج۲ ص۵۸

❷کتاب الآثار: باب الجهر ببسم الله الرحمن الرحيم، ج۱ ص۱۶۲، رقم الحديث:۸۳

۴..... العرف الشذي: أبواب الصلاة، باب ما جاء في التأمين، ج ۱ ص ۲۵۵ تا ۲۶۰

۵..... أوجز المسالک: باب ما جاء في التأمين خلف الإمام، ج ۲ ص ۱۴۵ تا ۱۵۲

۶..... إعلاء السنن: كتاب الصلاة، باب ما جاء فی سنية التأمين والإخفاء بها، ج ۲ ص ۲۴۵ تا ۲۶۰

۷..... فتح الملهم: كتاب الصلاة، باب التسميع والتحميد والتأمين، ج ۳ ص ۳۳۳ تا ۳۴۳

۸..... معارف السنن: أبواب الصلاة، باب ما جاء في التأمين، ج ۲ ص ۳۹۸ تا ۴۳۴

۹..... تجلیات صفدر: تحقیق مسئلہ آمین، ج ۳ ص ۱۰۸ تا ۱۵۲

۱۰..... درس ترمذی: أبواب الصلاة، باب ما جاء في التأمين، ج ۱ ص ۵۱۲ تا ۵۲۶

۱۱..... حدیث اور اہل حدیث: إخفاء التأمين، ج ۳۶۸ تا ۳۹۰

اخفاء الدعاء کے دس اہم فوائد

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۴ھ) فرماتے ہیں کہ آمین دعا ہے اور دعا میں اصل اخفاء ہے، حضرت نے دعا سرا کہنے کی دس اہم فوائد نقل کیے ہیں، دیکھئے تفصیلاً: ❶

❶ التعليق الصبيح على مشكاة المصابيح: كتاب الصلاة، باب القراءة في الصلاة، ج ۱ ص ۵۱۰ تا ۵۱۳

علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ (متوفی ۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

فأول السورة رحمة وأوسطها هداية وآخرها نعمة وحظ العبد من النعمة على قدر حظه من الهداية وحظه منها على قدر حظه من الرحمة. ❶

ترجمہ: سورت کا اول حصہ رحمت ہے اور درمیانی حصہ ہدایت ہے اور آخری حصہ نعمت ہے، بندے کو نعمت میں سے اس قدر حصہ ملتا ہے جس قدر حصہ اس کو ہدایت میں سے ملا ہے، اور ہدایت میں سے اس قدر حصہ ملتا ہے جس قدر حصہ اس کو رحمت میں سے ملا ہے۔

لفظِ ''لا'' کے بجائے ''غیر'' کے ذکر کرنے میں کیا حکمت ہے؟

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (متوفی ۷۵۱ھ) فرماتے ہیں کہ جواب: اصل میں ''لا'' کا استعمال اثبات کے بعد ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے ''**جاء نی العالم لا الجاهل**'' میرے پاس عالم آیا جاہل نہیں آیا۔

یہ ''لا'' عطف کے لئے آتا ہے، لیکن غیر اپنے ماقبل کا تابع ہوتا ہے اس میں وصفی معنی پائے جاتے ہیں اور ''لا'' کے ہم معنی نہیں ہے۔ یہاں عطف کے بجائے صفت کے معنی زیادہ مناسب ہے۔ عطف اور وصف کے فرق کو سمجھ لینے سے اس آیت کی لطافت واضح ہو جائیگی ''**لا المغضوب عليهم**'' کے معنی اس سے زیادہ نہ ہوں گے کہ ''**مغضوب عليهم**'' سے ''صراط'' کی نسبت سلب کر لی جائے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے: ''**جاء نی العالم لا الجاهل**'' اس کے معنی بس اتنے ہی ہیں کہ عالم کے لئے مجیئت (آنا) ثابت اور جاہل سے اس فعل کی نفی کر دی جائے مگر غیر اپنے سے پہلے کلمہ کی صفت ہوتا ہے اس طرز بیان سے دو وصف حاصل ہوئے۔

ایک وصف ثبوتی ''**منعم عليهم**'' دوسرا سلبی ''**غير المغضوب عليهم**'' ذریعہ جو فائدہ حاصل ہو سکتا تھا وہ بھی حاصل ہو گیا، اور ساتھ ہی مزید حمد وثنا ثابت ہو گئی، اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ اہلِ ایمان غضب والوں سے قطعاً مختلف ہیں، وہ غضب کے مستحق نہیں ہیں،

---

❶ بدائع التفسير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۰۹

یہی وجہ ہے کہ غیر یہاں بطور صفت کے لایا گیا ہے نہ کہ بصورتِ استثناء، دوسری حالت میں وصفی معنی فوت ہوجاتے جو کہ اصل مقصود ہیں۔

دوسرا فائدہ: اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ اس بات کے مدعی ہیں کہ ہم ہی انعام یافتہ ہیں، مسلمان نہیں۔ تو اس کے جواب میں کہا گیا کہ انعام یافتہ تم نہیں بلکہ تمہارے غیر ہیں، اور مسلمانوں سے خطاب ہے کہ نعمت والے تم ہو نہ تمہارے غیر۔ یہاں لفظ غیر پوری طرح مغایرت (اجنبیت) کو بتلا رہا ہے۔

یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اس آیت میں یہود و نصاریٰ کا صراحتاً نام نہیں لیا گیا ہے، ان کے وصف کو بیان کیا گیا ہے، اس سے ان کی صفات مغضوبیت و ضلالت کو بے نقاب کرنا مقصود ہے، اور یہ کہ ان کی راہ، انعام یافتہ مؤمنین کی راہ سے بالکل الگ ہے اس لئے کہ انعام کامل، غضب و ضلال کے یکسر منافی ہے، یہ انعامِ کامل کسی مغضوب علیہ اور ضال کے لئے ثابت نہیں ہوسکتا۔ ❶

لفظ ''غَیرِ'' بیک وقت دو معنی کے لئے آتا ہے۔

ا......ایک تو نفی کے لئے ہے۔ ۲......مغایرت کے اثبات کے لئے، تو اب منعم علیہم اور مغضوب میں مغایرت کو بھی ثابت کر رہا ہے اور ساتھ ساتھ مغضوب کی نفی بھی کر رہا ہے، اب جب لفظِ غَیـــرِ میں نفی کا معنی بھی ہے تو پھر لفظِ ''لَا'' کو تاکید کے طور پر آگے ذکر کیا۔ لفظِ ''لَا'' میں صرف نفی کا معنی ہوتا ہے مغایرت کا نہیں ہوتا۔

''لَاالْـمَغْضُوبِ عَلَیهِمْ'' نہیں فرمایا اس لئے کہ حرف ''لَا'' فقط ماقبل کی نفی کیلئے آتا ہے اس صورت میں کلام کے یہ معنی ہوئے کہ اے اللہ ہم کو اہلِ انعام کا راستہ بتلا، نہ کہ اہل غضب کا، اور لفظِ غیر ماقبل کی نفی اور مغایرت دونوں پر دلالت کرتا ہے، فرق اتنا ہے کہ مغایرت پر صراحتاً اور نفی ماقبل پر ضمناً اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ اے اللہ! ہم کو اہلِ انعام کا راستہ بتلا، جن کا راستہ اہلِ غضب اور اہلِ ضلال کے راستے سے بالکل مغایر اور مباین

---

❶ بدائع الفوائد: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۷۵

ہو، خود اہلِ انعام اور ان کا راستہ غضب اور ضلال کے شائبے سے بالکلیہ پاک ہے۔ ❶

اہلِ غضب کے لئے اسم مفعول اور اصحاب ضلال کے لئے اسم فاعل کا صیغہ اختیار کرنے میں کیا حکمت ہے؟

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جواب: ظاہر بات ہے کہ اہل غضب وہ ہیں جن پر اللہ رب العزت کا غضب نازل ہوا۔ ان کو مغضوب کہنا ہی صحیح ہے باقی رہے اہل ضلال تو یہ خود گمراہ ہوئے اور گمراہی کو انہوں نے پسند کیا، یہاں ضال لانا مناسب تھا اور یہ وجہ بھی ہے کہ مضلین (گمراہ کئے گئے) کہنے کی صورت میں ان کے لئے ایک قسم کا عذر کا پہلو نکل آتا کہ خود گمراہ نہیں ہوئے بلکہ گمراہ کئے گئے ہیں۔ مگر یہ بھی واضح رہے کہ اس توجیہ کی بنا پر منکرین تقدیر (قدریہ) کے لئے استدلال کی گنجائش نہیں ہے اس آیت کا منشا یہ ہے کہ یہ لوگ گمراہ ہوگئے، لیکن اضلال کی اصل نسبت اللہ رب العزت کی طرف ہے۔ (کیونکہ اسبابِ ضلال کا خالق وہی ہے) اس آیت میں فرقہ جبریہ کا بھی رد ہے۔ جو بندے کی طرف کسی فعل کی نسبت کو حقیقتاً جائز قرار دیتے۔ ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ'' سے قدریہ کی تردید ہوگئی۔ چنانچہ اس پوری آیت میں قدریہ اور جبریہ کے عقائد فاسدہ کا ابطال موجود ہے اور ساتھ ہی مذہب اہلِ حق اہل سنت کی تائید و نصرت کا بھی واضح بیان ہے۔ اصل میں اہلِ حق ہی کا مسلک صحیح ہے جو کہ بلحاظِ توحید و خلق، تقدیر و قدرت کے قائل ہیں اور عمل و کسب کے اعتبار سے بندوں کے افعال کی نسبت ان کی طرف کرتے ہیں۔

اس آیت سے تقدیر، شریعت، قیامت اور نبوت سب ثابت ہوگئے، نبوت کا ثبوت اس طرح ہوا کہ نعمت اور غضب عذاب و ثواب کا دوسرا نام ہے اور نعمت والے انبیاء کرام اور ان کے پیروکار ہی ہیں۔ متبعین کو جو کچھ بھی ہدایت ملی ہے وہ انبیاء کرام کے ذریعے ہی سے ملی ہے کیوں کہ انسان کی نجات کے لئے اللہ عزوجل کی ہدایت ضروری ہے اور یہ ہدایت انبیاء کرام کی راہنمائی کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی، اس دلیل سے وضاحت و اختصار کے ساتھ نبوت ثابت ہوگئی، یہ بھی

❶ معارف القرآن کاندھلوی: سورہ فاتحہ، ج ۱ ص ۳۱، ۳۲

ظاہر ہوگیا کہ اس کا پھل وہ کامل نعمت ہے جو دارالنعیم جنت میں حاصل ہوگی اور اس کی مخالفت کا بھی ایک ثمر ہے اور وہ دائمی بدبختی کی صورت میں غضب الٰہی کا نزول ہے۔ غور کیجیے کہ یہ سورت باوجود اختصار کے، دین کے کتنے عظیم اور اہم مطالب پر مشتمل ہے۔ ❶

’’مغضوب علیھم‘‘ کو ’’ضآلین‘‘ پر کیوں مقدم کیا؟

یہ تقدیم چند وجوہ کی بنا پر ہے:

۱.....**مغضوب علیھم** (یہود) بلحاظ زمانہ مقدم ہیں۔

۲.....یہود مدینہ میں آپ کے پڑوس میں آباد تھے، نصاریٰ کی بستیاں دور تھیں۔ یہ وجہ ہے کہ قرآن میں یہود سے زیادہ خطاب کیا گیا ہے۔ سورۂ بقرہ، آل عمران، مائدہ ان سورتوں میں غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی۔

۳.....یہود کا کفر بہ نسبت نصاریٰ کے زیادہ سخت ہے، اس لئے غضب، لعنت اور عقوبت خاص طور سے ان پر مسلط ہے۔ ان کا کفر سرکشی اور بغاوت کی راہ سے آیا ہے، ان کی روش سے بچانے کے لئے لازمی تھا کہ ان کا ذکر پہلے کیا جاتا، اور یہ بات بھی اظہر ہے کہ ناواقف مجرم اور جان بوجھ کر سرکشی کرنے والے دونوں یکساں نہیں ہو سکتے۔

۴.....اس سے پہلے **منعم علیھم** کا ذکر ہو چکا ہے۔ غضب انعام کی ضد ہے، لہٰذا متصلاً ذکر، علم بلاغت کے لحاظ سے صفت، مقابلہ اور ازدواج کا حسن پیدا کر رہا ہے جو ضالین کے پہلے لانے سے حاصل نہ ہوگا۔ ❷

حرفِ واو کے ہوتے ہوئے پھر حرفِ ’’لَا‘‘ کا اضافہ کیوں کیا؟

’’وَلَا الضَّآلِّيْنَ‘‘ میں حرفِ عطف یعنی حرفِ واو کے ہوتے ہوئے حرفِ ’’لَا‘‘ کا اس لئے اضافہ کیا کہ اہلِ انعام کے راستے کا اہلِ غضب اور اہلِ ضلال کے راستے سے فرداً فرداً اور

---

❶ بدائع الفوائد: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۸۳

❷ بدائع الفوائد: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۸۲

علیحدہ علیحدہ مغایر ہونا معلوم ہو جائے۔ ’’وَلَا الضَّآلِّينَ ‘‘ سے اگر حرف ’’لا‘‘ کو حذف کر کے ’’غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ وَالضَّالِّيْنَ‘‘ کہا جائے تو مجموعہ فریقین کے راستے سے اہلِ انعام کے راستے کا مغایر ہونا مفہوم ہوگا، اہل انعام کے راستے کا ہر واحد سے علیحدہ علیحدہ مغایر ہونا معلوم نہ ہوگا، اور ظاہر ہے کہ مجموع من حیث المجموع کی مغایرت ہر واحد کی مغایرت کو مستلزم نہیں۔ ہاں ہر واحد کی مغایرت مجموع من حیث المجموع کی مغایرت کو بالا ولویت مستلزم ہے۔ ❶

لفظ ’’لا‘‘ کو ذکر کرنے کے فوائد

لفظ واو مطلق جمع کے لئے آتا ہے خواہ وہ جمعیت علی سبیل الاقتران ہو یا علی سبیل التعاقب ہو یا علی سبیل التباعد ہو، اب جب ’’جاء نی زید و عمرو‘‘ کہا جائے تو اس میں تینوں احتمالات ہوں گے، اب اگر ’’ماجاء نی زید و عمرو‘‘ کہا جائے تو مقصود تینوں احتمالات کی نفی کرنا ہوگا، لیکن چونکہ واو مطلق جمعیت کے لئے آتا ہے اس پر یہ توہم ہوگا اس میں جمعیت کاملہ کی نفی ہے علی سبیل التباعد والتعاقب کی نفی نہیں ہے اس لئے اس وہم کو دور کرنے کے لئے لفظ ’’لا‘‘ لا کر اس نفی کی تاکید کر دی، اب مطلب ہوگا ’’ماجاء نی زید ولا عمرو‘‘ زید و عمرو نہ تو ایک وقت میں آئے نہ علی سبیل التعاقب نہ علی سبیل التباعد آئے تو لفظِ ’’لا‘‘ کو نفی سابق کی تاکید کے لئے ذکر کیا گیا ہے۔

’’لا‘‘ کے لانے میں چار اہم فوائد ہیں:

ا.....اس کے ذریعے سے غیر میں جو نفی کے معنی پائے جاتے ہیں، اس کی تاکید ہو جاتی ہے۔ اگر غیر میں نفی کے معنی نہ ہوتے تو پھر ’’لا‘‘ کے ساتھ حرفِ عطف واو کا لانا بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔

۲.....’’لا‘‘ کے اضافہ سے یہ فائدہ ہوا کہ انعام یافتہ گروہ کی راہ، یہود و نصاریٰ دونوں میں سے ہر ایک کی راہ سے الگ ہے یہاں فرداً فرداً مغایرت ثابت ہوگئی۔ ’’لا‘‘

---

❶ معارف القرآن کاندھلوی: سورہ فاتحہ، ج ۱ ص ۳۲

کے نہ لانے کی صورت میں یہ وہم پیدا ہوسکتا تھا کہ دونوں گروہوں سے مجموعی طور پر غیرت مقصود ہے نہ کہ ہر ایک سے علیحدہ۔

اس وہم کو دور کرنا مقصود ہے کہ ''ضالین ، مغضوب علیھم'' کی صفت ہے۔ ایسا ہوا کرتا ہے کہ ایک ذات کی چند صفتوں کے درمیان حرف عطف لے آیا کرتے ہیں۔ (ملاحظہ ہوں، سورۂ مؤمنون کی ابتدائی چند آیات)

جب ''لا'' یہاں داخل ہوگیا تو معنی یہ ہوئے کہ دونوں وصف دو گروہوں سے الگ الگ تعلق رکھتے ہیں اور دونوں مقصود بالذکر ہیں، اس مقام پر ''لا'' غیر پر چند وجوہ کی وجہ سے فوقیت رکھتا ہے:

۱.....حرف کم ہیں۔ ۲.....تکرار نہیں۔

۳.....''غیر'' کے دوبار لانے سے زبان پر ثقل ہوجاتا، درمیان میں صرف ایک کلمہ مغضوب ہی کا فصل ہوتا۔ عبارت کے اس بھونڈے پن سے کسے انکار ہوسکتا ہے؟

۴.....''لا'' کے ساتھ عطف کرنے میں ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ صراط مستقیم والوں سے غضب اسی طرح دور ہے جس طرح ان سے ضلال منتفی (دور) ہے، اگرچہ غیر نے اس نہی کو بتلایا ہے، مگر ''لا'' نہی کے معنی میں زیادہ زوردار ہے۔ ❶

پچاسویں بحث: سورہ فاتحہ میں بلاغت کے گیارہ عمدہ نکات

المبالغة في الثناء على الله وذلك لعموم "ال" في الحَمْدُ على التفسير الذي مر. الاتيان بالرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ عقب اتصافه برَبِّ العَالَمِينَ لافادة الترغيب بعد الترهيب فيكون أرغب للعبد على الطاعة وأمنع من المعصية. تقديم المعمول على عامله في قوله إِيَّاكَ نَعْبُدُ لإفادة الحصر والاختصاص. الاضافة لأدنى ملابسة في "يوم الدين" كإضافة السائر الظروف إلى ما وقع فيها من الحوادث كيوم الأحزاب.

---

❶ بدائع الفوائد: ج ۱ ص ۸۴

تقديم العبادة على الاستعانة في إِيَّاکَ نَعْبُدُ وَإِيَّاکَ نَسْتَعِينُ ليوافق رؤس الآية وليعلم أن تقديم الوسيلة على طلب الحاجة ادعى الى الإجابة. الالتفات من الغيبة في قوله الحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ إلى الخطاب في قوله إِيَّاکَ نَعْبُدُ. الاستعارة التصريحية الأصلية في قوله اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ حيث شبه دين الإسلام بالطريق الحسي بجامع ان كلا يوصل إلى المقصود واستعير اسم المشبه به للمشبه. طلب الشيء مرادا به طلب دوامه واستمراره في قوله اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ أي ثبتنا عليه. تفسير والبيان في قوله صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ بعد الإبهام في قوله اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ لأنه أوقع في النفس. "غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ" حيث لم يقل غير الذين غضبت عليهم تعليما لعباده الأدب، حيث أسند الخبر إلى نفسه وأبهم في الشر نظير قوله تعالى "فَأَرَدْتُّ أَنْ أَعِيبَهَا" وقوله "وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ" زيادة لَا في قوله "وَلَا الضَّالِّينَ" لتاكيد النفي المستفاد من غير. [1]

۱.....اللہ تعالیٰ کی تعریف میں مبالغہ اور عموم کے لئے "الحمد" کے شروع میں الف لام کو ذکر کیا۔

۲....."رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" کے بعد "اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" کو ذکر کیا یہ ترغیب بعد الترہیب ہے پس اس طرح سے اسلوب اپنانے سے بندہ اطاعت کی طرف زیادہ راغب ہوتا ہے اور معصیت سے خوب بچتا ہے۔

۳....."اِيَّاکَ نَعْبُدُ" میں معمول کو عامل پر مقدم کیا حصر اور اختصاص کے فائدے کے لئے۔

۴.....ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے لفظ "یوم" کی "دین" کی طرف اضافت کی ہے، جس طرح دیگر ظروف کی اضافت کی جاتی ان کی طرف جس میں وہ حوادث واقع ہوئے ہیں، جیسے "یوم الأحزاب" (جماعتوں والا دن)۔

---

[1] حدائق الروح والريحان: سورة الفاتحة، البلاغة، ج ۱ ص ۹۱، ۹۲

۵.....عبادت کو استعانت پر مقدم کیا ہے تا کہ رؤسِ آیات (یعنی آیات کا آخر باعتبار سجع) کے موافق ہو جائے، تا کہ بندے کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ وسیلے کو مقدم کرنا طلب حاجت پر یہ قبولیت کی طرف زیادہ داعی ہے۔

۶.....غائب یعنی ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' سے خطاب ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ'' کی طرف التفات ہے۔

۷.....''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ'' میں استعارہ تصریحیہ اصلیہ ہے، اس طور پر کہ دین اسلام کو جس راستے (یعنی وہ راستہ جو حواس کے ذریعے معلوم ہو جیسے: حسی راستہ آنکھوں سے دیکھ کر معلوم ہوتا ہے) کے ساتھ تشبیہ دی ہے، وجہ تشبیہ یہ ہے کہ ان میں ہر ایک انسان کو مقصود و منزل تک پہنچاتا ہے، مشبہ بہ (صراط) کو مشبہ کے لئے بطور استعارہ کے استعمال کیا ہے۔

۸.....شی کے طلب کرنے سے دوام اور استمرار کا ارادہ کیا ہے جیسے ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ'' میں ابہام تھا، اس کے بعد ''صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ'' میں ماقبل کی تفسیر اور وضاحت ہے، یہ اسلوب (یعنی تفصیل بعد الابہام) اس لئے اختیار کا جاتا ہے کہ یہ اوقع فی النفس ہے (یعنی اس طرز سے مضمون ذہن میں بیٹھ جاتا ہے اور یاد رہتا ہے)۔

۹.....اللہ تعالی نے ''غَضَبْتَ عَلَيْهِمْ'' نہیں فرمایا اس میں بندوں کو ادب کی تعلیم دینی ہے، اس طور پر کہ خیر کی نسبت (اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ) اللہ تعالی نے اپنی طرف کی ہے اور شر کی نسبت کو مبہم رکھا ہے، اس کی نظیر اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے ''فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا'' میں نے چاہا کہ اس کشتی کو عیب دار کر دوں۔ اسی طرح ''وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ'' جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ اللہ تعالی ہی مجھے شفاء دیتا ہے۔ (پہلی آیت میں عیب کی نسبت حضرت خضر علیہ السلام نے اپنی طرف کی، اور دوسری آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مرض کی نسبت اپنی طرف کی جب کہ شفاء کی نسبت اللہ رب العزت کی طرف کی)۔

۱۰.....''غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ'' میں لفظ غیر سے جو نفی مستفاد ہو رہی ہے اس کی تاکید کے لئے ''وَلَا الضَّآلِّيْنَ'' میں لفظ ''لَا'' کا اضافہ کیا ہے۔

مؤلف کی کاوشوں پر ایک طائرانہ نظر

Designed & Printed By: Shafaq Urdu Bazar Karachi. 0321-2037721

اسٹاکسٹ

ادارۃ المعارف کراچی
(احاطہ جامعہ دار العلوم کراچی، کورنگی انڈسٹریل ایریا۔ کراچی)
021-35123161,021-35032020,0300-2831960

مولانا محمد ظہور صاحب
(جامعہ سراج الاسلام، پارہوتی، مردان)
0334-8414660,0313-1991422

مولانا محمد نعمان صاحب کے علمی و تحقیقی بیانات و دروس کے لئے اس وٹس ایپ نمبر پر رابطہ کریں: 03112645500